ربیع الاول اور اس کے متعلقات

تحقیقی وتوقیتی مطالعہ

پروفیسر ظفر احمد

تقدیم

مذکورہ بالا عنوان پر اس مقالے میں عربوں کے دور جاہلیت اور حجۃ الوداع سے پہلے تک کی قمریہ شمسی اور قمری تقاویم کے متعلق عموماً اور ماہ ربیع الاول کے متعلق خصوصاً نہایت ہی اہم مباحث پیش کیے گئے ہیں۔ ان میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت طیبہ کے بعض اہم واقعات کی توقیت (متعلقہ سال، مہینے اور تواریخ) پر تحقیقی نظر ڈالی گئی ہے اور عوام وخواص میں پائی جانے والی بعض سنگین فکری لغزشوں کی نشان دہی کی گئی ہے۔ اگر ان مباحث اور صحیح حقائق تک رسائی کے اسباب اور ذرائع دشوار اور کم یاب نہ ہوتے تو امتِ مسلمہ میں ان کے متعلق نہایت وسیع پیمانے پر بے خبری کا عالم نہ ہوتا۔ یہ دقیق مضامین گہرے اور سنجیدہ مطالعے کے متقاضی ہیں۔ اس سلسلے میں بے جا طور پر پیدا ہونے والے شبہات، اشکالات اور اعتراضات کے بحمد اللہ نہایت اطمینان بخش جوابات بھی پیش کئے گئے ہیں۔ اس لئے ان مباحث کے مکمل مطالعے سے پہلے جلد بازی میں کسی طرح کی رائے قائم کر لینا ہرگز مناسب نہیں۔ قارئین کرام کی سہولت کے لئے ان مباحث کو سوالاً جواباً پیش کیا جا رہا ہے۔ وباللہ التوفیق۔

ا۔ سوال نمبر ا:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس ربیع الاول میں پیدا ہوئے کیا اس سے پہلے کوئی اہم واقعہ بھی پیش آیا تھا؟

جواب: جی ہاں! یمن کے عیسائی حکمران ابرھہ نے بیت اللہ (خانہ کعبہ) کو (معاذ اللہ) مسمار کرنے کے خبیث عزائم کے تحت محرم کے مہینے میں مکہ مکرمہ پر چڑھائی کی، لیکن مکہ مکرمہ پہنچنے سے پہلے ہی وہ اپنے لشکر سمیت وادیٔ محسر میں اللہ تعالیٰ کے عذاب کا شکار ہوا جس کا ذکر قرآن کریم کے تیسویں پارے

کی سورۃ ''الفیل'' میں بھی ہے۔اس کے لشکر میں ہاتھی بھی تھے اس لئے یہ لوگ اصحاب الفیل کہلائے۔جس سال ابرھہ کا یہ ناکام حملہ ہوا اسے عام الفیل کہا جاتا ہے۔

۲۔سوال نمبر۲:

ابرھہ نے یہ حملہ کیوں کیا تھا؟

جواب: ابرھہ نے بیت اللہ (خانہ کعبہ) کے مقابلے میں یمن کے شہر صنعا میں ایک نہایت خوب صورت اور عظیم الشان کلیسا تیار کرایا اور عربوں کو حکم دیا کہ وہ خانہ کعبہ کا حج اور طواف کرنے کی بہ جائے اس کے بنائے ہوئے کلیسا کا حج اور طواف کیا کریں اور آئندہ کے لئے اللہ کے گھر (کعبہ) کو ہمیشہ کے لئے بھول جائیں۔اس پر عرب سخت مشتعل ہوئے اور ابرھہ کے حکم پر اس کے بنائے ہوئے کلیسا کا کسی نے بھی حج نہ کیا۔حج کرنا تو ایک طرف رہا،عربوں کے قبیلہ بنوکنانہ کے ایک فرد نے اس کلیسا کو نجاست سے آلودہ کر دیا جس پر ابرھہ سخت غضب ناک ہوا اور اس نے بیت اللہ (کعبہ) کو منہدم کرنے کا پختہ ارادہ کرلیا۔

۳۔سوال نمبر۳:

عربوں کے قبیلے بنوکنانہ کی کیا ذمے داری تھی اور ابرھہ کے کلیسا کی بنوکنانہ کے ایک فرد نے ہی بے حُرمتی کرنے میں خاص دل چسپی کیوں لی؟

جواب: عرب قبیلے بنوکنانہ کی یہ ذمے داری تھی کہ وہ قمری تقویم کے بعض سالوں میں نسی کا ایک مہینہ بڑھا کر سال کو تیرہ ماہ کا کیا کرتا تھا۔نسی کا مہینہ بڑھانے والے کو ناسی کہا جاتا تھا۔نسی کا لغوی معنیٰ ''بڑھانے اور مؤخر کرنے'' کا ہے۔متقدمین اہل سیر و مغازی مثلاً ابن ہشام نے ابرھہ کے حملے کے ضمن میں قلامسہ اور نُساۃ کا بھی ذکر کیا ہے۔(ا/ الف) قلامسہ کا لفظ ''قلمّس'' کی اور نُساۃ کا لفظ ''ناسی'' کی جمع ہے۔سب سے پہلے بنوکنانہ کے جس سردار نے نسی کا مہینہ بڑھایا اس کا نام حذیفہ بن عبد بن فقیم کنانی اور لقب قلمّس تھا۔بعد کے ہر ناسی کو قلمّس کہا جانے لگا جس کی جمع قلامسہ آتی ہے۔سب جانتے ہیں کہ خالص قمری تقویم کے مہینے ہمیشہ ایک ہی موسم میں نہیں رہتے۔یہ ۳۲ شمسی اور ۳۳ قمری سالوں میں تمام موسموں گرما،سرما،بہار اور خزاں سے ہو کر گزرتے ہیں۔اس کے برعکس شمسی سال کے مہینے ہمیشہ اپنے اپنے متعینہ موسم میں ہی رہتے ہیں۔اگر قمری مہینوں کو بھی ایک ہی موسم میں رکھنا ہو اور ساتھ ہی مہینے اور تواریخ بھی قمری ہی رکھنی ہوں تو اس کے لئے بعض قمری سالوں کو بارہ کی بہ جائے لازماً تیرہ مہینوں کا کرنا پڑے گا۔اس کی وجہ یہ ہے کہ قمری سال کی دنوں میں مدت شمسی سال کی دنوں میں مدت سے کوئی گیارہ دن کم ہوتی

ہے۔ظاہر ہے کہ تین سالوں کے بعد ۳۳ دنوں کا فرق پڑ جائے گا۔اس فرق کو دور کرنے اور قمری مہینوں کو متعینہ موسموں کے مطابق رکھنے کے لئے کوئی تین سال کے بعد اور بعض صورتوں میں دو سال کے بعد قمری سال میں نسی کے ذریعے ایک مہینہ اور بڑھانا ہوگا۔عربوں نے دور جاہلیت میں یہ طریقہ اختیار کر کے اپنی خالص قمری تقویم کو بدل ڈالا۔ کچھ سالوں میں جب یوں تیرہواں مہینہ بڑھایا جائے گا تو خالص قمری تقویم کے مہینے اپنی جگہ پر نہیں رہیں گے۔ ہماری موجودہ ہجری تقویم خالص قمری تقویم ہے۔فرض کیجیے کسی سال اس کے مہینوں ربیع الاول اور ربیع الثانی کے درمیان ایک اور مہینہ ربیع الاول نسی کے نام سے بڑھایا جاتا ہے تو ربیع الاول سے بعد والے مہینے اپنی جگہ پر نہیں رہیں گے بل کہ ایک ماہ کے لئے مؤخر ہو جائیں گے۔ اسی عمل کو جاری رکھتے ہوئے جب اگلے تین سالوں میں ایک سال کو پھر تیرہ مہینوں کو کیا جائے گا تو قمری مہینے اپنے اصل مقام سے مزید مؤخر ہو جائیں گے۔اس عمل کو جاری رکھنے پر مہینوں کے مؤخر ہوتے رہنے کا یہ سلسلہ چلتا رہے گا یہاں تک کہ ۳۳ سالوں کے بعد جا کر ربیع الاول کا اصل مہینہ اپنی جگہ پر آ جائے گا اور وہ بھی صرف دو تین سال کے لئے اصل مقام پر رہے گا۔اس کے بعد نسی کے عمل کو جاری رکھنے پر پھر سال ہا سال کے لئے اپنی جگہ پر نہیں رہے گا بل کہ اس کی جگہ پر دوسرے قمری مہینے ادل بدل کر آتے رہیں گے یہاں تک کہ اگلے ۳۳ سالوں کے بعد پھر ربیع الاول اپنی اصل جگہ پر آ جائے گا۔بعض قمری سالوں میں نسی کے ذریعے اگر تیرہویں مہینے کو بڑھا کر انہیں خاص موسموں میں اسی طرح متعین کر دیا جائے جیسے شمسی تقویم کے مہینے ہوا کرتے ہیں تو اس طرح نمودار ہونے والی قمری تقویم اپنی اصل حالت پر رہنے کی بہ جائے قمریہ شمسی (Luni- Solar) تقویم بن جائے گی۔نسی کے تیرہویں مہینے کا اصطلاحی نام ''کبیسہ'' ہے اور تیرہ مہینے والے سال کو مکبوس سال کہا جاتا ہے اور اس کے مقابلے میں بارہ مہینوں والے سال کو اس قمریہ شمسی تقویم میں غیر مکبوس سال کہا جاتا ہے۔مکبوس اور غیر مکبوس سالوں پر مشتمل اس قمریہ شمسی تقویم کو نسی والی تقویم اور اس کے مہینوں کو نسی کی تقویم والے مہینے کہا جاتا ہے۔عربوں نے جب اس قمریہ شمسی تقویم کو اپنایا تو بعض قمری سالوں میں تیرہواں مہینہ بڑھانے کی ذمے داری قبیلہ بنو کنانہ کے سپرد کی گئی۔اس قبیلے کا سردار ایام حج میں مخصوص سالوں میں تیرہواں مہینہ بڑھانے کا باقاعدہ اعلان کیا کرتا تھا۔ چوں کہ قمریہ شمسی تقویم کی حفاظت قبیلہ بنو کنانہ کے سپرد تھی اور چوں کہ قمریہ شمسی تقویم کی وجہ سے دور جاہلیت کا حج خالص قمری تقویم کے ذی الحجہ کی بہ جائے قمریہ شمسی ذی الحجہ میں ہوا کرتا تھا لہٰذا جس ذی الحجہ میں ابرھہ والیٔ یمن کو پورا وثوق اور اطمینان تھا کہ عرب اس کے بنائے ہوئے کلیسا کا حج کریں گے تو یہ ذی الحجہ قمری ہرگز نہیں بل کہ قمریہ شمسی ذی الحجہ تھا۔قمریہ شمسی تقویم اور اسی طرح قمریہ شمسی ذی الحجہ کی حفاظت کی ذمے داری بنو کنانہ پر تھی۔ لہٰذا

ابرھہ کے بنائے ہوئے کلیسا کی بے حرمتی کرنے میں اگر اسی قبیلے کے ایک فرد نے خاص دل چسپی لیتے ہوئے سب پر سبقت دکھائی تو اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں بل کہ یہ تاریخی واقعہ عین قرین فہم ہے۔

۴۔ سوال نمبر ۴:

آپ نے یہ دعویٰ جو کیا ہے کہ عربوں نے اپنی قمری تقویم کو قمریہ شمسی میں بدل ڈالا تھا اور یہ کہ ان کا حج ہمیشہ قمریہ شمسی ذی الحجہ میں ہوا کرتا تھا، اس کا آپ کے پاس کیا ثبوت ہے؟

جواب: اوّلاً قرآن کریم کی سورہ توبہ میں عربوں کی رسم نسی کا ذکر ہے اور آیت نسی سے پہلے کی آیت کا مضمون ہے کہ جب سے اللہ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا ہے تو اسی دن سے اللہ کے نزدیک مہینوں کی تعداد بارہ ہی رہی ہے جس میں چار مہینے حرمت والے ہیں۔ پھر آیت نسی کا مضمون یہ ہے کہ نسی کی یہ رسم کفر (کے کاموں) میں اضافہ ہے جس کے ذریعے کفار (مزید) گم راہ ہوتے ہیں۔ وہ (نسی کے عمل سے) کسی سال حرمت والے مہینے کو حلال ٹھہراتے اور کسی سال حرام ٹھہراتے ہیں تاکہ (اپنے اس خود ساختہ اور من پسند عمل سے) حرمت والے مہینوں کی تعداد پوری کر لیں (۱/ب) مناسک حج کی ادائیگی کا مہینہ ذی الحجہ بھی حرمت والا ہے۔ رسم نسی کی وجہ سے خالص قمری تقویم کا ذی الحجہ بھی اپنی اصل جگہ پر کیسے رہ سکتا تھا۔ اسی لئے تو نسی کو کفر میں اضافہ قرار دیا گیا ہے چناں چہ امام رازیؒ نے اپنی تفسیر کبیر میں آیت نسی کی تفسیر کے ضمن میں لکھا ہے کہ ''قمری سال شمسی سال سے چھوٹا ہونے کی وجہ سے قمری مہینے ایک موسم سے دوسرے موسم میں آتے جاتے رہتے ہیں۔ حج کبھی موسم سرما میں ہوتا ہے تو کبھی (ایک خاص عرصے کے بعد) موسم گرما میں ہوتا ہے۔ اس سے دور جاہلیت کے عربوں کے اشھُر حج میں ان کے تجارتی مفادات خلل پذیر ہونے لگے تو انہوں نے یہودیوں سے کبیہ (نسی کا مہینہ ڈالنے) کا طریقہ سیکھا۔ اس سے وہ بعض قمری سالوں کو تیرہ مہینوں کا کرنے لگے جس سے اصلی ذی الحجہ (یعنی خالص قمری تقویم کا ذی الحجہ) اپنی جگہ بدل کر دوسرے مہینوں میں بھی آنے لگا'' (۱/ج) اسی طرح کا مضمون تفسیر ثعالبی میں بھی ہے۔ کہ نسی والا سال تیرہ ماہ کا ہوا کرتا تھا۔ پہلا مہینہ محرم ہوتا تھا جس کی حرمت کو حلال کر لیا جاتا تھا۔ پھر وہ صفر کو محرم ٹھہرا لیتے تھے۔ (۲/الف) مختصر تفسیر ابن کثیر میں ہے کہ ابن جریر طبریؒ نے اس روایت کی تخریج کی ہے کہ (نسی والے) سال کو عرب تیرہ مہینوں کا کیا کرتے تھے تو وہ محرم کو صفر کی جگہ لے آتے تھے اور محرم میں جن کاموں کو حرام ٹھہرایا گیا ہے وہ انہیں حلال قرار دے لیتے تھے۔ (۲/ب) یعنی وہ اصل محرم کو حلال قرار دے لیتے تھے اور اس کے بعد صفر کے مہینے کو محرم (نسی) ٹھہرا کر اسے حرام قرار دیتے تھے۔

ثانیاً بعض احادیث سے بھی دور جاہلیت کے عربوں کی نسی کا علم ہوتا ہے۔ طبرانیؒ کی المعجم الاوسط میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما کی روایت ان الفاظ میں موجود ہے: **کانت العرب یحلون عاما شھرا وعاما شھرین ولا یصیبون الحج الاَّفی کل ست وعشرین سنة مرة. وھوالشیی الّذی ذکرہ اللہ فی کتابہ. فلما کان عام حج ابو بکر بالناس وافق ذالك العام الحج الاکبر ثم حج النبی صلی اللہ علیہ وسلم من العام المقبل فاستقبل الناس الاھلّة فقال صلی اللہ علیہ وسلم: انّ الزمان قداستدار کھیئتہ یوم خلق اللہ السّموٰات والارض** (۲/ج) ''عرب ایک سال (حرمت والے) مہینے کو (اس کی جگہ دوسرا مہینہ لا کر حلال ٹھہراتے تھے تو دوسرے سال دو مہینوں کو حلال ٹھہرا لیتے تھے اور حج (کے صحیح مہینے ذی الحجہ قمری) کو چھبیس سالوں میں صرف ایک مرتبہ ہی پاتے تھے۔ یہی وہ نسی ہے جس کا اللہ نے اپنی کتاب میں ذکر فرمایا ہے۔ تو جس سال ابو بکرؓ نے لوگوں کو (۹ ہجری قمری میں) حج کرایا تو یہ سال حج کے (مہینے ذی الحجہ) کے موافق ہوگیا تو اللہ نے اس کا نام حج اکبر رکھا۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اگلے سال حج فرمایا تو لوگ بڑی تعداد میں شریک ہوئے۔ اس موقع پر آپ نے فرمایا کہ زمانہ گھوم پھر کر پھر اسی حالت پر آ گیا ہے جس دن اللہ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا تھا''۔ مسند الامام الربیع بن حبیب میں یہ حدیث موجود ہے کہ خطبۂ حجۃ الوداع میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا تھا: **الاوانّ الحج فی ذی الحجة الیٰ یوم القیامة** (۳/الف) ''خبردار! حج تا قیامت ذی الحجہ (کے مہینے) میں ہی ہوا کرے گا''۔ حجۃ الوداع کے نبوی خطبات میں یہ فقرہ اگر چہ صحاح ستہ اور متداول کتب احادیث میں موجود نہیں لیکن مسند الامام الربیع بن حبیب میں منقول ہے۔ اس مسند کو صحاح ستہ پر تقدّم زمنی بہ ہر حال حاصل ہے۔ دور جاہلیت میں رسم نسی کی وجہ سے قمری مہینے اپنی اصل جگہ سے سال ہا سال کے لئے ٹل جایا کرتے تھے۔ اسی کی اصلاح فرماتے ہوئے حجۃ الوداع کے موقع پر نسی کو ہمیشہ کے لئے ختم کیا گیا، تا کہ حج کا مہینہ ذی الحجہ ہمیشہ اپنی اصل جگہ پر رہے اور حج تا قیامت اصل ذی الحجہ میں ہی ہوا کرے۔ وجہ ظاہر ہے کہ دور جاہلیت کے عربوں کا حج نسی والی (قمریہ شمسی) تقویم کے ذی الحجہ میں ہوا کرتا تھا تو وہ ۳۳ سالوں کے بعد ہی صرف دو تین سالوں کے لئے اصل قمری ذی الحجہ کے مقابل ہوا کرتا تھا۔

ثالثاً اہل سیر و مغازی نے بھی دور جاہلیت کی رسم نسی کی وضاحت میں لکھا ہے کہ نسی کی وجہ سے عربوں کا حج اصل قمری ذی الحجہ میں نہیں ہوا کرتا تھا (کیوں کہ قمریہ شمسی ذی الحجہ اور قمری ذی الحجہ میں زمین و آسمان کا فرق ہے)۔ چناں چہ مشہور سیرت نگار علامہ سہیلیؒ اپنی کتاب الروض الانف میں لکھتے ہیں:

فکانوا یؤخرونہ کل عام احد عشریوما او اکثر قلیلا، حتیٰ یدور الدور الیٰ ثلٰث و ثلاثین سنۃ فیعود الی وقتہ (۳/ب) ''وہ اہل عرب اس (ذی الحجہ) کو ہر سال گیارہ دن یا اس سے بعض اوقات زائد ایام تک مؤخر کرتے رہتے تھے یہاں تک یہ سلسلہ یوں ہی ۳۳ (قمری) سالوں تک چلتا رہتا اور پھر وہ (ذی الحجہ ۳۳ سالوں کے بعد) اپنے اصل وقت پر لوٹ آیا کرتا تھا''۔ علامہ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں:

انہّ اتفق ان حج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی تلک السنۃ فی ذی الحجۃ وانّ العرب قد کانت نسأت النسئ یحجوّن فی کثیر من السنین بل اکثر ھافی غیر ذی الحجہ (۳/ج) ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس سال حج (حجۃ الوداع خالص قمری تقویم کے) ذی الحجہ میں ہی ہوا اور بے شک عرب رسم نسی کو جاری رکھا کرتے تھے جس کی وجہ سے بہت سے بل کہ اکثر سالوں میں حج (خالص قمری تقویم کے) ذی الحجہ میں ہوا نہیں کرتا تھا''۔ طبقات ابن سعد میں ہے:

فکانت الجاھلیۃ یحجوّن فی کل شھر من شھورالسنۃ (۴/الف) ''زمانۂ جاہلیت میں وہ (اہل عرب) سال کے مہینوں میں سے ہر ایک (قمری) مہینے میں حج کرلیا کرتے تھے''۔ وجہ ظاہر ہے کہ نسی والی تقویم کا ذی الحجہ سال بہ سال اصل قمری تقویم کے تمام مہینوں کے باری باری مقابل رہا کرتا تھا اور سال ہا سال کے بعد یعنی ۳۲ شمسی اور ۳۳ قمری سالوں کے بعد دو تین سالوں کے لئے خالص قمری تقویم کے ذی الحجہ کے مقابل ہوتا بھی تھا تو نسی کی وجہ سے ہر سال باری باری از سرنو دوسرے قمری مہینوں کے مقابل ہونے لگتا تھا۔

رابعاً مشہور مسلم ریاضی دان البیرونیؒ اپنی کتاب الآثار الباقیہ میں لکھتے ہیں کہ ''عرب کے بت پرست ابتدا میں خالص قمری تقویم پر عمل پیرا تھے لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ حج کے مہینے مختلف موسموں سے گزرتے ہیں جس سے ان کے تجارتی اور معاشی مفادات سخت مجروح ہوتے ہیں (ذی قعدہ کے مہینے میں عکاظ اور ذوالمجاز کے تجارتی میلوں میں) موسم کے مطابق کھجوروں اور بھیڑ بکریوں وغیرہ کی تجارت خلل پذیر ہوتی ہے تو انہوں نے حج کے ان قمری مہینوں کو ایک خاص موسم (موسم گرما) میں متعین کرنے کے لئے یہودیوں سے کبیسہ (یعنی تیرہواں مہینہ بڑھانے) کا طریقہ سیکھا (اسی کو نسئی کا مہینہ یا بہ الفاظ دیگر لیپ کا مہینہ کہا جاتا ہے، ناقل) یہ ہی طریقہ چلتا رہا یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر اس قمریہ شمسی تقویم (نسی پر مبنی تقویم) کو ہمیشہ کے لئے منسوخ فرما دیا'' (۴/ب) البیرونیؒ نے اسی کتاب میں یہ بھی لکھا ہے کہ ''یہودیوں کے پہلے مہینے تشری کی دس تاریخ دور جاہلیت کے عربوں کی قمریہ شمسی تقویم کے پہلے مہینے محرم کی دس تاریخ کے مقابل ہوا کرتی تھی'' (۴/ج) البیرونیؒ کے

مذکورہ قول کی بھرپور تصدیق و تائید احادیث عاشورا سے بھی ہوتی ہے۔ مدینے میں ہجرت کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں کو دس محرّم کا روزہ رکھتے دیکھا جس کی وجہ انہوں نے یہ بیان کی کہ یہ فرعون سے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم بنی اسرائیل کی نجات کا دن ہے۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ یہ روزہ رکھنے کا میں زیادہ مستحق ہوں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی یہ روزہ رکھا اور صحابہ کرامؓ کو بھی اس کا حکم صادر فرمایا۔ رمضان کے روزوں کی فرضیت سے پہلے یہ روزہ فرض تھا۔ رمضان کے روزوں کے فرض ہونے پر یوم عاشورا کا روزہ نفلی قرار پایا۔ احادیث عاشوراء، احادیث کی نہایت معتبر کتب صحاح ستۃ میں موجود ہیں۔ (۵/ الف)

خامساً یہودیوں کی عبرانی تقویم (Hebrew Calendar) ایک قمریہ شمسی تقویم ہے۔ اس کے متعلق ضروری معلومات انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا اور انسائیکلوپیڈیا امیریکانہ جیسی حوالے کی کتب میں دیکھی جاسکتی ہیں۔ عربوں نے یہودیوں ہی سے قمریہ شمسی تقویم کو لیا تھا۔ لیکن مہینوں کے ناموں محرم تا ذی الحجہ میں انہوں نے کوئی تبدیلی نہ کی لہٰذا یہودیوں کی دس تشری عربوں کی قمریہ شمسی تقویم میں دس محرم کے مقابل ہوا کرتی تھی، جیسا کہ البیرونیؒ کی تصریحات اور احادیث عاشوراء سے بھی بہ خوبی واضح ہے ورنہ کوئی بھی قوم اپنے مذہبی مقاصد کے لئے اپنی مذہبی تقویم کو نظر انداز کر کے دوسری اقوام کی تقویم کو قبول نہیں کرتی۔ یہودی تو انتہائی متعصب ہیں وہ بھلا عربوں کی دس محرم کا روزہ کیوں رکھتے۔ وہ دس تشری کا روزہ رکھا کرتے تھے اور آج بھی یہودی مملکت اسرائیل میں دس تشری کا روزہ رکھا جاتا ہے جو ان کے ہاں انتہائی اہم مذہبی فریضہ ہے۔ دور حاضر کی یہودی قمریہ شمسی تقویم کا بنیادی ڈھانچہ آج بھی وہی ہے جو دور جاہلیت اور دور نبوی کی یہودی قمریہ شمسی تقویم کا تھا۔ دور حاضر میں اس تقویم کا پہلا مہینہ تشری، گریگورین عیسوی تقویم کی ۵ ستمبر سے ۵ اکتوبر کی تواریخ کے درمیان ہوا کرتا ہے۔ یعنی اکثر سالوں میں تشری کا بڑا حصہ ستمبر کے مقابل ہوا کرتا ہے۔ دور نبوی میں یہ جیولین عیسوی کی ۲۷ اگست سے ۲۶ ستمبر کی تواریخ کے درمیان ہوا کرتا تھا۔ جیولین اور گریگورین عیسوی تقویم کی وضاحت ان مباحث میں آئندہ سطور میں سوال نمبر ۷ کے جواب میں کی جائے گی۔ البیرونیؒ نے یہ بھی لکھا ہے کہ یہودیوں کی یکم تشری سن سکندری کی ۲۷ آب اور ۲۶ ایلول کی تواریخ کے درمیان آیا کرتی تھی۔ (۵/ ب) اور سن سکندری کے مہینوں کے جو نام البیرونی نے لکھے ہیں ان میں گیارھواں اور بارھواں مہینہ بالترتیب آب اور ایلول ہے۔ (۵/ ج) سن سکندری کا پہلا مہینہ ٹھیک عیسوی مہینے اکتوبر کے مقابل ہوا کرتا ہے۔ پس سن سکندری میں آب اور ایلول کے مہینے بالترتیب اگست اور ستمبر کے مقابل ہوتے ہیں۔ (۶/ الف) یعنی دور نبوی میں عربوں کا محرم قمریہ شمسی،

عیسوی تقویم کی ۲۷ اگست سے ۲۶ ستمبر کی تواریخ کے درمیان آیا کرتا تھا۔

سادسأ دور حاضر کے تقویم نگار بھی دور جاہلیت اور دور نبوی کی اس قمریہ شمسی تقویم کو تسلیم کرتے ہیں۔ مثلاً ہمارے وطن عزیز کے مشہور محقق مولانا عبدالقدوس ہاشمیؒ اپنی کتاب تقویم تاریخی میں لکھتے ہیں: ''......اس کے بعد سے یہ طریقہ رائج ہوگیا کہ قبیلہ بنی کنانہ کا سردار حج کے اجتماع میں اعلان کر دیا کرتا تھا کہ آئندہ حج کس ماہ میں ہوگا اور اضافی تیرہواں مہینہ اس نے کس مہینے کے ساتھ بڑھایا ہے۔ اس طرح لفظ قلمّس نام کی بہ جائے ایک عہدے کا نام ہوگیا اور تاریخوں میں اس کی جمع ''قلامسہ'' ملتی ہے......غرض یہ کہ نسی کا رواج عرب میں ہوگیا لیکن یہ نہیں ہوا کہ سارے عرب نے اسے قبول کرلیا ہو۔ صرف مکے اور اس کے نواح والے کبیسہ والے سال سے شمار کرتے اور بغیر کبیسہ سال کو اگر چہ یاد رکھتے مگر شمار میں نہ لاتے تھے۔ اسے (یعنی بغیر کبیسہ والے کیلنڈر کو) مدنی کیلنڈر سمجھ لیجیے اور دوسرا قلمّس کے اعلان پر مبنی کیلنڈر جسے اہل حضر کا کیلنڈر یعنی مکی کیلنڈر سمجھ لیجیے......یہی وجہ ہے کہ روایات اسلامی میں تاریخوں اور مہینوں کے بعض اختلافات ملتے ہیں لیکن کوئی مکی سال کا مہینہ اور تاریخ بیان کرتا ہے اور کوئی مدنی سال کا۔ یہ طریقہ ۱۰ ہجری تک جاری رہا۔ اس سال دورہ کے بعد حج حقیقتاً ذی الحجہ کی نو کو جمعہ کے دن ہوا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بہ حکم خدا یہ اعلان فرمایا کہ اب زمانہ پھر صحیح وقت پر آ گیا ہے۔ آئندہ سے نہ کبیسہ ہوگا اور نہ نسی ہوا کرے گی۔ اس کے بعد سے ایک ہی قسم کا قمری سال شمار ہونے لگا''۔ (۶/ب)

مشہور و معروف تقویم نگار محترم ضیاء الدین لاہوری اپنی کتاب جوہر تقویم میں لکھتے ہیں: دنوں اور مہینوں کے علاوہ مؤرخین کی بیان کردہ تقابلی عیسوی تاریخوں میں سالوں تک کا فرق ہے۔ اس کی ایک اہم وجہ اس دور میں قمری مہینوں کے دو مختلف نظاموں کی موجودگی بتائی جاتی ہے۔ ان میں سے ایک کیلنڈر تو خالص قمری تھا جس کا ہر سال بارہ مہینوں کا ہوتا تھا جب کہ دوسرا کیلنڈر جسے اصطلاحاً قمریہ شمسی (Lunio-Solar) کہا جاتا ہے، قمری اور شمسی دونوں اعتبار سے ترتیب پاتا تھا۔ مؤخر الذکر میں بنیادی طور پر مہینے تو قمری ہی استعمال ہوتے تھے مگر اسے شمسی یا موسمی سال کے مطابق کرنے کے لئے خاص خاص سالوں میں تیرہویں مہینے کا اضافہ کر دیا جاتا تھا، جسے لوند کا مہینہ یا کبیسہ کہتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ عہد نبوی کے واقعات کے بیان میں بعض مؤرخین نے خالص قمری تقویم کو بنیاد بنایا، جب کہ دوسروں نے قمریہ شمسی تقویم کے مطابق تاریخیں بیان کیں......اگر ہم عہد نبوی کی ابتدائی تاریخ پر نظر ڈالیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ یہودی اس دور کے معاشرے میں بہت ذی اثر تھے، لہٰذا خیال کیا جا سکتا ہے کہ اگر ان دنوں میں کوئی قمریہ شمسی تقویم عملاً موجود تھی تو اغلباً یہی تقویم ہوگی''۔ (۶/ج)

دور حاضر کے مکتبۂ اہل حدیث کے ایک نام ور عالم دین مولانا عبدالرحمٰن کیلانیؒ اپنی کتاب الشمس والقمر بحسبان میں لکھتے ہیں: ''عرب میں ہر تیسرے سال مہینہ بڑھانے کا کام سب سے پہلے قبیلہ کنانہ کے ایک شخص قلمس نامی نے سرانجام دیا اور یہ کام بھی اپنے ذمے لیا کہ ہر حج کے اجتماع کے موقع پر یہ اعلان کر دے کہ اس سال اضافہ ہوگا یا نہیں اور اگر ہوگا تو کس ماہ کے ساتھ یہ تیرہواں مہینہ بڑھایا جائے گا، نیز یہ کہ آئندہ سال حج کس ماہ میں ہوگا...... پھر یہ گڑبڑ صرف حج تک ہی محدود نہ رہی...... کبیسہ کے طریق کی وجہ سے ان حرمت والے مہینوں میں بھی تقدیم و تاخیر اور گڑبڑ پیدا ہو جاتی تھی...... اس تقدیم و تاخیر کو عرب نسی کہتے تھے...... قلمسی کیلنڈر کا صرف مکے میں ہی رواج ہو سکا وہ بھی اس صورت میں کہ یہاں دونوں قسم کے کیلنڈر رائج تھے۔ قلمسی کیلنڈر کی عرب بھر میں عدم مقبولیت کا یہ عالم تھا کہ قلمسی کیلنڈر کو مکی کیلنڈر کہہ دیا جاتا تھا۔ مکے کے علاوہ اور کسی جگہ یہ کیلنڈر رواج نہ پا سکا'' (۷/ الف) کیلانی صاحب اس دور کے عرب معاشرے میں دو تقویمی نظام کی موجودگی کے قائل ہیں لیکن دیگر اہل علم کی طرح اس زبردست غلط فہمی کا شکار ہیں کہ قمریہ شمسی کیلنڈر عربوں میں مقبولیت عامہ حاصل نہیں کر پایا تھا۔ چلئے انہوں نے یہ تو تسلیم کر لیا کہ حج کے مہینے کا اعلان قبیلہ کنانہ کا سردار (قلمس) کیا کرتا تھا، یعنی حج ہمیشہ قمریہ شمسی تقویم کے ذی الحجہ میں ہی ہوا کرتا تھا۔

سابعاً سیرت طیبہ کے مختلف پہلوؤں پر مجلہ نقوش کے سیرت نمبر کی ضخیم جلدوں میں مضامین شائع ہوئے ہیں ان میں دوسری جلد میں محترم اسحاق النبی علوی صاحب کا ایک طویل مقالہ ''توقیت السیرۃ النبویۃ'' موجود ہے۔ اس میں مدنی دور کے بعض اہم واقعات غزوات و سرایا کے حوالے سے نہایت ہی شد و مد سے ثابت کیا گیا ہے کہ دور نبوی میں قمریہ شمسی اور قمری دونوں تقاویم چل رہی تھیں۔ قمریہ شمسی محرم کا آغاز موسم خزاں سے ہوا کرتا تھا۔ غزوۂ بدر اور فتح مکہ کا رمضان قمریہ شمسی تھا۔ یہ مقالہ ہمارے موقف کی مکمل تائید و توثیق کر رہا ہے۔ چوں کہ غزوۂ بدر اور فتح مکہ کے رمضان میں سخت گرمی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اصحاب نے پہلے روزہ رکھا ہوا تھا، بعد میں جنگ کی وجہ سے روزہ افطار کیا تو اس سے یقینی ثبوت اس امر کا بھی فراہم ہوا کہ حجۃ الوداع میں قمریہ شمسی تقویم کی منسوخی سے پہلے مسلمان بھی اس دور کے معاشرتی حالات اور دیگر ناگزیر وجوہ کی بنا پر اسی قمریہ شمسی تقویم پر عمل پیرا تھے۔

۵۔ سوال نمبر ۵:

کیا نسی کے متعلق قدیم و جدید مسلم محققین کی آرا و افکار کو اہل مغرب نے بھی قبول کیا ہے یا نہیں؟

جواب: جی ہاں۔ انہوں نے دور جاہلیت کی نسی پر مبنی قمریہ شمسی تقویم کو بجا طور پر تسلیم کیا ہے۔ چناں چہ کولیرز انسائیکلو پیڈیا میں ''مسلم کیلنڈر'' کے تحت لکھا ہے کہ'' حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے عرب لوگ ایک قمریہ شمسی تقویم استعمال کرتے تھے جس میں قمری مہینے استعمال ہوتے تھے اور ان میں (نسی کے ذریعہ) مہینے بڑھائے جاتے تھے۔ یہ تقویم یہودی تقویم کے مشابہ تھی۔ خیال کیا جاتا ہے کہ اس پرانی تقویم کے غلط استعمال کی وجہ سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ان زیادہ کئے جانے والے مہینوں (نسی) کو ختم کر دیا اور خالص قمری تقویم کو جاری فرمایا'' (۷/ب) انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا میں یہودی تقویم کے ضمن میں لکھا ہے کہ یہودیوں کا وہ مذہبی پیشوا جو بعض سالوں میں تیرہویں مہینے کا اضافہ کیا کرتا تھا اسے ناسی کہا جاتا تھا'' (۷/ج) یہودی تقویم میں قمریہ شمسی سال کا آغاز موسم خزاں سے ہوتا ہے اور اس کے پہلے مہینے تشری کا بڑا حصہ اکثر سالوں میں عیسوی مہینے ستمبر کے مقابل ہوا کرتا ہے۔ یہی صورتِ حال دور جاہلیت اور دور نبوی کے یہودیوں کی قمریہ شمسی تقویم کی بھی تھی۔ عربوں کی قمریہ شمسی تقویم بالکل یہودیوں کی طرز پر تھی صرف مہینوں محرم تا ذی الحجہ کے نام عربی تھے۔ ادھر خالص قمری تقویم کے مہینوں کے نام بھی وہی محرم تا ذی الحجہ ہی تھے۔ حال آں کہ قمریہ شمسی اور خالص قمری مہینے ایک دوسرے کے مقابل نہیں رہ سکتے تھے۔ اسی سے دو تقویمی التباس پیدا ہوا جس سے امت مسلمہ من حیث المجموع آج تک باہر نہیں نکل سکی۔ دور جاہلیت کے عربوں کا سنگین جرم ایک تو یہ ہے کہ انہوں نے خالص قمری تقویم کو اپنے معاشی مفادات کی خاطر قمریہ شمسی تقویم میں بدل ڈالا تو اسی کو مذہبی مقاصد کے لئے بھی استعمال کرنے لگے، جس سے دیگر قمری مہینوں کی طرح حرمت والے مہینے (ذی قعدہ، ذی الحجہ، محرم اور رجب) سال ہا سال کے لئے اپنے اصل مقام سے ٹل جایا کرتے تھے۔ دوسرا سنگین جرم یہ ہے کہ انہوں نے اس قمریہ شمسی تقویم کے مہینوں کے نام بھی محرم تا ذی الحجہ وہی رہنے دیئے جو خالص قمری تقویم کے مہینوں کے نام ہیں۔ یثرب (مدینے) کے لوگوں کی تقویم خالص قمری تقویم تھی۔ اہل مکہ کی تقویم قمریہ شمسی تھی جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مہاجرین مکے سے مدینے لے آئے۔ یوں ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں دونوں تقاویم قمری اور قمریہ شمسی ساتھ ساتھ چلتی رہیں۔ اہل سیر و مغازی کو اکثر واقعات غزوات و سرایا وغیرہ کی تواریخ، مہینے اور سال یعنی ان کی توقیت قمریہ شمسی تقویم میں پہنچی تو وہی انہوں نے اپنی کتابوں میں محفوظ کر دی۔ بہت سے واقعات کی توقیت خالص قمری تقویم میں بھی انہیں منتقل ہوئی تو وہ بھی محفوظ ہوگئی۔ اور متعدد واقعات و حوادث کی توقیت کسی کو قمریہ شمسی تقویم میں اور کسی کو خالص قمری تقویم میں بھی منتقل ہوئی۔ بعد میں بعض متاخرین نے جو ان کا باہم تقابل کیا تو انہیں دو توقیتی تضادات سے پیدا ہونے والی مشکلات سے واسطہ پڑا اور بعض نہایت ہی اہم

تاریخی جزئیات مثلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادتِ مبارکہ اور اس دنیا سے آپ کی رحلت کی صحیح توقیت میں جن زبردست غلط فہمیوں نے جنم لیا وہ تا حال چل رہی ہیں اور ہم نے اس مضمون میں ایسی ہی سنگین غلطیوں کے ازالے کا اہتمام کیا ہے۔ اوپر مذکور ہو چکا ہے کہ عربوں کی دور جاہلیت اور دور نبوی کی قمریہ شمسی تقویم کے پہلے مہینے یعنی محرم قمریہ شمسی کے مقابل اکثر سالوں میں عیسوی ستمبر کا مہینہ ہوا کرتا تھا۔ محرم قمریہ شمسی کو ستمبر کے مقابل رکھا جائے تو ظاہر ہے کہ عام قمریہ شمسی سالوں میں جمادی الاولیٰ اور جمادی الاخریٰ کے مہینے بالترتیب عیسوی مہینوں جنوری اور فروری کے مقابل ہوں گے۔ رجب کا مہینہ مارچ کے اور رمضان کا مہینہ مئی کے مقابل ہوگا۔ چناں چہ عربوں کی قمریہ شمسی تقویم میں جمادی الاولیٰ اور جمادی الاخریٰ کے مہینے ہمیشہ موسم سرما میں ہوا کرتے تھے جیسا کہ جمادی کے مادہ ''جمد'' سے بھی واضح ہے اور رمضان قمریہ شمسی ہمیشہ شدید گرمی میں ہوا کرتا تھا جیسا کہ رمضان کے مادہ ''رمض'' سے بھی ظاہر ہو رہا ہے۔ چناں چہ اے شارٹر انسائیکلو پیڈیا آف اسلام مرتبہ ایچ اے آر گب و جے۔ ایچ کریمرز میں رمضان کے عنوان کے تحت لکھا ہے کہ ''اس مہینے کا مادہ'' ''رمض'' موسم گرما کی شدت کا غماز ہے اور اسی سے پتہ چلتا ہے کہ یہ قمریہ شمسی مہینے کن موسموں میں آیا کرتے تھے جب کہ عرب اپنے قمری سال کو شمسی سال سے ہم آہنگ رکھنے کے لئے کبیسہ کے مہینوں کے ذریعے اسے قمریہ شمسی سال بنانے کی تگ و دو میں لگے ہوئے تھے''۔ (۸/ الف) نیز اسی انسائیکلو پیڈیا میں محرم کے تحت لکھا ہے کہ ''عربوں کے سال کا آغاز یہودیوں کے سال کی طرح موسم خزاں میں ہوا کرتا تھا''۔ (۸/ ب) اسی انسائیکلو پیڈیا میں رجب کے عنوان کے تحت لکھا ہے کہ ''دور جاہلیت میں یہ مہینہ موسم گرما پر مشتمل نصف سال کو متعارف کراتا تھا (موسم گرما کا آغاز موسم بہار کے اواخر سے ہوتا ہے) یہاں تک کہ نسی (تیرہواں مہینہ بڑھانے) کی منسوخی کے بعد مہینے سال کے معیّنہ موسموں پر آنے سے رک گئے۔ رجب قمریہ شمسی کا یہ مہینہ مقدس (حرمت والا) تھا اور دور رسالت سے قبل عمرے کا مہینہ ہوا کرتا تھا''۔ (۸/ ج) ڈاکٹر محمد بن ابوشھبہ نے اپنی کتاب السیرۃ النبویۃ فی ضوء القرآن والسنۃ میں لکھا ہے کہ ''سال کے وسط میں رجب کے مہینے کو اس لئے حرمت والا قرار دیا گیا تھا کہ لوگ بیت اللہ کی زیارت کر سکیں اور عمرہ ادا کر سکیں''۔ (۹/ الف) یعنی عربوں نے رجب قمریہ شمسی کو عمرے کے لئے مخصوص کر رکھا تھا۔

۶۔ سوال نمبر ۶:

یہ تو ہمیں معلوم ہو گیا کہ عربوں کے محرم قمریہ شمسی کا آغاز موسم خزاں سے ہوا کرتا تھا لیکن قمریہ شمسی

تقویم کے تیسرے اور چوتھے مہینے کا نام بالترتیب ربیع الاول اور ربیع الثانی ہے۔اس سے تو یہ ظاہر یہی معلوم ہو رہا ہے کہ محرم قمریہ شمسی کا آغاز موسم بہار سے ہوتا ہوگا۔اس سلسلے میں آپ کیا کہتے ہیں؟

جواب: بے شک ربیع کا لغوی معنیٰ موسم بہار ہی ہے لیکن اگر عربوں نے قمریہ شمسی تقویم کا آغاز موسم بہار سے کرنا ہوتا تو وہ سال کا پہلا اور دوسرا مہینہ محرم اور صفر نہ ٹھہراتے بل کہ ان کا پہلا مہینہ ربیع الاول اور دوسرا مہینہ ربیع الثانی ہوا کرتا۔غور کیجئے اگر محرم قمریہ شمسی کو موسم بہار کے عیسوی مہینے مارچ کے مقابل رکھا جائے تو ربیع الاول اور ربیع الثانی دونوں مہینے بالترتیب مئی اور جون کے مقابل ہوں گے اور اگر محرم قمریہ شمسی کو اپریل کے مقابل رکھا جائے تو ربیع کے یہ دونوں مہینے بالترتیب جون اور جولائی کے مقابل ہوں گے۔ یہ تو بہار کے مہینے نہیں بل کہ سخت گرمی کے مہینے ہیں۔لہٰذا ''ربیع'' کے لفظ سے آپ کا استدلال تو پھر بھی محل نظر ہی رہا۔البیرونیؒ نے اس سلسلے میں بجا طور پر لکھا ہے کہ ''قمریہ شمسی ربیع الاول اور ربیع الثانی کے دونوں مہینوں کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ جزیرۃ العرب کے میدانی علاقوں میں ان دونوں مہینوں میں شبنم اور بارش کا قدرے تسلسل رہتا تھا اور موسم کے مطابق پھولوں اور کلیوں کی بہتات ہوا کرتی تھی، اس لئے اہل عرب نے ان دونوں مہینوں کو ربیع (بہار) کے نام سے موسوم کیا، کیوں کہ جس موسم کو ہم خزاں کا نام دیتے ہیں دور جاہلیت کے عرب اسے ربیع کا نام دیا کرتے تھے''۔(۹/ب) اگرچہ البیرونیؒ نے اپنے زمانے میں اس غلط فہمی کا بجا طور پر بروقت ازالہ کر دیا تھا لیکن سخت حیرت ہے کہ بعض متقدمین مثلاً بعض مفسرین غالباً اسی لفظ ربیع کی وجہ سے اس زبردست غلط فہمی کا شکار رہے کہ دور جاہلیت اور دور نبوی کی نسی والی یعنی قمریہ شمسی تقویم کا آغاز موسم بہار سے ہوا کرتا تھا۔اس غلط فہمی کی دوسری بڑی وجہ یہ ہے کہ بعض روایات مثلاً طبرانیؒ کی المعجم الاوسط میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما کی روایت میں حج ابی بکر صدیقؓ کے متعلق یہ کلمات بھی ہیں: **وافق ذالك العام الحج** اس طرح کے کلمات متقدمین نے حجۃ الوداع کے متعلق بھی لکھے ہیں جس کا غلط مطلب یہ لیا گیا کہ حج ابی بکر صدیقؓ یا حجۃ الوداع میں میں قمریہ شمسی ذی الحجہ اور قمری ذی الحجہ اکٹھے اور ایک دوسرے کے مقابل ہو گئے تھے۔ہم نے سابقہ سطور میں سوال نمبر۴ کے جواب میں دوسرے نکتے میں حضرت عبداللہ بن عمر بن العاص رضی اللہ عنہما کی روایت مع ترجمہ بیان کی ہے۔اس روایت سے یہ سمجھ لینا قطعاً غلط ہے کہ حج ابی بکرؓ کے موقع پر دونوں تقاویم کے ذی الحجہ اکٹھے ہو گئے تھے۔ایسا ہرگز نہیں ہوا۔حج ابی بکرؓ میں یوم عرفہ ۹ ذی الحجہ ۹ ہجری قمری کے مقابل عیسوی تاریخ ۱۹ مارچ ۶۳۱ عیسوی جیولین تھی۔عیسوی مہینے ستمبر کو عربوں کے محرم قمریہ شمسی کے مقابل رکھا جائے تو مارچ کا مہینہ ٹھیک رجب قمریہ شمسی کے مقابل ہوتا ہے جو دور جاہلیت کے عربوں کے لئے حج

اصغر (عمرہ) کے لئے مخصوص تھا۔ رجب قمریہ شمسی میں عمرے کو وہ حج اصغر اور ذی الحجہ قمریہ شمسی میں حج کو وہ حج اکبر کہا کرتے تھے۔ حج ابی بکرؓ کے موقع پر مشرکین عرب کا حج اصغر اور مسلمانوں کا حج اکبر دونوں اکٹھے ہو گئے تھے۔ یوں اس سال مشرکین کا حج اصغر مسلمانوں کے حج اکبر میں ضم ہو گیا تھا اس لئے سورۂ توبہ میں اللہ تعالیٰ نے اس حج کو حج اصغر کی بہ جائے حج اکبر کا نام دیا تو اس طرف صاف اشارہ فرمادیا کہ قمریہ شمسی تقویم کی بہ جائے خالص قمری تقویم ہی اللہ کے نزدیک معتبر ہے۔ تفسیری روایات کے مطابق حج ابی بکر صدیق میں سورۂ توبہ کی ابتدائی تیس یا چالیس آیات کی تلاوت بھی کی گئی تھی۔ سورۂ توبہ میں آیت نسی اس سورت کی ۳۷ ویں آیت ہے۔ جس میں نسی کی مذمت کی گئی ہے اور اگلے ہی سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے برسرِ عام اس رسم نسی پر مبنی قمریہ شمسی تقویم کو ہمیشہ کے لئے منسوخ فرما کر آئندہ کے لئے تمام دینی و شرعی مقاصد کے لئے خالص قمری تقویم کو قیامت تک کے لئے نافذ العمل فرمایا۔

حضرت عبداللہؓ بن عمروؓ بن العاص کی روایت میں یہ جو کہا گیا ہے کہ نسی کی تقویم والا ذی الحجہ چھبیس سالوں کے بعد اصل قمری ذی الحجہ کے مقابل ہوا کرتا تھا، تو یہ حساب کی غلطی ہے۔ قمری سال چوں کہ قمریہ شمسی اور شمسی سال سے تقریباً گیارہ دن چھوٹا ہوتا ہے اس لئے ۳۲ قمریہ شمسی اور شمسی سال چند دنوں کے معمولی فرق سے ۳۳ قمری سالوں کے برابر ہوتے ہیں اور اس مدت کے بعد قمری مہینے اور قمریہ شمسی اور شمسی مہینے دوبارہ اکٹھے ہو جاتے ہیں۔ مثلاً ۱۴ جنوری ۲۰۱۴ عیسوی کو قمری تاریخ ۱۲ ربیع الاول ۱۴۳۵ ہجری تھی۔ ۳۲ عیسوی (شمسی) سالوں اور ۳۳ ہجری سالوں کے بعد ۱۴ جنوری ۲۰۴۶ عیسوی کو قمری تاریخ ۶ ربیع الاول ۱۴۶۸ ہجری ہوگی۔ چوں کہ قمریہ شمسی سال اور شمسی سال کی دنوں میں مدت نہایت ہی معمولی فرق کے ساتھ برابر ہوتی ہے اس لئے قمریہ شمسی ذی الحجہ ۳۳ قمری سالوں کے بعد خالص قمری تقویم کے ذی الحجہ کے مقابل ہوا کرتا تھا۔ جمع الفوائد کے مولف نے بھی روایت مذکورہ بالا کے اس حصے پر اشکال پیش فرمایا ہے اور اپنے حساب سے لکھا ہے کہ قمری اور قمریہ شمسی ذی الحجہ کا اجتماع ۲۶ سال کے بعد نہیں بل کہ ۳۶ سال کے بعد ممکن ہے اور آخر میں لکھا ہے: **وبھذا یکون للحدیث معنی صحیح واللہ اعلم** (۹/ ج) ''اسی طرح حدیث کا مفہوم صحیح ہوسکتا ہے واللہ اعلم''۔ یہاں خود جمع الفوائد کے مؤلف سے بھی تسامح ہوا ہے۔ اصل مدت ۳۳ سال ہے، کیوں کہ قمری سال کوئی گیارہ دن چھوٹا ہوتا ہے۔ قمریہ شمسی اور شمسی سال عموماً ۳۶۵ دن کا ہوتا ہے۔ اگر ۳۶۵ دنوں کو ۱۱ پر تقسیم کیا جائے تو حاصل قسمت ۳۳ ہوگا۔ چناں چہ علامہ سہیلیؒ نے الروض الانف میں یہی لکھا ہے کہ قمریہ شمسی ذی الحجہ اصل قمری ذی الحجہ کے مقابل ۳۳ سال کے بعد ہوا کرتا تھا (۱۰/ الف) الغرض حج ابی بکر صدیق اور حجۃ الوداع کے موقع پر قمریہ شمسی ذی الحجہ اور

قمری ذی الحجہ ہرگز یک جا نہیں ہوئے تھے اور مذکورہ بالا روایت میں: **وافق ذالك العام الحج** کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ حج ابی بکرؓ کے موقع پر مشرکین کا حج اصغر اور مسلمانوں کا حج اکبر دونوں اکٹھے ہوگئے تھے۔ بہ الفاظ دیگر رجب قمریہ شمسی اور ذی الحجہ قمری ایک دوسرے کے مقابل آ گئے تھے، نہ یہ کہ اس موقع پر یا اگلے سال حجۃ الوداع میں ہر دو تقاویم کے ذی الحجہ یک جا ہو گئے تھے۔ اس غلط فہمی کی تیسری بڑی وجہ یہ ہے کہ خطبۂ حجۃ الوداع میں دوسری باتوں کے علاوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا تھا کہ ''خبردار! زمانہ گھوم پھر کر اپنی اس اصل حالت پر آ گیا ہے جس دن اللہ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا تھا'' آپ کے ان کلمات مبارکہ سے بعض متقدمین حضرات نے یہ سمجھ لیا کہ حجۃ الوداع کے موقع پر قمریہ شمسی اور قمری ذی الحجہ یک جا ہو گئے تھے۔ یوم عرفہ ۹ ذی الحجہ ۱۰ ہجری قمری بہ روز جمعہ عیسوی تاریخ ۶ مارچ ۶۳۲ عیسوی جیولین تھی۔ اس لئے اگر واقعی ان دنوں قمری اور قمریہ شمسی ذی الحجہ یک جا ہو گئے تھے تو محرم ۱۱ ہجری قمری اور محرم ۱۱ ہجری قمریہ شمسی کا مہینہ عیسوی مہینے اپریل کے مقابل ماننا پڑے گا۔ حال آں کہ حقیقت قطعاً اس کے برعکس ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبے کے مذکورہ کلمات کا مطلب یہ ہے کہ کائنات کی تخلیق موسم بہار میں ہوئی تھی یہ مطلب ہرگز نہیں کہ حجۃ الوداع کے موقع پر دونوں تقاویم قمریہ شمسی اور قمری کے ذی الحجہ اکٹھے ہو گئے تھے۔ البیرونیؒ نے الآثار الباقیہ میں لکھا ہے کہ ''ایرانیوں کا یہ عقیدہ ہے کہ ان کے سال کا تعین پہلے انسان کی تخلیق سے ہوا ہے جو (ایرانی سال کے پہلے مہینے کی پہلی تاریخ) ہرمز فروردین ماہ کو واقع ہوئی تھی۔ جب کہ سورج فلک کے وسط میں نقطۂ اعتدال ربیعی (Vernal Equinox) کے مقام پر تھا'' (۱۰/ب) اور اسی کتاب میں ہے کہ ''یہودیوں میں کچھ لوگوں کا دعویٰ ہے کہ آفتاب کی تخلیق برج حمل کے پہلے درجے میں ہوئی تھی'' (۱۰/ ج) یعنی موسم بہار میں ہوئی تھی کیوں کہ اسی موسم میں آفتاب برج حمل میں ہوتا ہے۔ ہندوؤں کی کل جگ کا آغاز بہ قول البیرونیؒ اس وقت ہوا تھا جب تمام سیارگان برج حمل کے پہلے درجے میں تھے اور آفتاب بھی برج حمل میں تھا اور بہار کا موسم تھا۔ (۱۱/ الف) انسائیکلو پیڈیا آف ریلیجن میں زیر عنوان ''کرمس'' لکھا ہے کہ ''پیچیدہ اور نازک حسابات کے ذریعے یہ تخمینہ لگایا گیا ہے کہ کائنات کی تخلیق ۲۵ مارچ کو ہوئی تھی'' (۱۱/ ب) الغرض مذکورہ بالا وجوہ کی بنا پر یہ سمجھ لیا گیا کہ عربوں کی قمریہ شمسی تقویم کا آغاز موسم بہار سے ہوا کرتا تھا اور یہ کہ حجۃ الوداع کے موقع پر قمریہ شمسی اور قمری ذی الحجہ ایک دوسرے کے مقابل ہو گئے تھے۔ دور حاضر کے محققین میں سے برصغیر کے مشہور و معروف محقق ڈاکٹر حمید اللہؒ سے بھی یہی تسامح ہوا ہے۔ انہوں نے غلطی سے یہ سمجھ لیا کہ عربوں کی قمریہ شمسی تقویم کے پہلے مہینے محرم قمریہ شمسی کا آغاز موسم بہار میں ہوا کرتا تھا اور یہ مہینہ عیسوی مہینے اپریل کے مقابل ہوا کرتا تھا۔ اسی غلطی کی

پیروی تقویم نگار محترم ضیاء الدین لاہوری نے بھی اپنی کتاب جوہر تقویم میں کی ہے۔ انہوں نے کتاب کے آخر میں دور جاہلیت اور دور نبوی کے قمریہ شمسی اور قمری سالوں کی جو تقابلی جدول پیش فرمائی ہے اس میں محرم قمریہ شمسی کو اواخر مارچ اور اپریل کے مقابل رکھا گیا ہے۔ غالباً کثرتِ مشاغل کی وجہ سے ڈاکٹر حمید اللہؒ نے صرف چند واقعات کی توقیت پر نظر ڈالی اور سطحیت کا شکار ہو گئے۔ اگر وہ سیرت طیبہ کے تمام یا اکثر واقعات وحوادث پر نظر ڈالتے اور قمریہ شمسی اور قمری تقاویم کا تقابل کرتے تو غلط فہمی میں نہ پڑتے۔ غور کیجئے کہ غزوۂ تبوک کے لئے روانگی سب اہل سیر و مغازی کے نزدیک رجب ۹ ہجری میں اور غزوے سے مراجعت رمضان ۹ ہجری میں ہوئی بل کہ ابن حبیب بغدادی کے نزدیک مراجعت شوال ۹ ہجری میں ہوئی۔ (۱۱/ ج) اگر غزوۂ تبوک کے یہ مہینے خالص قمری تقویم کے لئے جائیں تو رجب سے رمضان ۹ ہجری قمری کے مقابل عیسوی مہینے اکتوبر، نومبر اور دسمبر ۶۳۰ عیسوی جیولین کے ہوتے ہیں۔ حال آں کہ یہ غزوہ سخت گرمی کے موسم میں ہوا۔ کھجور کی فصل ان دنوں پک رہی تھی اور قحط سالی کا سماں تھا۔ سورۂ توبہ میں منافقین کے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے: وقالو الاتنفروافی الحرّقل نار جهنم اشد حرا لو كانو يعلمون (۱۲/ الف) ''اور وہ (منافقین) کہتے ہیں کہ تم گرمی میں (غزوۂ تبوک کے لئے) سفر نہ کرو (اے پیغمبر!) تو کہہ دے کہ جہنم کی آگ تو اس سے بھی کہیں زیادہ گرم ہے کاش وہ سمجھ سے کام لیتے''۔ اس سے معلوم ہوا کہ رجب سے رمضان تک کے غزوۂ تبوک کے یہ مہینے ہرگز قمری تقویم کے نہیں ہو سکتے۔ کیوں کہ جیسا کہ ابھی اوپر مذکور ہو چکا ہے خالص قمری تقویم میں سال ۹ ہجری قمری کے یہ مہینے تو عیسوی مہینوں اکتوبر سے دسمبر تک کے مقابل تھے۔ یہ موسم سرما کے مہینے ہیں۔ ان میں کھجور کی فصل پک نہیں رہی ہوتی بل کہ جولائی، اگست تک تو یہ فصل گھروں میں آ چکی ہوتی ہے، لہٰذا قحط سالی کا بھی کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا۔ پس یہ مہینے لازماً قمریہ شمسی تقویم کے ہیں۔ اب اگر اس دور کی قمریہ شمسی تقویم کے محرم قمریہ شمسی کو اپریل کے مقابل رکھا جائے تو رجب سے رمضان تک کے مہینے پھر بھی اکتوبر سے دسمبر تک کے مقابل ہی رہیں گے، لہٰذا قمریہ شمسی تقویم کا آغاز موسم بہار سے نہیں بل کہ موسم خزاں سے ہوا کرتا تھا۔ اگر محرم قمریہ شمسی کو عیسوی ستمبر کے مقابل رکھا جائے تو رجب سے رمضان تک کے مہینے مارچ سے مئی تک کے مقابل ہوں گے۔ ان مہینوں میں واقعی کھجور کی فصل پک رہی ہوتی ہے اور اواخر اپریل سے سخت گرمی شروع ہو جاتی ہے اور مئی تو جزیرۃ العرب میں بادِ سموم (سخت لو چلنے) کا مہینہ ہے۔ اس موسم میں قحط سالی کا ہونا بھی عین قرین فہم ہے کیوں کہ کھجور کی فصل تو جون سے اگست تک کے مہینوں میں تیار ہو کر گھروں میں پہنچتی ہے۔

۷۔ سوال نمبر ۷:

اس بات کے سمجھنے میں کوئی اشکال باقی نہیں رہا کہ عربوں کی قمریہ شمسی تقویم کا آغاز موسم خزاں سے ہوا کرتا تھا لیکن البیرونی نے یہ جولکھا ہے کہ اس زمانے میں یہودیوں کی قمریہ شمسی تقویم کی یکم تشری (اور اس کے مقابل عربوں کی قمریہ شمسی تقویم کی یکم محرم) سن سکندری کی ۲۷ آب اور ۲۶ ایلول (یعنی سن عیسوی کی ۲۷ اگست اور ۲۶ ستمبر) کے درمیان ہوا کرتی تھی، تو یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ عربوں نے اگر اپنے قمری مہینوں کو خاص موسموں میں متعین کرنے کا کوئی اہتمام کرنا ہی تھا تو انہیں چاہیے تھا کہ وہ یکم محرم قمریہ شمسی کو ہمیشہ عیسوی یکم ستمبر کے مقابل رکھ لیا کرتے۔ اس طرح دونوں تقاویم میں تقابل آسان رہتا۔ ایسا کیوں ہوا کہ مختلف سالوں میں یکم محرم قمریہ شمسی ۲۷ اگست سے ۲۶ ستمبر کی تواریخ کے درمیان کسی تاریخ کے مقابل ہوا کرتی تھی؟

جواب: یہ غلط فہمی اس لئے پیدا ہو رہی ہے کہ شمسی اور قمریہ شمسی دونوں تقاویم کی نوعیت ایک دوسرے سے بہت مختلف ہے، جسے سمجھنا ضروری ہے۔ عیسوی تقویم سکندری تقویم کی طرح خالص شمسی تقویم ہے۔ عربوں نے اپنی خالص قمری تقویم کو کسی شمسی تقویم میں نہیں بل کہ قمریہ شمسی تقویم میں تبدیل کیا تھا۔ ہم شمسی، قمری اور قمریہ شمسی تینوں تقاویم کے متعلق صحیح معلومات بہم پہنچاتے ہیں۔ اس کے بعد آپ کو اپنے سوال کا جواب سمجھنے میں بڑی آسانی ہوگی۔

شمسی تقویم

اس تقویم میں زمین کی سورج کے گرد سالانہ گردش کی دنوں میں مدت کو ملحوظ رکھا جاتا ہے۔ ماہرین ہیئت کے نزدیک زمین ایک سال میں سورج کے گرد ۳۶۵،۲۴۲۱۹۹ دنوں یعنی ۳۶۵ دن، پانچ گھنٹے ۴۸ منٹ اور کوئی چھیالیس سیکنڈ میں ایک چکر پورا کرتی ہے۔ چوں کہ عیسوی تقویم خاص شمسی تقویم ہے، اس لئے عام سالوں میں سال ۳۶۵ دن کا اور لیپ کے سالوں میں ۳۶۶ دن کا لیا جاتا ہے۔ جو عیسوی سال چار پر پورا تقسیم ہو جائے اسے لیپ کا سال شمار کیا جاتا ہے۔ یوں اگر تین سال مسلسل ۳۶۵ دنوں کے اور چوتھا لیپ کا سال ۳۶۶ دنوں کا لیا جائے تو چاروں سالوں کی دنوں میں مدت (۳۶۵×۳) + ۳۶۶ = ۱۴۶۱ دن ہوئی۔ اسے چار پر تقسیم کرنے سے فی سال اوسط مدت ۳۶۵،۲۵ دن یعنی ۳۶۵ دن اور چھ گھنٹے ہوئی۔ ظاہر ہے کہ یہ مدت زمین کی سورج کے گرد گردش کی اصل مدت سے کچھ زائد ہے اس لئے سولہویں صدی عیسوی تک اس تقویم میں اصل مدت سے دس دن زائد ہو چکے تھے۔ چناں چہ ۱۵۸۲ء میں

پوپ گریگوری کے فرمان پر ۵ اکتوبر ۱۵۸۲ عیسوی کو ۱۵ اکتوبر ۱۵۸۲ عیسوی کر دیا گیا، تا کہ دس دنوں کا یہ فرق دور ہو جائے۔ ۱۵ اکتوبر ۱۵۸۲ عیسوی سے پہلے کی عیسوی تقویم کو جیولین عیسوی تقویم کہا جاتا ہے اور پوپ گریگوری کے حکم پر اصلاح اور ترمیم کے بعد کی عیسوی تقویم کو گریگورین عیسوی تقویم کہا جاتا ہے جو تا حال چل رہی ہے۔ پس دور نبوی کی عربوں کی قمریہ شمسی اور قمری تقویم کا تقابل دور حاضر میں جب ہم عیسوی تقویم سے کرتے ہیں تو گریگورین عیسوی تقویم کی بہ جائے جیولین عیسوی تقویم کو ملحوظ رکھا جاتا ہے۔

جیولین تقویم کو گریگورین تقویم میں لانے کے لئے اصلاح یوں کی گئی کہ ہر صدی کا آخری سال اگر چہ چار پر پورا تقسیم ہو جاتا ہے لیکن اگر وہ ۴۰۰ پر پورا تقسیم نہ ہو تو وہ لیپ کا سال شمار نہیں ہوگا۔ مثلاً سال ہائے ۱۷۰۰، ۱۸۰۰، ۱۹۰۰ عیسوی چوں کہ ۴۰۰ پر پورے تقسیم نہیں ہوتے، لہٰذا یہ لیپ کے سال نہیں تھے جب کہ سال ۲۰۰۰ عیسوی ۴۰۰ پر پورا تقسیم ہو جاتا ہے، لہٰذا یہ لیپ کا سال تھا۔ یوں گریگورین عیسوی تقویم میں چار سو سالوں کے دنوں کی تعداد (۴۰۰ × ۳۶۵٫۲۵) - ۳ = ۱۴۶۰۹۷ دن ہوئی۔ انہیں چار سو پر تقسیم کرنے سے فی سال اوسط مدت ۳۶۵٫۲۴۲۵ دن یعنی ۳۶۵ دن ۵ گھنٹے ۴۹ منٹ اور ۱۲ سیکنڈ ہوئی۔ جو اصل مدت سے اب بھی کوئی ۰٫۰۰۰۳ دن زائد ہے لہٰذا (۱ تقسیم ۰٫۰۰۰۳) = ۳۳۳۳ سالوں کے بعد گریگورین تقویم میں بھی ایک دن اصل مدت سے بڑھ جائے گا۔ چناں چہ کہا جاتا ہے کہ سال ۴۰۰۰ عیسوی اگر چہ چار سو پر پورا تقسیم ہو جاتا ہے، لیکن پھر بھی یہ لیپ کا سال شمار نہیں ہوگا، تا کہ ایک دن کا یہ فرق دور ہو جائے۔ تاہم یہ بھی کہا جاتا ہے کہ زمین کی سورج کے گرد گردش کی مدت میں نا معلوم وجوہ کی بنا پر نہایت ہی آہستہ آہستہ تغیرات پیدا ہو رہے ہیں اور ابھی سال ۳۶۰۰ یا سال ۴۰۰۰ عیسوی کے آنے میں خاصی مدت پڑی ہے، لہٰذا گریگورین عیسوی تقویم کو ہی صحیح ترین شمسی تقویم قرار دینا ہوگا، چناں دور حاضر میں اسی تقویم کو بین الاقوامی سطح پر مسلمہ شمسی تقویم کی حیثیت حاصل ہے۔ ہمارے وطن عزیز میں بھی دنیوی مقاصد اور روز مرہ کے امور کے لئے نجی اور ریاستی سطح پر اس کا استعمال ہوتا ہے۔ حال آں کہ ہم بھی ایرانیوں کی طرح اس مقصد کے لئے ہجری شمسی تقویم کو تیار کر کے استعمال میں لا سکتے ہیں، اور عیسوی تقویم خیر باد کہہ سکتے ہیں۔

قمری تقویم

اس تقویم میں چاند کی زمین کے گرد ماہانہ گردش کی مدت کو ملحوظ رکھا جاتا ہے۔ ہر قمری مہینہ کبھی ۲۹ اور کبھی ۳۰ دن کا ہوتا ہے۔ اس طرح کے بہت سے قمری مہینوں کی دنوں میں مدت شمار کرتے ہوئے

ماہرین ہیئت نے قمری مہینے کی اوسط مدت ۵۳۰۵۸۹ء۲۹ دن یعنی ۲۹ دن ۱۲ گھنٹے اور کوئی ۴۴ منٹ سے کچھ اوپر متعین کی ہے۔ لہٰذا قمری سال کی دنوں میں اوسط مدت فی سال (۵۳۰۵۸۹ء۲۹×۱۲) = ۳۶۷۰۶ء۳۵۴ دن یعنی ۳۵۴ دن ۸ گھنٹے اور کوئی ۴۹ منٹ ہوتی ہے، لیکن عملاً ہر قمری سال اکثر ۳۵۴ دنوں کا اور بعض سالوں میں ۳۵۵ دنوں کا ہوتا ہے۔ ہم اہل اسلام کی دینی تقویم خالص قمری تقویم ہے، جس کا آغاز گو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرتِ مدینہ کے سال سے کیا جاتا ہے، لیکن اس کا باقاعدہ اجرا اور نفاذ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبہ حجۃ الوداع سے ہوا، جب عربوں کی نسیٔ والی (یعنی قمریہ شمسی) تقویم کو ہمیشہ کے لئے منسوخ فرماتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خالص قمری تقویم کو بہ حال فرمایا۔ اس لئے اسے ہجری قمری تقویم کہا جاتا ہے۔ حجۃ الوداع سے پہلے ہجری قمریہ شمسی تقویم بھی چلتی رہی تھی جو بالآخر حجۃ الوداع کے موقع پر منسوخ ہوئی۔ شریعت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی طرح سابقہ تمام شرائع میں بھی دینی مقاصد کے لئے قمری تقویم پر ہی عمل پیرا ہونے کا حکم تھا۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ چاند کے بڑھنے گھٹنے کی حالتوں سے قمری تواریخ کی شناخت اور ان کے شمار میں ناخواندہ لوگوں کے لئے بھی بڑی سہولت ہے۔ قمری مہینے چوں کہ باری باری تمام موسموں گرما سرما خزاں اور بہار سے گزرتے ہیں، اس لئے مثلاً رمضان المبارک کے روزے اور بیت اللہ کے حج کے مہینے اور ایام بھی ۳۳ قمری سالوں میں تمام موسموں سے گزرتے ہیں۔ کسی نے اپنی زندگی میں اگر ۳۳ سالوں میں روزے رکھے ہوں تو وہ تمام موسموں میں روزے رکھنے کی سعادت سے بہرہ مند ہوگا۔ اس کے برعکس شمسی تقویم کے مہینے ہمیشہ متعینہ موسموں میں ہی رہتے ہیں، مثلاً موجودہ عیسوی تقویم شمسی تقویم ہے۔ زمین کے شمالی نصف کرے میں اس تقویم کا مہینہ دسمبر ہمیشہ سردی میں اور جون ہمیشہ گرمی میں ہوتا ہے۔ جب کہ جنوبی نصف کرے میں دسمبر ہمیشہ گرمی میں اور جون ہمیشہ سردی میں ہوتا ہے۔ اب اگر روزوں کے لئے شمسی تقویم کا کوئی مہینہ مثلاً دسمبر متعین کر دیا جاتا تو نصف کرہ شمالی کے لوگ ہمیشہ موسم سرما میں اور نصف کرہ جنوبی کے لوگ ہمیشہ موسم گرما میں روزے رکھنے کے پابند ہو کر رہ جاتے۔ لیکن قمری تقویم میں دنیا بھر میں ہر ملک اور ہر علاقے کے لوگ اپنی زندگی میں تمام موسموں میں روزے رکھنے کی سعادت حاصل کر سکتے ہیں۔ کسی کو کوئی حسرت نہیں ہوگی اور نہ ہی دینی احکام کے سلسلے میں ناانصافی کا کوئی وسوسہ پیدا ہوگا۔ قمری تقویم میں چاند کی زمین کے گرد ماہانہ گردش کی مدت کے یکساں نہ ہونے کی وجہ سے قمری تواریخ کے تعین میں قدرے ابہام رہتا ہے۔ گردش کی اس مدت میں کم سے کم اور زیادہ سے زیادہ مدت کو ملحوظ رکھا جائے تو اس میں چودہ گھنٹے تک کا بھی فرق ہوسکتا ہے۔ لہٰذا حقیقی رؤیت ہلال کے بغیر قمری تواریخ کا سو فیصد صحیح تعین خاصا دشوار ہے۔ مثلاً

ہم مولانا عبدالقدوس ہاشمیؒ کی ’’تقویم تاریخی‘‘ میں سال ۱۴۳۴ ہجری کی تواریخ کو لیتے ہیں۔اس میں یکم محرم، یکم ربیع الاول، یکم جمادی الاولیٰ، یکم رجب، یکم شعبان، یکم شوال اور یکم ذی الحجہ کے ایام ہفتہ بالترتیب جمعرات، اتوار، بدھ، ہفتہ، سوموار، جمعرات اور اتوار لکھے ہیں۔لیکن پاکستانی رویت ہلال کمیٹی کے ماہانہ فیصلوں کی رو سے اصل دن جمعہ، سوموار، جمعرات، اتوار، منگل، جمعہ اور سوموار تھے۔یعنی ان مہینوں میں ایک ایک دن کا فرق پڑا ہے۔جب کہ یکم رمضان اور یکم ذی قعدہ کے دن تقویم تاریخی میں بالترتیب منگل اور جمعہ لکھے ہیں۔لیکن رویت ہلال کمیٹی کے اعلانات کی روشنی میں اصل دن جمعرات اور اتوار کے تھے،یعنی ان دونوں مہینوں میں حقیقی تواریخ سے دو دن کا فرق پڑا ہے۔قمری تقویم میں اس ابہام کا فائدہ یہ ہے کہ مثلاً عیدین کے چاند دیکھنے کی سو فیصد پیش گوئی اکثر لوگوں کے لئے دشوار ہوتی ہے اس سے جو انتظاری کیفیت (Suspence) کی صورت جنم لیتی ہے وہ عید کی مسرتوں کو دوبالا کرتی ہے۔اس انتظاری کیفیت سے لطف اندوز ہونے کے لئے بچے جوان بوڑھے مرد اور خواتین بڑی تعداد میں پہلی رات کا چاند (ہلال) دیکھنے کی نہایت ہی ذوق وشوق سے ایک دوسرے سے بڑھ کر کوشش کرتے ہیں۔اگر کسی پُر مسرت تقریب کا دن پہلے سے ہی ٹھیک ٹھیک متعین اور مخصوص ہو، جیسے عیسائیوں نے کرسمس کے لئے ۲۵ دسمبر کو مخصوص کر رکھا ہے، تو اس انتظاری کیفیت کا لطف پیدا نہیں ہوسکتا۔قمری تواریخ کے اس ابہام میں یہ حکمت ومصلحت بھی مضمر ہے کہ حضرات انبیا علیہم السلام کی حیات ووفات کے ایسے صحیح دن متعین نہ ہو سکیں، جن کا صحیح ہونا پورے کرۂ ارض پر چسپاں ہو۔کیوں کہ قمری تواریخ میں دنیا بھر میں ایک دن کا فرق اکثر وبیشتر ہوتا رہتا ہے بل کہ ایک ہی مطلع کے علاقوں میں بھی بعض اوقات مطلع غبار آلود ہونے یا دیگر وجوہ کی بنا پر یہ فرق واقع ہوتا رہتا ہے۔مثلاً ہم آئندہ مباحث میں متعلقہ مقام پر واضح کریں گے کہ حجۃ الوداع کے یوم عرفہ کی تاریخ ۹ ذی الحجہ ۱۰ ہجری قمری کو جمعہ کا دن مکی رویت ہلال کی بنا پر تھا۔مدنی رویت کی بنا پر تاریخ ۸ ذی الحجہ تھی۔اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کی تاریخ ۱۲ ربیع الاول ۱۱ ہجری قمری مدنی رویت ہلال کی بنا پر ہے۔مکی رویت کے اعتبار سے تاریخ ۱۳ ربیع الاول ۱۱ ہجری قمری تھی۔کسی بھی عظیم شخصیت کا دن منانا ہو تو عقل کا اصولی فیصلہ یہ ہے کہ یہ شمسی تقویم کے مطابق ہونا چاہیے، جس کے اوقات، ایام اور موسم متعین ہوا کرتے ہیں۔رمضان کے روزے رکھنے اور عیدین کے دن منانے کا حکم اللہ اور اس کے رسول نے ہمیں دیا ہے اور اوپر واضح کیا جا چکا ہے کہ احکام شرعیہ ہر سال کے لئے کسی خاص اور متعین موسم کے پابند نہیں ہوتے۔لیکن شخصیات کے دن منانے میں متعینہ موسم اور مخصوص دن وغیرہ کو ملحوظ رکھنا عقلی تقاضا ہے۔حضرات انبیا علیہم السلام کے دن منانے کا کسی بھی شریعت میں حکم نہیں دیا گیا اور اپنی

طرف سے دنیا کے ہر مقام کے لئے ان ایام کا سو فیصد صحیح تعین قمری تقویم میں زیر بحث ابہام کی وجہ سے تقریباً ناممکن ہے۔ کسی عظیم شخصیت کا دن قومی وملی سطح پر اسی لئے منایا جاتا ہے کہ اس کی یاد باقی رہے۔ حضرات انبیاعلیھم السلام کوتو ان کی امتوں کے افراد بھول سکتے ہی نہیں بل کہ وہ انہیں روزانہ ہی یاد رکھنے اور روزمرہ کے دینی امور میں ان کی اطاعت واتباع کے شرعاً مکلّف و پابند ہوا کرتے ہیں۔اس کے لئے سال کے بعد ان کی یاد کا دن چوں کہ متعین کرنے کی ضرورت ہی نہیں، لہٰذا شرعی مقاصد کے لئے قمری تقویم متعین کی گئی تا کہ ایسے ایام کا ہر مقام اور ہر علاقے کے لئے سو فیصد صحیح تعین ممکن ہی نہ رہے اور بدعات ومحدثات کا گو شرعی جواز تو ہو ہی نہیں سکتا، عقلی جواز بھی باقی نہ رہے۔اپنی طرف سے یہ دن منانے سے یہ غلط خیال بھی قلب و ذہن میں جاگزیں ہو جاتا ہے کہ ہم نے دن منا کر حق محبت ادا کر دیا ہے۔اس فاسد خیال کے تحت عموماً یہ سمجھ لیا جاتا ہے کہ شرعی احکام کی تعمیل میں جو کوتاہی ہم کر رہے ہیں اس کی تلافی ہم نے دن منا کر کر دی ہے۔اس طرح کی خود ساختہ رسوم میں شدید خدشہ اس امر کا بھی ہوتا ہے کہ عقیدت و محبت کے دھوکے میں کہیں اللہ کے پیغمبر کی توہین نہ ہو جائے۔ہم ان شاء اللہ العزیز ناقابل تردید دلائل سے یہ ثابت کریں گے کہ سید المرسلین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کا مہینہ ربیع الاول ہر گز کسی قمری تقویم کا نہیں۔یہ ہماری ہجری تقویم تو خالص قمری تقویم ہے۔یہ ربیع الاول اس قمریہ شمسی تقویم کا تھا جس کی وضاحت آئندہ سطور میں آ رہی ہے۔جس موجودہ ہجری تقویم پر ہم شرعاً عمل پیرا ہیں، اس کی رو سے ولادتِ مبارکہ کا مہینہ رمضان المبارک ہے۔البتہ آپ کا انتقال یقیناً مدنی رویت ہلال کے اعتبار سے ۱۲ ربیع الاول ۱۱ ہجری قمری کو ہوا۔دنیا بھر کے دانشور اور ریاضی دان بھی اکٹھے ہو کر ان شاء اللہ العزیز ہر گز ان حقائق کی مدلّل تردید پر قادر نہیں ہوں گے۔جہاں تک ضد اور تعصب کا تعلق ہے تو یہ لاعلاج امراض ہیں۔الغرض قمری تقویم میں تواریخ کا یہ ابہام بامقصد اور معنی خیز ہے۔دنیوی امور میں اس ابہام سے جو دشواری پیش آتی ہے اس کا حل یہ ہے کہ کسی بھی شمسی تقویم کا دنیوی امور کے لئے استعمال ہمارے لئے ممنوع نہیں ہے۔اللہ تعالیٰ نے رات اور دن کو ہمارے لئے دو نشانیاں بنایا ہے تو اس کی ایک حکمت یہ بیان فرمائی کہ تم سالوں کی گنتی اور حساب معلوم کر سکو۔(۱۲/ ب) اس سے اہل علم نے اس شرعی مسئلے کا استنباط فرمایا ہے کہ گو شرعی مقاصد کے لئے قمری تقویم پر ہی عمل پیرا ہونا ہوگا لیکن روزمرہ کے دنیوی امور میں قمری تقویم کے ساتھ کسی شمسی تقویم کا استعمال ممنوع نہیں۔اس مقصد کے لئے ہم شمسی ہجری تقویم تیار کر سکتے ہیں۔اور قمری ہجری تقویم سے امتیاز کے لئے مہینوں کے نام بھی الگ متعین کر سکتے ہیں جیسا کہ ایرانیوں نے کیا ہے۔

قمری تقویم اس لحاظ سے قدیم ترین تقویم ہے کہ محققین کے نزدیک دنیا بھر کی اقوام کی ابتدائی تقویم قمری ہی تھی۔ شمسی اور قمریہ شمسی تقاویم بعد میں رائج ہوئیں۔

قمریہ شمسی تقویم

چوں کہ قمری سال شمسی سال سے تقریباً گیارہ دن چھوٹا ہوتا ہے اس لئے قمری تقویم کے مہینے خاص موسموں میں متعین نہیں رہتے۔ نیز قمری تواریخ میں چاند کی ماہانہ گردشی مدت میں تفاوت کی وجہ سے ہر علاقے اور ہر ملک کے لئے یک ساں قمری تواریخ کا تعین مشکل ہے۔ اس ابہام سے نکلنے کے لئے شمسی تقویم کو اختیار کیا گیا۔ کچھ اقوام نے قمری مہینوں اور تواریخ کو تو نہ چھوڑا لیکن قمری مہینوں کو خاص موسموں میں متعین کرنے کے لئے بعض سالوں کے مہینے بارہ کی بہ جائے تیرہ کر دیئے۔ ۳۰۰ قبل مسیح میں ایک یونانی ہیئت دان میطون (Meton) نے یہ دریافت کیا تھا کہ ۱۹ شمسی سالوں یعنی ۲۲۸ شمسی مہینوں کی دنوں مدت ۲۳۵ قمری مہینوں کے برابر ہوتی ہے۔ فرق صرف کوئی ڈیڑھ گھنٹے کا پڑتا ہے۔ ان دنوں میں شمسی سال کی اوسط مدت فی سال ۳۶۵٫۲۵ دن لی جاتی تھی۔ ۱۹ شمسی سالوں کے دن اس حساب سے (۱۹×۳۶۵٫۲۵) = ۶۹۳۹٫۷۵ ہوئے۔ ۲۳۵ قمری مہینوں کی دنوں میں مدت (۲۳۵×۲۹٫۵۳۰۵۸۹) = ۶۹۳۹٫۶۸۸۴ دن برآمد ہوتی ہے۔ یعنی قمری مدت بقدر (۶۹۳۹٫۷۵ − ۶۹۳۹٫۶۸۸۴) = ٫۰۶۱۶ دن زائد ہوتی ہے۔ بہ الفاظ دیگر یہ مدت (۲۴×٫۰۶۱۶) = ۱٫۴۷ یعنی تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ زائد ہوئی انیس شمسی سالوں کے دور کو میطونی دور کہا جاتا ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ اگر انیس قمری سالوں میں سات سال بارہ کی بہ جائے تیرہ تیرہ ماہ کے کر دئے جائیں تو قمری مہینے اپنے اپنے موسموں میں ایسے ہی ہر سال متعین و مخصوص رہیں گے، جیسے شمسی تقویم کے مہینے ہوا کرتے ہیں، کیوں کہ ۲۳۵ قمری مہینوں سے انیس شمسی سالوں کے ۲۲۸ شمسی مہینے منہا کئے جائیں تو حاصل تفریق سات مہینے ہوتا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں بھی دینی مقاصد کے لئے قمری تقویم ہی پر عمل پیرا ہونے کا حکم تھا، لیکن یہودیوں نے موسوی شریعت میں جہاں اور تحریفات کیں، انہوں نے اپنی خالص قمری تقویم کو بھی بدل ڈالا۔ جب قمری تقویم کے مہینوں کو خاص موسموں میں متعین رکھنے کے لئے بعض قمری سالوں کے مہینوں میں ایک مہینہ اور بڑھا دیا جائے تو یہ تقویم قمری تقویم نہیں رہتی بل کہ قمریہ شمسی تقویم کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔ بہ الفاظ دیگر قمریہ شمسی تقویم قمری اور شمسی دونوں اعتبار سے مرتب ہوتی ہے۔ اس میں مہینے اور تواریخ تو بنیادی طور پر قمری ہی استعمال ہوتے ہیں لیکن ان مہینوں کو شمسی یا موسمی سال کے مطابق

کرنے کے لئے خاص خاص سالوں میں تیرہویں مہینے کا اضافہ کرنا پڑتا ہے۔ اس تیرہویں مہینے کو لوند کا مہینہ یا کبیسہ کہتے ہیں۔ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا جیسی حوالے کی کتب میں شمسی، قمری اور قمریہ شمسی تقاویم کے متعلق ضروری معلومات حاصل کی جاسکتی ہیں۔ ہمارے علم کے مطابق دنیا میں اب خالص قمری تقویم صرف مسلمانوں میں ہی رائج ہے جسے ہجری تقویم کہا جاتا ہے۔ یہودیوں کی تقویم اب بھی قمریہ شمسی ہے۔ ہندوؤں کی ایک تقویم بھی قمریہ شمسی ہے۔ بعض سالوں میں بڑھائے جانے والے تیرہویں مہینے کو وہ لوند کا مہینہ کہتے ہیں۔ شمسی تقویم کی طرح ہندوؤں کی قمریہ شمسی تقویم میں بھی سال کا آغاز موسم بہار سے کیا جاتا ہے۔ تبت کے لاماؤں اور چین کی قومی تقویم بھی قمریہ شمسی ہے جس کے پہلے مہینے کا بڑا حصہ عیسوی مہینے جنوری کے مقابل ہوتا ہے۔ یہودیوں کی تقویم کے متعلق انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا میں ہے کہ ابتدا میں یہ خالص قمری تقویم تھی لیکن یہ معلوم نہیں کہ انہوں نے اس تقویم کو کب قمریہ شمسی تقویم میں بدل ڈالا۔ (۱۲/ ج) مسلم ریاضی دان البیرونیؒ کا خیال یہ ہے کہ یہودی جب سکندر یونانی کے محکوم ہوئے تو اپنی قمری تقویم کو قمریہ شمسی تقویم میں بدلنے پر مجبور ہوئے۔ سن سکندری میں شمسی سال کا آغاز موسم خزاں سے ہوتا ہے۔ یہودیوں نے بھی اپنی قمریہ شمسی تقویم میں سال کا آغاز موسم خزاں سے کیا۔ اور انیس سالوں میں تیسرا، چھٹا، آٹھواں، گیارہواں، چودھواں، سترہواں اور انیسواں سال تیرہ تیرہ ماہ کا کردیا۔ مہینہ بڑھانے کے اس عمل کو نسی کہا جاتا ہے جس کا لغوی معنیٰ بڑھانے اور مؤخر کرنے کا ہے۔ نسی کے ذریعے بڑھایا ہوا تیرہواں مہینہ کبیسہ اور تیرہ مہینوں والے سال کو مکبوس سال کہا جاتا ہے جب کہ بارہ مہینوں والا سال غیر مکبوس سال کہلاتا ہے۔ قمریہ شمسی تقویم میں قمری تواریخ کا شمار رویت ہلال اور دور حاضر میں ولادت قمر کے اوقات سے کیا جاتا ہے۔ یہودیوں کی قمریہ شمسی تقویم کو عبرانی تقویم سے موسوم کیا جاتا ہے اور اس کا پہلا مہینہ تشری ہے۔ ان کی دور حاضر کی تقویم کا بنیادی ڈھانچہ وہی ہے جو دور جاہلیت میں یہودی تقویم کا تھا۔ صرف چند معمولی تغیرات ہوئے ہیں۔ مثلاً اس دور میں چاند کی پہلی تاریخ کا شمار رویت ہلال سے ہوا کرتا تھا۔ دور حاضر میں یہود و نصاریٰ چاند کی پہلی تاریخ کا تعین رویت ہلال کی بجائے ولادت قمر یعنی قران شمس وقمر (Conjunction of Sun & moon) سے کرتے ہیں۔ رویت ہلال کے وقت سے پہلے جب سورج اور چاند کا کسی نقطۂ فلک پر اجتماع ہوتا ہے تو اسے ہندی میں اماوس اور عربی میں اجتماع شمس وقمر/قران شمس وقمر اور فلکی اصطلاح میں اسے ولادتِ قمر (Birth of moon) کہا جاتا ہے۔ ولادتِ قمر کے بعد اکثر و بیشتر جب تک کم از کم بیس گھنٹے نہ گزر جائیں یعنی چاند کی عمر بیس گھنٹے نہ ہو جائے تو چاند دکھائی نہیں دیتا۔ لیکن نہایت شان دار فلکی کیفیات اور موافق حالات میں شاذ و نادر صورتوں میں اٹھارہ گھنٹے کی عمر کا بھی نیا چاند

دکھائی دے جاتا ہے۔تاہم اکثر و بیشتر صورتوں میں جب چاند کی عمر کوئی چوبیس پچیس گھنٹے کے قریب یا اس سے زائد ہو تو دکھائی دیتا ہے۔دور حاضر میں یہود و نصاریٰ اور اسی طرح سعودی عرب و مصر وغیرہ کئی مسلم ممالک قمری مہینے کی پہلی تاریخ کا شمار رویت ہلال کی بہ جائے ولادتِ قمر کے اوقات کو ملحوظ رکھتے ہوئے کرتے ہیں۔امت مسلمہ کا تساہل و تکاسل نہایت ہی افسوس ناک ہے کہ دور حاضر میں مسلم ممالک اس بات کا تعین ابھی تک نہیں کر سکے کہ قمری مہینے کا آغاز حسب سابق رویت ہلال سے ہونا چاہیے یا اس کے لئے ولادتِ قمر (قران شمس و قمر) کے وقت کو ملحوظ رکھا جائے۔اس موضوع پر مشہور تقویم نگار محترم ضیاء الدین لاہوری کے صاحب زادے جناب خالد اعجاز مفتی کی کتاب ''رویت ہلال، مسئلہ اور حل'' لائقِ مطالعہ ہے۔(۱۳/ الف) قِرآن شمس و قمر کے اوقات مسلمہ عالمی رصدگاہوں مثلاً گرین وچ کی برطانوی رصدگاہ سے جاری کئے جاتے ہیں۔دور جاہلیت اور دور نبوی کے جن عیسوی سالوں کے قرآن شمس و قمر کے اوقات ہم یہاں ان مباحث میں کسی سوال کے جواب میں دیں گے تو یہ گرین وچ کی رصدگاہ کے جاری کردہ وہ اوقات ہیں جو بغداد کے معیاری وقت کے مطابق ہیں۔

یہودیوں نے اپنے حساب سے اپنی قمریہ شمسی تقویم کے لئے سن (Era) کا آغاز تخلیق کائنات کے وقت سے کیا ہے اس لئے عبرانی سالوں کے ساتھ ''خلیقہ (Creation)'' کا لاحقہ لگایا جاتا ہے۔یکم تشری اخلیقہ کا آغاز انہوں نے اپنے حساب کے مطابق عیسوی تقویم کے اعتبار سے ۷ اکتوبر ۳۷۶۱ قبل مسیح سے کیا ہے۔اس لئے عیسوی سال میں ۳۷۶۱ جمع کریں تو وہ عبرانی (یہودی) تقویم کا سال بن جائے گا۔ مثلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت مدینہ کا عیسوی سال ۶۲۲ عیسوی جیولین تھا۔چوں کہ تشری کا مہینہ اکثر سالوں میں عیسوی ستمبر کے بڑے حصے کے مقابل ہوا کرتا ہے اس لئے ہم ستمبر ۶۲۲ عیسوی سے عبرانی سال شمار کریں گے۔جو اگست ۶۲۳ عیسوی پر ختم ہوگا۔۶۲۲ میں ۳۷۶۱ جمع کرنے سے عبرانی سال ۴۳۸۳ خلیقہ برآمد ہوا۔اسے ۱۹ پر تقسیم کرنے سے حاصل قسمت ۲۳۰، اور باقی ماندہ عدد ۱۳ ہوا۔یعنی یہ سال عبرانی ۱۹ سالہ دور کے اعتبار سے ۲۳۱ ویں دور کا تیرہواں سال تھا۔چوں کہ تیرہواں سال بارہ ماہ کا ہی لیا جاتا ہے لہٰذا یہ غیر مکبوس سال تھا۔البتہ اس سے اگلا سال یعنی ۴۳۸۴ خلیقہ چوں کہ اس ۲۳۱ ویں دور کا چودھواں سال تھا اور چودھواں سال تیرہ ماہ کا لیا جاتا ہے لہٰذا یہ مکبوس سال تھا۔

عربوں کی قمریہ شمسی تقویم

اہل عرب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صاحب زادے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی نسل سے

ہیں۔ دیگر پیغمبروں کی شرائع کی طرح دین ابراہیمی میں بھی شرعی امور کا دار و مدار خالص قمری تقویم پر ہی تھا۔ بعد میں جب عربوں میں توحید کی بہ جائے شرک پھیل گیا تو ذی الحجہ میں ان کا حج بھی محض ایک رسم ہی کی صورت اختیار کر گیا۔ ذی الحجہ سے پہلے ذی قعدہ کے مہینے میں عکاظ اور ذوالمجاز کے دوز بردست تجارتی میلے لگتے تھے۔ عربوں میں تعلیم کا رواج بہت کم تھا اور صنعت و حرفت میں بھی وہ دنیا کی دوسری اقوام سے پیچھے تھے۔ ان تجارتی میلوں میں وہ کھجور کی اور اپنے مال مویشی اونٹ گائے اور بھیڑ بکریوں ہی کی تجارت کر سکتے تھے۔ کھجور کی فصل موسم گرما میں تیار ہوتی ہے اور ادھر خالص قمری تقویم کا ذی الحجہ دیگر قمری مہینوں کی طرح ۳۳ قمری سالوں میں تمام موسموں گرما سرما بہار اور خزاں سے گزرتا ہے، لہٰذا عربوں کی کھجور کی تجارت خصوصاً اور دیگر اشیا کی عموماً ان تجارتی میلوں میں سخت خلل پذیر ہونے لگی۔ اس پر انہوں نے ذی قعدہ اور ذی الحجہ کے مہینوں کو موسم گرما میں متعین کرنے کے لئے اپنی قمری تقویم کو قمریہ شمسی تقویم میں بدل ڈالا۔ اس مقصد کے لئے انہوں نے عرب میں آباد یہودی قبائل کی قمریہ شمسی تقویم کی پیروی کی مگر مہینوں کے نام محرم تا ذی الحجہ حسب سابق رہنے دیئے۔ لیکن یثرب (مدینہ منورہ) کے عرب قبائل اوس اور خزرج نے اپنے پڑوسی یہودی قبائل کی قمریہ شمسی تقویم کو غالباً رقابت کی بنا پر دل سے تسلیم نہیں کیا اور خالص قمری تقویم کو بہ حال رکھا۔ چوں کہ دونوں قمری اور قمریہ شمسی تقاویم میں مہینوں کے نام مشترک رہے اسی لئے بعد میں دو تقویمی التباس اور اشتباہ پیدا ہوا۔

خالص قمری تقویم کو قمریہ شمسی تقویم میں بدلنے کا یہ حادثہ بہ قول البیرونیؒ ہجرت مدینہ سے کوئی دو سو سال پہلے پیش آیا۔ یعنی کوئی ۲۰۰ سال قبل ہجرت سے عربوں کا حج خالص قمری تقویم کی بہ جائے قمریہ شمسی ذی الحجہ میں ہونے لگا جو قمری تقویم کے اصل ذی الحجہ کے مقابل ۳۳ قمری سالوں کے بعد اور وہ بھی صرف دو تین سال کے لئے ہی ہوا کرتا تھا۔ قمریہ شمسی تقویم میں قمری تواریخ کا شمار رویت ہلال اور دور حاضر میں ولادتِ قمر کے اوقات سے کیا جاتا ہے، لہٰذا جب بھی قمریہ شمسی مہینوں کا تقابل کسی بھی شمسی تقویم کے مہینوں سے کیا جائے گا تو ایسا نہیں ہو سکتا کہ ہر مرتبہ قمریہ شمسی مہینے کی پہلی تاریخ شمسی مہینے کی پہلی تاریخ کے ٹھیک ٹھیک مقابل ہو بل کہ یہ تواریخ سال بہ سال بدلتی رہیں گی۔ مثلاً محرم قمریہ شمسی کو جب عیسوی (شمسی) تقویم کے ستمبر کے مقابل کیا جائے گا تو یہ ہر گز ضروری نہیں بل کہ ممکن ہی نہیں کہ ہر سال یکم ستمبر کو چاند کی بھی پہلی تاریخ ہی ہو۔ ستمبر کے مہینے میں جس تاریخ کو بھی چاند کی پہلی تاریخ ہوگی اسی تاریخ سے محرم قمریہ شمسی کو ستمبر کے مقابل رکھنا پڑے گا۔ مثلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس سال ہجرت فرمائی اس کے مقابل عیسوی تقویم کا سال ۶۲۲ عیسوی تھا۔ اس کا ستمبر کا مہینہ دیکھا تو معلوم ہوا کہ ۱۳ ستمبر ۶۲۲ عیسوی بہ روز سوموار چاند

کی پہلی تاریخ تھی لہٰذا ۱۳ ستمبر ۶۲۲ عیسوی جیولین کو قمریہ شمسی تقویم کی تاریخ یکم محرم ۱ ہجری قمریہ شمسی ہوئی، کیوں کہ ہم نے محرم قمریہ شمسی کو ستمبر کے مقابل رکھنا ہے۔ ہم نے اگلے سال کے ستمبر ۶۲۳ عیسوی کو دیکھا تو معلوم ہوا کہ ۲ ستمبر ۶۲۳ عیسوی جیولین کو چاند کی پہلی تاریخ تھی لہٰذا ۲ ستمبر ۶۲۳ عیسوی جیولین کو قمریہ شمسی تاریخ یکم محرم ۲ ہجری قمریہ شمسی ہوئی۔ پھر ہم نے اس سے اگلے سال ۶۲۴ عیسوی کے ستمبر کو دیکھا تو معلوم ہوا کہ ۲۱ ستمبر ۶۲۴ عیسوی جیولین کو چاند کی پہلی تاریخ تھی، لہٰذا ۲۱ ستمبر ۶۲۴ عیسوی جیولین کو قمریہ شمسی ہجری تاریخ یکم محرم ۳ ہجری قمریہ شمسی ہوئی۔ اس سے معلوم ہوا کہ ہر سال یکم محرم قمریہ شمسی کے مقابل عیسوی ستمبر کی کوئی ایک ہی تاریخ مستقل طور پر متعین نہیں ہوسکتی، اسی لئے دورِ جاہلیت اور دورِ نبوی میں یکم محرم قمریہ شمسی کے مقابل عیسوی تواریخ میں سے ۲۷ اگست سے ۲۶ ستمبر تک کی کوئی ایک تاریخ سال بہ سال بدل کر ہوا کرتی تھی۔ دورِ حاضر میں یہودیوں کی قمریہ شمسی تقویم کے پہلے مہینے تشری کی یکم تاریخ ۵ ستمبر سے ۵ اکتوبر کی تواریخ کے درمیان رہا کرتی ہے۔ یعنی دورِ نبوی سے دورِ حاضر تک عیسوی تقویم میں چند دنوں کا فرق پڑا ہے۔

عربوں نے اگرچہ اپنی خالص قمری تقویم کو یہودی طرز پر قمریہ شمسی تقویم میں بدل ڈالا تھا لیکن ان کے ہاں سال شماری کا کوئی مربوط نظام نہ تھا، جس کی نظر میں کوئی تاریخی واقعہ یا حادثہ اہم ہوتا اسی سے وہ سالوں کو شمار کرلیا کرتا تھا۔ یمن کے عیسائی حکمران ابرھہ کا بیت اللہ پر ناکام حملہ ایک بہت بڑا واقعہ تھا لہٰذا کچھ عربوں نے عموماً اور اہلِ سیر و مغازی نے خصوصاً اسی سے سالوں کا شمار شروع کیا۔ اتفاق ایسا ہوا کہ ابرھہ کا یہ حملہ اس دور کی عربوں کی قمریہ شمسی تقویم کے پہلے مہینے محرم قمریہ شمسی ہی میں ہوا تھا اور ابرھہ کے لشکر میں ہاتھی بھی تھے، اس لئے یہ سال عام الفیل کہلایا اور اسی سے آئندہ سال شماری کا بڑا سبب اہلِ سیر و مغازی کے لئے یہ ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادتِ مبارکہ کا سال بھی یہی ہے۔

مشہور ترین قول کے مطابق ابرھہ کے اس ناکام حملے کے پچاس دن بعد ۸ ربیع الاول عام الفیل کو آپ کی ولادت ہوئی، لیکن یہاں یہ یاد رہے کہ یہ ربیع الاول ہرگز ہماری موجودہ ہجری تقویم کے سال والا ربیع الاول نہیں ہے۔ ہماری موجودہ ہجری تقویم خالص قمری تقویم ہے۔ یہ ربیع الاول قمریہ شمسی تقویم کا تھا، جس کے مقابل خالص قمری تقویم کا مہینہ رمضان المبارک تھا۔ اس کی بھرپور وضاحت آئندہ مباحث میں ان شاء اللہ العزیز اپنے متعلقہ مقام پر ہوگی۔

دورِ نبوی میں ہجرتِ مدینہ کا واقعہ بہت بڑا واقعہ ہے جو مسلمانوں کے لئے سال شماری کا مستقل سبب بن گیا۔ اوپر مذکور ہو چکا ہے کہ قمریہ شمسی تقویم کو قبول کرلینے کے بعد عربوں کا حج خالص قمری تقویم کے ذی الحجہ کی بجائے قمریہ شمسی تقویم کے ذی الحجہ میں ہوا کرتا تھا۔ اگر محرم قمریہ شمسی کو عیسوی مہینے ستمبر کے

مقابل رکھا جائے تو ذی قعدہ اور ذی الحجہ قمریہ شمسی کے مہینے جولائی اور اگست کے مقابل ہوں گے۔ ان مہینوں میں کھجور کی فصل تیار ہو کر گھروں میں پہنچ جاتی ہے۔ لہٰذا تجارتی میلوں میں کھجوروں کی تجارت کے لئے یہ مہینے عربوں کے لئے نہایت موزوں تھے۔ اسی لئے تو انہوں نے محرم قمریہ شمسی کا آغاز موسم خزاں سے کیا۔ اگر وہ محرم قمریہ شمسی کو موسم بہار میں رکھتے مثلاً عیسوی مہینوں مارچ یا اپریل کے مقابل رکھتے تو ذی قعدہ اور ذی الحجہ قمریہ شمسی مہینے موسم سرما میں متعین ہو کر رہ جاتے اور جس مقصد کے لئے انہوں نے اپنی خالص قمری تقویم کو قمریہ شمسی تقویم میں تبدیل کیا تھا، اس (مفروضہ) صورت میں وہ ہرگز حاصل نہ ہو پاتا۔ بس جن حضرات نے یہ سمجھ لیا کہ عربوں کے قمریہ شمسی سال کا آغاز موسم خزاں کی بہ جائے موسم بہار میں ہوا کرتا تھا انہیں سخت مغالطہ ہوا ہے۔

اوپر مذکور ہو چکا ہے کہ عربوں کی قمریہ شمسی تقویم یہودیوں کی عبرانی تقویم کی طرز پر تھی، اس لئے یہودی تقویم میں جو مکبوس اور غیر مکبوس یعنی بارہ مہینوں والے اور تیرہ مہینوں والے سال ہوا کرتے تھے بعینہ انہی عبرانی سالوں کے مقابل عربوں کی قمریہ شمسی تقویم کے مکبوس اور غیر مکبوس سال ہوا کرتے تھے۔ مدینے کے لوگوں کی تقویم خالص قمری تقویم تھی جب کہ اہل مکہ کی تقویم قمریہ شمسی تھی اور اسی قمریہ شمسی تقویم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مہاجرین، مکے سے مدینہ منورہ لے آئے۔ یوں ہجرت کے بعد مدینے میں قمریہ شمسی اور قمری دونوں ہجری سال ساتھ ساتھ چلتے رہے۔ اس دور میں حرمت والے چار مہینے بھی قمریہ شمسی تقویم کے ہی شمار میں لائے جاتے تھے۔ عربوں کا حج اور عمرہ بھی اسی تقویم کے مطابق ہوا کرتا تھا لہٰذا حجۃ الوداع تک قمریہ شمسی تقویم ہی مشرکین اور مسلمانوں کے لیے رسمی (Formal) تقویم رہی۔ خالص قمری تقویم غیر رسمی (Informal) اور ایک مظلوم تقویم تھی۔ ناگزیر وجوہ کی بنا پر قمریہ شمسی تقویم کو حجۃ الوداع تک جاری رکھا گیا پھر اس موقع پر اسے ہمیشہ کے لئے منسوخ قرار دے کر خالص قمری ہجری تقویم کو بحال رکھا گیا جو تا قیامت ان شاء اللہ العزیز جاری وساری رہے گی۔

چوں کہ عربوں کی قمریہ شمسی تقویم اور اس کے مکبوس (تیرہ مہینوں والے) سال اور غیر مکبوس (بارہ مہینوں والے) سال یہودیوں کی عبرانی تقویم سے ہم آہنگ تھے، اس لئے یہودیوں کی عبرانی تقویم اور عیسوی جیولین تقویم کے مقابل دور نبوی کی قمریہ شمسی ہجری تقویم کے مکبوس سالوں کی جدول ذیل میں پیش کی جاتی ہے:

نمبر شمار	عبرانی قمریہ شمسی سال	۱۹ سالہ دور نمبر اور سال نمبر	قمریہ شمسی ہجری سال	عیسوی جیولین

۱	۴۳۸۴ خلیقہ	۱۴۳۱ ویں دور کا چودھواں مکبوس سال	۲ ہجری قمریہ شمسی	۶۲۳۔۶۲۴ عیسوی
۲	۴۳۸۷ خلیقہ	۱۴۳۱ ویں دور کا سترہواں مکبوس سال	۵ ہجری قمریہ شمسی	۶۲۶۔۶۲۷ عیسوی
۳	۴۳۸۹ خلیقہ	۱۴۳۱ ویں دور کا آخری انیسواں مکبوس سال	۷ ہجری قمریہ شمسی	۶۲۸۔۶۲۹ عیسوی
۴	۴۳۹۲ خلیقہ	۱۴۳۲ ویں دور کا تیسرا مکبوس سال	۱۰ ہجری قمریہ شمسی	۶۳۱۔۶۳۲ عیسوی

مذکورہ بالا جدول سے بہ خوبی معلوم ہو رہا ہے کہ مدنی دورِ نبوی میں قمریہ شمسی ہجری تقویم کا دوسرا، پانچواں، ساتواں اور دسواں یعنی چار سال تیرہ تیرہ ماہ کے ہوئے، اور باقی ماندہ چھ سال بارہ بارہ ماہ کے ہوئے۔ قمریہ شمسی تقویم میں تیرہویں مہینے کو کبیسہ کا مہینہ کہا جاتا ہے۔ کبیسہ کے متعلق ایک اشکال یہ پیش کیا جاتا ہے کہ اگر کبیسہ کے مہینوں میں اہم واقعات اور حوادث پیش آئے ہوں تو اہل سیر نے ان کبیسہ والے مہینوں کی نشان دہی کیوں نہیں کی؟ اصل صورتِ حال یہ ہے کہ مکی دور کے جو واقعات اہل سیر نے بیان کئے ہیں، ان کی تعداد مدنی دور کے واقعات کی نسبت بہت کم ہے۔ پھر ان واقعات کے عموماً سال ہی بیان کئے گئے ہیں، تواریخ خصوصاً اور مہینے عموماً بیان نہیں کئے گئے۔ مدنی دور میں کل چار مکبوس سال تھے۔ ہم آئندہ مباحث میں سوال نمبر ۱۱ کے جواب میں واضح کریں گے کہ سال ۲ ہجری قمریہ شمسی میں مسلمانوں نے سریہ عبداللہؓ بن جحش کے بعد کبیسہ کا مہینہ شوال کو مکرر لا کر ڈالا۔ اور شوال کبیسہ میں صرف دو واقعات سریہ سالم بن عمیر اور غزوۂ بنی قینقاع پیش آئے۔ سال ۵ ہجری قمریہ شمسی کے تمام واقعات کی توقیت اہل سیر نے خالص قمری تقویم میں ہی کی ہے۔ قمری تقویم میں کبیسہ کا مہینہ یعنی تیرہواں مہینہ ہوا ہی نہیں کرتا۔ سال ۷ ہجری قمریہ شمسی کے محرم کبیسہ میں صرف دو واقعات سریہ حسمیٰ اور غزوۂ ذات الرقاع پیش آئے۔ سال ۱۰ ہجری قمریہ شمسی کے محرم قمریہ شمسی اور محرم کبیسہ کا کوئی واقعہ کتب سیرت میں مذکور نہیں۔ یعنی مدنی دورِ نبوی کے چار کبیسہ مہینوں میں کل چار اور وہ بھی معمولی نوعیت کے واقعات پیش آئے۔ بل کہ اگر زیادہ واقعات و حوادث بھی پیش آتے تو بھی دو تقویمی التباس کی وجہ سے متقدمین اہل سیر و مغازی کے لئے مکبوس اور غیر مکبوس سالوں میں امتیاز کرنا اور کبیسہ کے مہینوں کی نشان دہی کرنا نہایت ہی مشکل بل کہ تقریباً ناممکن تھا۔ امت مسلمہ کی اس سلسلے میں تا حال وسیع پیمانے پر لاعلمی اور بے خبری کے اسباب ہم ان مباحث کے آخر میں

سوال نمبر ۲۱ کے جواب میں پیش کریں گے۔

بعض حضرات کا ایک اشکال یہ بھی ہے کہ اگر عربوں میں قمریہ شمسی تقویم رائج تھی تو تیرہویں مہینے کا مکبوس سالوں میں کیا نام رکھا جاتا تھا۔ کسی چیز کا نام معلوم نہ ہونے یا نام نہ رکھنے سے اس کے وجود کی نفی نہیں ہو جاتی۔ نام امتیاز اور شناخت کے لئے رکھا جاتا ہے۔ اگر یہ شناخت متعلقہ چیز کے کسی وصف سے ہو جائے تو یہی کافی ہے۔ دور جاہلیت اور دور نبوی کے عربوں کو اس کا بہ خوبی علم تھا کہ بنو کنانہ قبیلے کا ناسی بعض مخصوص سالوں میں تیرہویں مہینے کا اضافہ کیا کرتا تھا اور یہ مہینہ نسی کے اس عمل کی بنا پر دوسرے مہینوں سے ممتاز ہوا کرتا تھا اور نسی والا یا کبیسہ والا مہینہ سمجھا جاتا تھا۔

۸۔ سوال نمبر ۸:

ان مباحث میں آپ نے یہ جو بتایا ہے کہ اہل سیر و مغازی نے بعض واقعات غزوات و سرایا وغیرہ کی توقیت قمریہ شمسی اور قمری دونوں تقاویم میں کر دی ہے تو اس کی کچھ مثالیں بیان کی جائیں، تا کہ اس دور کی قمریہ شمسی اور قمری تقویم کو سمجھنے میں مزید آسانی ہو اور اس امر کا بھی مزید ثبوت فراہم ہو سکے کہ عربوں کے قمریہ شمسی سال کا آغاز موسم خزاں سے ہوا کرتا تھا۔

جواب:۔ اس سلسلے میں ہم سات مثالیں پیش کرتے ہیں۔

پہلی مثال:

سال ۲ ہجری میں کرز بن جابر کے تعاقب میں جو غزوہ ہوا تھا اسے غزوۂ بدر اولیٰ کہا جاتا ہے۔ ابن حبیب بغدادی نے اپنی کتاب ''المحبر'' میں اسے ۱۲ جمادی الاخریٰ ۲ ہجری کا واقعہ بتایا ہے۔ (۱۳/ الف) ۱۲ جمادی الاخریٰ ۲ ہجری قمری کو عیسوی تاریخ ۱۱ دسمبر ۶۲۳ عیسوی جیولین تھی۔ ہم جب بھی کسی قمری ہجری تاریخ کا تقابل عیسوی تاریخ سے کریں تو قارئین کرام اپنے اطمینان کی خاطر تقویم پر کسی بھی معتبر کتاب مثلاً مولانا عبدالقدوس ہاشمیؒ کی تقویم تاریخی اور محترم ضیاء الدین لاہوری کی جوہر تقویم جیسی کتب کی طرف رجوع فرما سکتے ہیں۔ ہم نے اوپر سوال نمبر ے کے جواب میں مدنی دور نبوی کے مکبوس قمریہ شمسی سالوں کی جو جدول پیش کی ہے، اس کے مطابق سال ۲ ہجری قمریہ شمسی مکبوس (تیرہ مہینوں والا) سال تھا۔ اس لئے ہم اگر عیسوی ستمبر کو محرم قمریہ شمسی کے مقابل رکھیں اور اگلے عیسوی مہینے اکتوبر کے مقابل محرم کبیسہ کو رکھیں تو ہر دو تقاویم کے مہینوں کی چال یوں ہوگی:

عیسوی مہینے:	ستمبر	اکتوبر	نومبر	دسمبر

قمریہ شمسی مہینے: محرم محرم کبیسہ صفر ربیع الاول

اوپر ہم بتا چکے ہیں کہ ۱۲ جمادی الاخریٰ ۲ ہجری قمری کو عیسوی تاریخ ۱۱ دسمبر ۶۲۳ عیسوی جیولین تھی۔ مذکورہ جدول سے معلوم ہو رہا ہے کہ دسمبر کے مقابل قمریہ شمسی ہجری تقویم کا مہینہ ربیع الاول تھا۔ پس مذکورہ جدول کی روشنی میں قمریہ شمسی تاریخ ۱۲ ربیع الاول ۲ ہجری قمریہ شمسی ہوئی۔ چناں چہ ابن سعد اور واقدی نے اس غزوے کو ربیع الاول ۲ ہجری کا واقعہ قرار دیا ہے۔ (۱۳/ ب) اس سے یہ خوبی واضح ہو گیا کہ ابن سعد اور واقدی نے اس غزوے کی توقیت قمریہ شمسی تقویم میں اور ابن حبیب بغدادی نے خالص قمری تقویم میں کی ہے۔ یوں غزوۂ بدر اولی ۱۲ ربیع الاول ۲ ہجری قمریہ شمسی مطابق ۱۲ جمادی الاخریٰ ۲ ہجری قمری مطابق ۱۱ دسمبر ۶۲۳ عیسوی جیولین بہ روز ہفتہ کا واقعہ ہے۔

دوسری مثال:

غزوۂ غطفان جسے غزوۂ ذی امر بھی کہا جاتا ہے، ابن سعد اور واقدی کے نزدیک ربیع الاول ۳ ہجری کا واقعہ ہے۔ (۱۳/ ج) ربیع الاول ۳ ہجری کے مقابل عیسوی مہینہ اگست ۶۲۴ عیسوی تھا۔ اگر عربوں کی قمریہ شمسی تقویم کے محرم کو ستمبر کے مقابل رکھا جائے تو اگست کا مہینہ ذی الحجہ قمریہ شمسی کے مقابل ہوگا۔ چناں چہ ابن اسحاق نے اس غزوے کو اواخر ذی الحجہ ۲ ہجری کا غزوہ بتایا ہے۔ (۱۳/ د) پس اس غزوے کی توقیت ابن اسحاق نے قمریہ شمسی تقویم میں اور ابن سعد اور واقدی نے خالص قمری تقویم میں کی ہے۔ یوں یہ غزوہ اواخر ذی الحجہ ۲ ہجری قمریہ شمسی مطابق اواخر ربیع الاول ۳ ہجری قمری مطابق اگست ۶۲۴ عیسوی جیولین کا واقعہ ہے (۱۳/ ھ)

تیسری مثال:

سریہ زید بن حارثہ واقدی کے نزدیک یکم جمادی الاخریٰ ۳ ہجری کا واقعہ ہے۔ یکم جمادی الاخریٰ ۳ ہجری قمری کے مقابل عیسوی تاریخ ۱۸ نومبر ۶۲۴ عیسوی جیولین تھی۔ عربوں کی قمریہ شمسی تقویم کے محرم کو ستمبر کے مقابل رکھا جائے تو نومبر کا مہینہ ربیع الاول قمریہ شمسی کے مقابل ہوگا۔ چناں چہ ابن اسحاق کے نزدیک سریہ زید بن حارثہ، غزوۂ بدر سے چھ ماہ بعد ربیع الاول ۳ ہجری کا واقعہ ہے۔ (۱۴/ الف) پس ابن اسحاق نے اس سریے کی توقیت قمریہ شمسی تقویم میں جب کہ واقدی نے خالص قمری تقویم میں کی ہے۔ پس یہ سریہ یکم ربیع الاول ۳ ہجری قمریہ شمسی مطابق یکم جمادی الاخریٰ ۳ ہجری قمری مطابق ۱۸ نومبر ۶۲۴ عیسوی جیولین بہ روز اتوار کا واقعہ ہے۔ تاہم تقویم تاریخی میں یکم جمادی الاخریٰ ۳ ہجری قمری کے مقابل عیسوی تاریخ ۱۹ نومبر ۶۲۴ عیسوی اور دن سوموار لکھا ہے۔ قمری تواریخ کے تعین میں ابہام کی وجہ سے ایک

دن کا فرق گوارا کیا جا سکتا ہے۔ ہمارے حساب سے تاریخ ۱۸ نومبر ۶۲۴ عیسوی بنتی ہے۔ اوپر ابن اسحاق کے حوالے سے یہ مذکور ہو چکا ہے کہ سریہ زید بن حارثہ، غزوۂ بدر سے چھ ماہ بعد ربیع الاول ۳ ہجری کا سریہ ہے تو جب یہ ثابت ہو چکا کہ یہ ربیع الاول قمریہ شمسی تقویم کا ہے تو اس سے بہ طریق احسن یہ بھی ثابت ہو گیا کہ غزوۂ بدر کا رمضان بھی قمریہ شمسی تقویم کا تھا۔ بہ قول واقدی غزوۂ بدر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب نے روزہ رکھا ہوا تھا پھر سفر اور جنگ کی وجہ سے روزہ افطار کر دیا۔ (۴/ ب) اس سے معلوم ہوا کہ حجۃ الوداع کے موقع پر قمریہ شمسی تقویم کی منسوخی سے پہلے تک شرعی مقاصد کے لئے بھی اسی قمریہ شمسی تقویم پر عمل ہوتا رہا۔ البتہ ۶، اور ۷ ہجری میں عمرے کے لئے اور ۹ ہجری میں حج ابی بکر صدیقؓ کے لئے قمری تقویم کو ملحوظ رکھا گیا جس میں اس امر کی طرف لطیف اشارہ موجود تھا کہ قمریہ شمسی تقویم بالآخر منسوخ اور خالص قمری تقویم بہ حال ہوگی۔ چناں حجۃ الوداع میں ایسا ہی ہوا۔

چوتھی مثال:

حادثہ رجیع بہ قول ابن سعد اور واقدی صفر ۴ ہجری کا سانحہ ہے۔ (۱۴/ ج) اگر صفر ۴ ہجری کو خالص قمری تقویم کا لیا جائے تو اس کا مقابل عیسوی مہینہ جولائی ۶۲۵ عیسوی تھا۔ اگر عیسوی مہینے ستمبر کو عربوں کی قمریہ شمسی تقویم کے محرم کے مقابل رکھا جائے تو جولائی کا مہینہ ذی قعدہ قمریہ شمسی کے مقابل ہوتا ہے۔ چناں چہ ابن حبیب بغدادی نے اسے ذی قعدہ ۳ ہجری کا واقعہ قرار دیا ہے۔ (۱۵/ الف) پس ابن سعد اور واقدی نے اس حادثے کی توقیت خالص قمری تقویم میں اور ابن حبیب بغدادی نے قمریہ شمسی تقویم میں کی ہے۔ یوں یہ سانحہ ذی قعدہ ۳ ہجری قمریہ شمسی مطابق صفر ۴ ہجری قمری مطابق جولائی ۶۲۵ عیسوی جیولین کا ہے۔ اس حادثہ رجیع میں محارب دشمن نے حضرت خبیب اور حضرت زید بن دثنہ رضی اللہ عنہما کو زندہ پکڑ کر قریش مکہ کے پاس فروخت کر دیا تھا۔ اہل سیر کا بیان ہے کہ حرمت والے مہینے ختم ہونے پر قریش مکہ نے حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کو مصلوب کیا۔ ابن سعد اور واقدی نے اس سانحے کو صفر ۴ ہجری کا واقعہ بتایا ہے تو یہ صفر یقیناً قمری تقویم کا ہے، قمریہ شمسی تقویم کا ہرگز نہیں۔ صفر سے جمادی الاخریٰ تک کوئی مہینہ بھی حرمت والا مہینہ نہیں۔ اس سے یہ بھی قطعیت سے ثابت ہو گیا کہ قریش مکہ کی تقویم قمری نہیں بل کہ قمریہ شمسی تھی، ورنہ وہ صفر سے جمادی الاخریٰ کے مہینوں کے درمیان کسی بھی وقت حضرت خبیبؓ کو شہید کر سکتے تھے۔ صفر ۴ ہجری قمری کے مقابل قمریہ شمسی تقویم کا مہینہ ذی قعدہ ۳ ہجری قمریہ شمسی تھا۔ ذی قعدہ، ذی الحجہ اور محرم تینوں مہینے حرمت والے ہیں تو انہوں نے حضرت خبیبؓ کو صفر ۴ ہجری قمریہ شمسی میں مصلوب کیا۔

پانچویں مثال:

غزوۂ بدر الموعد کو ابن سعد اور واقدی نے یکم ذی قعدہ ۴ ہجری کا واقعہ بتایا ہے۔ (۱۵/ب) یکم ذی قعدہ ۴ ہجری قمری کے مقابل عیسوی تاریخ ۴ اپریل ۶۲۶ عیسوی جیولین تھی۔ اگر عیسوی ستمبر کو عربوں کی قمریہ شمسی تقویم کے محرم کے مقابل رکھا جائے تو اپریل کا مہینہ قمریہ شمسی شعبان کے مقابل ہوتا ہے۔ چناں چہ ابن حبیب بغدادی نے اسے یکم شعبان ۴ ہجری کا واقعہ قرار دیا ہے۔ (۱۵/ ج) پس ابن حبیب بغدادی نے اس غزوے کی توقیت قمریہ شمسی تقویم میں اور ابن سعد اور واقدی نے خالص قمری تقویم میں کی ہے۔ یوں یہ غزوہ یکم شعبان ۴ ہجری قمریہ شمسی مطابق یکم ذی قعدہ ۴ ہجری قمری مطابق ۴ اپریل ۶۲۶ عیسوی جیولین بہ روز جمعہ کا ہے۔

چھٹی مثال:

سریہ کرز بن جابر فہری ابن سعد اور واقدی کے نزدیک شوال ۶ ہجری کا واقعہ ہے۔ (۱۶/ الف) شوال ۶ ہجری قمری کے مقابل عیسوی مہینہ فروری ۶۲۸ عیسوی جیولین تھا۔ اگر عیسوی ستمبر کو عربوں کی قمریہ شمسی تقویم کے محرم کے مقابل رکھا جائے تو فروری کا مہینہ جمادی الاخریٰ کے مقابل ہوتا ہے۔ چناں چہ ابن اسحاق کے نزدیک یہ سریہ جمادی الاخریٰ ۶ ہجری کا ہے۔ (۱۶/ ب) پس ابن اسحاق نے اس سریے کی توقیت قمریہ شمسی تقویم میں جب کہ ابن سعد اور واقدی نے خالص قمری تقویم میں کی ہے۔ یوں یہ سریہ جمادی الاخریٰ ۶ ہجری قمریہ شمسی مطابق شوال ۶ ہجری قمری مطابق فروری ۶۲۸ عیسوی جیولین کا ہے۔

ساتویں مثال:

غزوۂ خیبر ابن سعد اور واقدی کے خیال میں جمادی الاولیٰ ۷ ہجری کا غزوہ ہے (۱۶/ ج) جمادی الاولیٰ ۷ ہجری قمری کے مقابل عیسوی مہینہ ستمبر ۶۲۸ عیسوی جیولین تھا۔ ہم اوپر بارہا لکھتے اور ثابت کرتے چلے آرہے ہیں کہ عیسوی ستمبر عربوں کی قمریہ شمسی تقویم کے محرم کے مقابل ہوا کرتا تھا۔ چناں چہ ابن اسحاق اور ابن ہشام کے نزدیک یہ غزوہ محرم ۷ ہجری کا ہے۔ (۱۶/ ج) پس ابن اسحاق اور ابن ہشام کی توقیت قمریہ شمسی تقویم کی ہے اور ابن سعد اور واقدی نے اس کی توقیت خالص قمری تقویم میں کی ہے۔ یوں یہ غزوہ محرم ۷ ہجری قمریہ شمسی مطابق جمادی الاولیٰ ۷ ہجری قمری مطابق ستمبر ۶۲۸ عیسوی جیولین کا ہے۔

ہم نے یہ سات مثالیں مدنی دورِ نبوت کے واقعات کی پیش کی ہیں جن سے معلوم ہو رہا ہے کہ عربوں کی قمریہ شمسی تقویم کے محرم قمریہ شمسی کا بڑا حصہ عیسوی ستمبر کے مقابل ہوا کرتا تھا اور چوتھی مثال سے یہ ثابت ہو رہا ہے کہ اہلِ مکہ کی تقویم قمریہ شمسی تھی، قمری ہرگز نہ تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادتِ

مبارکہ کا مہینہ ربیع الاول قمریہ شمسی تقویم کا ہے، قمری کا ہرگز نہیں۔ اگر عربوں کے محرم قمریہ شمسی کو عیسوی مہینے ستمبر کے مقابل رکھا جائے تو ربیع الاول قمریہ شمسی عیسوی نومبر کے مقابل ہوتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کا عیسوی سال بالاتفاق ۶۳۲ عیسوی جیولین ہے۔ قمریہ شمسی اور شمسی سال کی مدت نہایت ہی معمولی فرق سے یک ساں ہوتی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ قمریہ شمسی تقویم کے ۱۹ سالہ دور میں بارہ سال تو بارہ بارہ قمری مہینوں کے لیکن بقیہ سات سال تیرہ تیرہ قمری مہینوں کے ہوتے ہیں۔ بارہ قمری مہینوں کے دن ۳۵۴ اور بعض سالوں میں ۳۵۵ ہوتے ہیں۔ پس سات سالوں میں جو تیرہواں مہینہ بڑھایا جائے گا تو ایسے مکبوس (تیرہ ماہ والے) سالوں کی دنوں میں مدت ۳۵۴ + ۳۰ = ۳۸۴ دن فی سال یا ۳۵۴ + ۲۹ = ۳۸۳ فی سال اور بعض سالوں میں ۳۵۵ + ۳۰ = ۳۸۵ دن فی سال یا ۳۵۵ + ۲۹ = ۳۸۴ دن فی سال ہوگی، کیوں کہ قمری مہینہ ۲۹ یا ۳۰ دن کا ہوتا ہے۔ قمری مہینے کی دنوں میں اوسطات اہل ہیئت کے نزدیک ۲۹،۵۳۰۵۸۹ دن ہوتی ہے لہٰذا ۱۹ سالہ دور کے ۲۳۵ قمری مہینوں کی مجموعی مدت (۲۳۵ × ۲۹،۵۳۰۵۸۹) = ۶۹۳۹،۶۸۸۴ دن ہوئی۔ انہیں ۱۹ پر تقسیم کیا تو قمریہ شمسی تقویم میں فی سال اوسط مدت (۶۹۳۹،۶۸۸۴ تقسیم ۱۹) = ۳۶۵،۲۴۶۷۵ دن ہوئی۔ جیولین عیسوی تقویم میں سال کی اوسط مدت ۳۶۵،۲۵ دن اور گریگورین عیسوی تقویم میں ۳۶۵،۲۴۲۵ دن ہوتی ہے۔ اس سے خوب واضح ہوگیا کہ قمریہ شمسی اور شمسی سال کی مدت نہایت ہی معمولی فرق کے ساتھ یک ساں ہوا کرتی ہے۔ مشہور ترین قول کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک ۶۳ سال ہوئی تو عیسوی تقویم میں آپ کی ولادتِ مبارکہ کا سال (۶۳۲ ـ ۶۳) = ۵۶۹ عیسوی ہوا۔ ۴ نومبر ۵۶۹ عیسوی جیولین کو خالص قمری تقویم کی تاریخ ۸ رمضان المبارک ۵۵ قبل ہجرت تھی جس کے مقابل مکے کی قمریہ شمسی تقویم کی تاریخ ۸ ربیع الاول ۵۳ قبل ہجرت بنتی ہے۔ قمری سال، قمریہ شمسی اور شمسی سال سے کوئی ۱۱ دن چھوٹا ہوتا ہے اس لئے ۵۵ قمری سالوں کے قمریہ شمسی اور شمسی سال ۵۳ ہوتے ہیں۔ یہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادتِ مبارکہ کی صحیح تاریخ ہے۔ چناں چہ مشہور ماہر انساب وایام زبیر بن بکار اور دیگر اہل سیر نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت مبارکہ کا مہینہ رمضان المبارک بیان کیا ہے۔ اس کا صاف مطلب یہ ہوا کہ زبیر بن بکّار نے ولادتِ مبارکہ کی توقیت خالص قمری تقویم میں اور دیگر اہل سیر ومغازی نے قمریہ شمسی تقویم میں کی ہے۔ چوں کہ اہل مکہ اور دیگر عرب قبائل کی تقویم ان دنوں قمریہ شمسی تھی، اس لئے آپ کی ولادتِ مبارکہ کا مہینہ ربیع الاول مشہور ہو گیا جو ہرگز قمری تقویم کا نہیں بل کہ قمریہ شمسی تقویم کا ہے۔ اس کے مقابل خالص قمری تقویم کا مہینہ رمضان المبارک کا ہے جسے دو تقویمی التباس کی بنا پر ناحق قولِ شاذ اور قول غریب قرار دے کر اس سے

پیچھا چھڑا لیا گیا۔ ہم نے اوپر مدنی دور کے سات واقعات کی مثالیں پیش کی ہیں جن کی توقیت قمریہ شمسی اور قمری دونوں تقاویم میں ہوئی ہے۔ ان میں سے کسی بھی توقیت کو ''غریب اور شاذ'' قرار دے کر نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

۹۔سوال نمبر ۹:

جن غزوات سرایا وغیرہ واقعات کی توقیت اہل سیر نے صرف ایک ہی تقویم میں کی ہے تو کیسے معلوم کیا جا سکتا ہے کہ یہ قمریہ شمسی تقویم کی توقیت ہے یا خالص قمری تقویم کی ہے؟

جواب۔اس کا تعین بسا اوقات متعلقہ واقعات کے متعلق اہل سیر کی بیان کردہ موسمی صراحتوں اور اس دور کے معاشرتی حالات اور رسوم و رواج سے ہوتا ہے۔اس کی بھی سات مثالیں پیش خدمت ہیں:

پہلی مثال:

ہجرت کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ورودِ قبا کی تاریخ متقدمین اہل سیر و مغازی نے مثلاً ابن سعد اور واقدی نے ۱۲ ربیع الاول ۱ ہجری بہ روز سوموار کی بیان کی ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ اس پر اہل سیر کا اجماع ہے (۱۷/ الف) اگر اس تاریخ کو خالص قمری تقویم کا سمجھا جائے تو اس کے مقابل عیسوی تاریخ ۲۴ ستمبر ۶۲۲ عیسوی جیولین بہ روز جمعہ کی برآمد ہوتی ہے۔ اس سے پریشان ہو کر متاخرین نے تاریخ ۸ ربیع الاول ۱ ہجری قمری کر دی، تاکہ سوموار کے دن سے مطابقت ہو جائے۔ حال آں کہ جس تاریخ پر متقدمین اہل سیر نے اجماع کا دعویٰ کیا ہے اس میں تبدیلی کا متاخرین کو کوئی حق نہیں تھا۔ ہجرت کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے حضرت علیؓ آپ کے بستر مبارک پر چادر اوڑھ کر لیٹے تھے۔(۱۷/ ب) مکہ مکرمہ جیسے گرم آب و ہوا والے شہر میں ستمبر کے مہینے میں رات کے وقت چادر اوڑھ کر لیٹنا قرین فہم نہیں ہے، بل کہ اس سے تو آپ کے مکان کا محاصرہ کرنے والے مشرکین مکہ شک میں مبتلا ہو کر فوراً چوکنے ہو جاتے۔ یوں حفاظتی نقطۂ نگاہ سے بھی حضرت علیؓ کا گرم موسم میں چادر اوڑھ کر لیٹنا مناسب نہیں تھا۔ جب یہ ثابت ہو چکا ہے کہ اہل مکہ کی تقویم قمریہ شمسی تھی تو کیوں نہ ہجرت کے ربیع الاول کو قمریہ شمسی تقویم کا شمار کیا جائے؟ قمریہ شمسی تقویم میں محرم کو عیسوی مہینے ستمبر کے مقابل رکھا جائے تو ربیع الاول کا مہینہ عیسوی نومبر کے مقابل ہوتا ہے۔۲۲ نومبر ۶۲۲ عیسوی جیولین کے مقابل خالص قمری تقویم کی تاریخ ۱۲ جمادی الاولیٰ ۱ ہجری قمری تھی اور دن بھی ٹھیک سوموار کا ہی تھا۔ پس قمریہ شمسی تاریخ ۱۲ ربیع الاول ۱ ہجری قمریہ شمسی ہوئی۔ نومبر کے اواخر میں اتنی سردی ضرور ہوتی ہے کہ کمرے میں بھی چادر اوڑھ کر

لیٹنا پڑتا ہے۔اس سے بہ خوبی ثابت ہوا کہ ربیع الاول میں ورود قبا کی تاریخ قمریہ شمسی تقویم کی ہے۔یعنی ورود قبا کا واقعہ ۱۲ ربیع الاول ۱ ہجری قمریہ شمسی مطابق ۱۲ جمادی الاولیٰ ۱ ہجری قمری مطابق ۲۲ نومبر ۶۲۲ عیسوی جیولین بہ روز سوموار کا ہے۔

دوسری مثال:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یکم ذی قعدہ ۶ ہجری کو بہ روز سوموار اپنے اصحاب کے ہم راہ مدینہ منورہ سے بہ غرض عمرہ مکہ مکرمہ کے لئے عازم سفر ہوئے، کیوں کہ آپ نے خواب میں اپنے آپ کو اپنے ساتھیوں کے ہم راہ کعبے کا طواف کرتے دیکھا تھا۔(۱۷/ ج) اس عمرے کے ضمن میں ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ آپ قریش مکہ سے جنگ کے ہرگز خواہاں نہیں تھے، بل کہ آپ صرف عمرہ کرنا چاہتے تھے۔ادھر حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت سے پتہ چلتا ہے کہ قریش مکہ اور دیگر قبائل عرب حج کے مہینوں میں عمرہ کرنے کو نہایت ہی سنگین گناہ سمجھتے تھے (۱۸/ الف) اس سے تو بہ ظاہر یہ دکھائی دیتا ہے کہ آپ (معاذ اللہ) قریش مکہ کو خواہ مخواہ اور ناحق مشتعل کرنا چاہتے تھے۔یہاں اصل حقیقت تک رسائی کے لئے ہمیں خالص قمری تقویم کی یکم ذی قعدہ ۶ ہجری قمری کے مقابل عیسوی تاریخ دیکھنی چاہیے۔چناں چہ یکم ذی قعدہ ۶ ہجری کے مقابل عیسوی تاریخ ۱۳ مارچ ۶۲۸ عیسوی جیولین اور دن اتوار تھا۔مدینہ منورہ میں چاند ایک دن کی تاخیر سے نظر آیا، لہٰذا یکم ذی قعدہ ۶ ہجری قمری کو سوموار کا دن تھا اور عیسوی تاریخ ۱۴ مارچ ۶۲۸ عیسوی جیولین تھی۔اگر عیسوی ستمبر کو عربوں کی قمریہ شمسی تقویم کے محرم کے مقابل رکھا جائے تو مارچ کا مہینہ رجب قمریہ شمسی کے مقابل ہوتا ہے۔اور اسی رجب قمریہ شمسی کو دور جاہلیت میں عربوں نے عمرے کے لئے مخصوص کر رکھا تھا۔اس سے یہ معلوم ہوا کہ قریش مکہ کی تقویم قمریہ شمسی تھی اور یہ بھی معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمرے کے لئے یہ سفر اس دور کے معاشرتی حالات سے پوری طرح ہم آہنگ تھا۔

پس عمرے کے لئے روانگی کی تاریخ یکم رجب ۶ ہجری قمریہ شمسی مطابق یکم ذی قعدہ ۶ ہجری قمری مطابق ۱۴ مارچ ۶۲۸ عیسوی جیولین اور دن سوموار تھا۔اہل سیر نے اس عمرے کے سفر کی توقیت خالص قمری تقویم میں کی ہے۔

تیسری مثال:

غزوہ فتح مکہ کے چند روز بعد وقوع پذیر غزوۂ حنین کی تاریخ اہل سیر نے ۶ شوال ۸ ہجری بہ روز ہفتہ کی بیان کی ہے۔(۱۸/ ب) ابن سعد نے طبقات میں بہ روایت عبدالرحمن الفہری یہ قول لکھا ہے کہ ”ہم اس غزوے کے لئے شدید ترین گرم دن میں روانہ ہوئے تو ہمیں گرمی کی شدت سے بچنے کے لئے

درختوں کے سایوں کے نیچے قیام کرنا پڑا''۔ (۱۸/ ج) ادھر ہم اگر خالص قمری تقویم میں ۶ شوال ۸ ہجری قمری کے مقابل عیسوی تاریخ دیکھیں تو یہ ۲۲ جنوری ۶۳۰ عیسوی جیولین برآمد ہوتی ہے۔ یہ تو شدید موسم سرما کی تاریخ ہے، لہٰذا غزوۂ حنین کی توقیت ہرگز قمری تقویم کی نہیں بل کہ اہل سیر نے اس کی توقیت قمریہ شمسی تقویم میں کی ہے۔ محرم قمریہ شمسی کو عیسوی ستمبر کے مقابل رکھا جائے تو شوال قمریہ شمسی کے مقابل جون کا مہینہ ہوتا ہے۔ ۱۸ جون ۶۳۰ عیسوی جیولین کو خالص قمری تقویم کی تاریخ یکم ربیع الاول ۹ ہجری قمری بہ روز سوموار کی برآمد ہوتی ہے۔ پس ۶ ربیع الاول ۹ ہجری قمری کو ٹھیک ہفتے کا دن ہی ہوا۔ یوں غزوۂ حنین کے لئے روانگی ۶ شوال ۸ ہجری قمریہ شمسی مطابق ۶ ربیع الاول ۹ ہجری قمری مطابق ۲۳ جون ۶۳۰ عیسوی جیولین بہ روز ہفتہ کی ہے۔ اس سے پہلے فتح مکہ کی تاریخ اہل سیر نے ۲۰ رمضان ۸ ہجری بروز جمعہ کی بیان کی ہے۔ (۱۹/ الف) پس یہ رمضان بھی یقیناً قمریہ شمسی تقویم کا ہوا۔ محرم قمریہ شمسی کو ستمبر کے مقابل رکھا جائے تو رمضان قمریہ شمسی عیسوی مہینے مئی کے مقابل ہوتا ہے۔ ۲۰ مئی ۶۳۰ عیسوی جیولین کو خالص قمری تقویم کی تاریخ یکم صفر ۹ ہجری قمری اور دن اتوار تھا، پس خالص قمری تقویم میں ۲۰ صفر ۹ ہجری قمری کے مقابل عیسوی تاریخ ۸ جون ۶۳۰ عیسوی جیولین تھی۔ یوں فتح مکہ کی تاریخ ۲۰ رمضان ۸ ہجری قمریہ شمسی مطابق ۲۰ صفر ۹ ہجری قمری مطابق ۸ جون ۶۳۰ عیسوی جیولین بہ روز جمعہ کی ہے۔ یہ شدید گرمی کا موسم ہے۔ واقدی نے فتح مکہ کے احوال میں لکھا ہے کہ مقام عرج پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گرمی اور پیاس کی شدت کی وجہ سے اپنے سر اور چہرے پر پانی ڈال رہے تھے۔ مزید لکھا ہے کہ ظہر اور عصر کے درمیان جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم مقام کدید پر پہنچے تو آپ نے پانی کا ایک برتن اپنے دست مبارک میں لیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کے سامنے روزہ افطار کرلیا۔ (۱۹/ ب) اس سے معلوم ہوا کہ دور نبوی میں روزے قمریہ شمسی تقویم کے رمضان میں رکھے گئے۔ ان دنوں شرعی مقاصد کے لئے اسی قمریہ شمسی تقویم پر عمل ہو رہا تھا۔ ہم اس کی مزید وضاحت آئندہ سطور میں سوال نمبر ۱۰ کے جواب میں کریں گے۔ فتح مکہ کے رمضان میں روزہ افطار کر لینے کی روایات صحیحین، سنن نسائی اور سنن ترمذی میں بھی موجود ہیں۔ (۱۹/ ج)

چوتھی مثال:

سریہ ذات السلاسل بہ قول اہل سیر جمادی الاخری ۸ ہجری کا واقعہ ہے۔ (۲۰/ الف) واقدی نے لکھا ہے کہ اس سریے کے امیر حضرت عمرو بن العاص کو ایک شدید ترین سرد رات میں احتلام ہوگیا۔ (۲۰/ ب) انہوں نے تیمم کر کے اپنے ساتھیوں کو فجر کی نماز پڑھا دی۔ بعد میں جب اس کا تذکرہ رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم سے ہوا تو آپ کے استفسار پر حضرت عمروؓ نے عرض کیا کہ مجھے شدید خوف تھا کہ اتنی سردی میں غسل کرنے سے میں ہلاک ہو جاؤں گا اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **ولا تقتلوا انفسیکم انّ اللہ کان بکم رحیما** ''اور تم اپنی جانوں کو قتل نہ کرو، بے شک اللہ تم پر مہربان ہے''۔ اس پر آپ ہنس پڑے اور کچھ نہیں فرمایا۔ (۲۰/ ج) اس سے معلوم ہوا کہ یہ سریہ سخت سردی میں ہوا تھا۔ عربوں کی قمریہ شمسی تقویم کے محرم کو اگر ستمبر کے مقابل رکھا جائے تو جمادی الاخریٰ قمریہ شمسی کا مہینہ فروری کے مقابل ہوتا ہے۔ پس اس سریے کی توقیت اہل سیر نے قمریہ شمسی تقویم میں کی ہے۔ ورنہ خالص قمری تقویم میں جمادی الاخریٰ ۸ ہجری قمری کے مقابل عیسوی مہینہ ستمبر/ اکتوبر ۶۲۹ عیسوی جیولین کا تھا۔ یہ شدید سردی کے مہینے نہیں۔ ۲۰ فروری ۶۳۰ عیسوی جیولین کے مقابل قمری تاریخ یکم ذی قعدہ ۸ ہجری قمری برآمد ہوتی ہے۔ پس یہ سریہ جمادی الاخریٰ ۸ ہجری قمریہ شمسی مطابق ذی قعدہ ۸ ہجری قمری مطابق فروری ۶۳۰ عیسوی جیولین کا ہے۔ قمریہ شمسی تقویم میں جمادی الاولیٰ اور جمادی الاخریٰ کے مہینے عیسوی مہینوں جنوری اور فروری کے مقابل ہوا کرتے تھے۔ ان مہینوں میں سردی کی وجہ سے بعض اوقات پانی جم جاتا تھا جیسا کہ جمادی کے مادہ ''[illegible]'' سے بھی ظاہر ہو رہا ہے۔

پانچویں مثال:

حضرت ماریہ قبطیہؓ کے بطن سے پیدا ہونے والے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحب زادے حضرت ابراہیمؑ کی ولادت بقول اہل سیر ذی الحجہ ۸ ہجری میں اور وفات تقریباً ڈیڑھ سال کی عمر میں ربیع الاول ۱۰ ہجری میں ہوئی۔ (۲۱/ الف) ان کے یوم وفات پر سورج گرہن ہوا تھا۔ (۲۱/ ب) اہل ہیئت کے نزدیک اس سورج گرہن کی تاریخ ۲۷ جنوری ۶۳۲ عیسوی جیولین تھی۔ (۲۱/ ج) اس تاریخ کے مقابل خالص قمری تقویم کی تاریخ ۲۸ شوال ۱۰ ہجری قمری تھی۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ سے مروی صحیح بخاری کی روایت کے مطابق حضرت ابراہیم بن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ۱۷ یا ۱۸ ماہ کی عمر اور مسند احمد میں حضرت جابرؓ کی روایت کے مطابق ۱۸ ماہ کی عمر یہ ہوا تھا۔ شوال ۱۰ ہجری قمری سے ۱۸ ماہ پیچھے کو جائیں تو ولادت کا مہینہ جمادی الاولیٰ ۹ ہجری قمری برآمد ہوتا ہے، اور قاضی منصور پوریؒ نے اسی کو درست قرار دے کر اہل سیر کی بیان کردہ توقیت کو غلط ٹھہرایا ہے۔ (۲۲/ الف) چوں کہ قاضی صاحب عربوں کے دو تقویمی نظام سے واقف نہیں تھے، اس لیے انہوں نے اہل سیر کی توقیت کو غلط قرار دے دیا۔ خالص قمری تقویم میں جمادی الاولیٰ ۹ ہجری قمری کے مقابل عیسوی مہینہ اگست ۶۳۰ عیسوی جیولین تھا۔ اگر عیسوی ستمبر کو عربوں کی قمریہ شمسی تقویم کے محرم کے مقابل رکھا جائے تو ظاہر ہے کہ اگست کا مہینہ ٹھیک ذی الحجہ قمریہ

شمسی کے مقابل ہوگا۔ پس اہل سیر نے ولادت کا مہینہ جو ذی الحجہ ۸ ہجری بیان کیا ہے تو یہ قمریہ شمسی تقویم کا ہے، جس کے مقابل خالص قمری تقویم کا مہینہ جمادی الاولی ۹ ہجری قمری تھا۔ ذی الحجہ ۸ ہجری قمریہ شمسی سے ۱۸ ماہ آگے کو جائیں تو قمریہ شمسی تقویم میں وفات کا مہینہ ربیع الثانی ۱۰ ہجری قمریہ شمسی برآمد ہوگا۔ کیوں کہ ہجرت کا دسواں قمریہ شمسی سال مکبوس (تیرہ مہینوں والا) سال تھا جس کے مقابل عیسوی سال ستمبر ۶۳۱ عیسوی سے اگست ۶۳۲ عیسوی تک رہا۔ حضرت ابراہیم بن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی عیسوی تاریخ ۲۷ جنوری ۶۳۲ عیسوی جیولین ہے کیوں کہ اسی تاریخ کو سورج گرہن ہوا تھا۔ عیسوی ستمبر کو عربوں کی قمریہ شمسی تقویم کے محرم کے مقابل رکھا جائے اور پھر اکتوبر کو محرم کبیسہ (نسی) کے مقابل رکھا جائے تو نومبر، دسمبر اور جنوری کے مہینے بالترتیب صفر، ربیع الاول اور ربیع الثانی قمریہ شمسی کے مقابل ہوں گے۔ پس وفات کا قمریہ شمسی مہینہ ربیع الثانی ۱۰ ہجری قمریہ شمسی ہوا۔ اہل سیر نے ربیع الاول کا مہینہ یا تو غلطی سے لکھا یا بعد میں کسی سے سہوِ کتابت ہوا ہے۔ قاضی منصور پوریؒ کے بیان کے مطابق مواہب لدینہ میں وفات کی تاریخ ۲۸ یا ۲۹ غالباً بتائی ہے۔ پس ابراہیم بن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ذی الحجہ ۸ ہجری قمریہ شمسی مطابق جمادی الاولیٰ ۹ ہجری قمری مطابق اگست ۶۳۰ عیسوی جیولین کی ہے۔ اور یوم وفات کی تاریخ ۲۸ ربیع الثانی ۱۰ ہجری قمریہ شمسی مطابق ۲۸ شوال ۱۰ ہجری قمری مطابق ۲۷ جنوری ۶۳۲ عیسوی جیولین بہ روز سوموار کی ہے۔

چھٹی مثال:

غزوۂ تبوک کے مہینے اہل سیر نے رجب ۹ ہجری سے رمضان ۹ ہجری کے اور ابن حبیب بغدادی نے شوال ۹ ہجری تک کے بیان کئے ہیں اور غزوے کے لئے روانگی کا دن جمعرات بیان کیا گیا ہے۔ (۲۲/ ب) اگر یہاں رجب ۹ ہجری کو خالص قمری تقویم کا لیا جائے تو یکم رجب ۹ ہجری قمری کو عیسوی تاریخ ۱۴ ااکتوبر ۶۳۰ عیسوی بہ روز اتوار کی تھی۔ پس اس صورت میں روانگی ۱۸ ااکتوبر ۶۳۰ عیسوی جیولین بہ روز جمعرات سے پہلے عقلاً ممکن نہیں۔ واپسی رمضان/ شوال ۹ ہجری میں ہوئی۔ اگر یہ خالص قمری تقویم کے مہینے ہوں تو ان کے مقابل عیسوی تقویم کے مہینے بالترتیب دسمبر ۶۳۰ عیسوی اور جنوری ۶۳۱ عیسوی جیولین کے تھے۔ یہ موسم سرما کے مہینے ہیں۔ تبوک میں قیام کے دوران رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اکیدر بن عبدالملک والیٔ دومۃ الجندل کی جانب حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی زیر امارت ایک سریہ روانہ فرمایا تھا۔ جب حضرت خالدؓ وہاں پہنچے تو یہ موسم گرما کی چاندنی رات تھی اور شدید گرمی کی وجہ سے اکیدر بن عبدالملک نصرانی اپنے قلعے کی چھت پر چڑھا ہوا تھا۔ (۲۲/ ج) یہ چاندنی رات ۱۴ شعبان ۹

ہجری کی ہی ممکن ہے۔ اگر اسے خالص قمری تقویم کی تاریخ قرار دیا جائے تو اس کے مقابل عیسوی تاریخ ۲۵ نومبر ۶۳۰ عیسوی جیولین بنتی ہے۔ یہ تو سردی کا موسم ہے۔ اس موسم میں بھلا اتنی گرمی کیسے ہوگئی تھی کہ اکیدر کو اپنے قلعے کی چھت پر جانا پڑا ہو۔ نیز اہل سیر کی روایات اور محدثین کرام سے مروی احادیث میں بھی اسے موسم گرما کا غزوہ قرار دیا گیا ہے جب کہ قحط سالی کا زمانہ تھا، کھجور کی فصل پکنے کے مراحل میں تھی، سفر دور دراز کا تھا اور دشمن (ہرقل قیصر روم) نہایت طاقت ور تھا اس لئے منافقین مسلمانوں کو اس غزوے میں شرکت سے روکتے تھے۔ سورۂ توبہ میں ہے: **وقالوا لاتنفروا فی الحر قل نار جھنم اشد حرا** (۲۳/ الف) ''اور وہ (منافقین) کہتے ہیں کہ تم گرمی میں کوچ نہ کرو، (اے پیغمبر!) تو کہہ دے کہ جہنم کی آگ تو کہیں زیادہ گرم ہے''۔ الغرض قرآن کریم سے بھی اس کی بھرپور تصدیق ہوگئی کہ یہ غزوۂ تبوک موسم گرما کا واقعہ ہے۔ ادھر اگر مؤرخین کی بیان کردہ توقیت کو خالص قمری تقویم کا لیا جائے تو غزوۂ تبوک کے مہینے موسم سرما کے برآمد ہوتے ہیں جیسا کہ ہم ابھی پر واضح کر چکے ہیں۔ ان مہینوں میں نہ تو شدید گرمی ہوتی ہے اور نہ ہی یہ کھجور کی فصل کے پکنے کے مہینے ہیں بل کہ کھجور کی فصل تو جولائی اور اگست کے مہینوں تک گھروں میں آجاتی ہے، لہٰذا قحط سالی کا بھی کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا۔ پس لامحالہ غزوۂ تبوک کے مذکورہ مہینے ہرگز خالص قمری تقویم کے نہیں ہوسکتے بل کہ یہ قمریہ شمسی تقویم کے مہینے ہیں۔ اگر محرم قمریہ شمسی کو عیسوی ستمبر کے مقابل رکھا جائے تو رجب سے رمضان قمریہ شمسی تک کے مہینے بالترتیب مارچ، اپریل اور مئی کے مقابل ہوتے ہیں جو بہار اور پھر شدید گرمی کے مہینے ہیں۔ کھجور کی فصل واقعی ان مہینوں میں پک رہی ہوتی ہے۔ اور ان مہینوں میں کسی سال میں قحط سالی کا ہونا بھی عین قرین فہم ہے۔ ۱۱ مارچ ۶۳۱ عیسوی جیولین کو خالص قمری تقویم میں تاریخ یکم ذی الحجہ ۹ ہجری قمری تھی۔ پس غزوۂ تبوک کے خالص قمری تقویم کے مہینے ذی الحجہ ۹ ہجری قمری، محرم وصفر ۱۰ ہجری قمری کے ہوئے۔ یوں غزوۂ تبوک کے مہینے رجب تا رمضان ۹ ہجری قمریہ شمسی مطابق ذی الحجہ ۹ ہجری قمری، محرم وصفر ۱۰ ہجری قمری مطابق مارچ تا مئی ۶۳۱ عیسوی جیولین کے ہیں۔ غزوۂ تبوک کے مہینوں کا قمریہ شمسی ہونا خوب واضح ہو چکا۔ رمضان ۹ ہجری قمریہ شمسی/صفر ۱۰ ہجری قمری/مئی ۶۳۱ عیسوی جیولین میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ تبوک سے واپس تشریف لائے تو ثقیف کے وفد نے وسط رمضان (قمریہ شمسی) میں اسلام قبول کیا تو انہوں نے رمضان (قمریہ شمسی) کے باقی ماندہ ایام کے روزے پورے کئے۔ (۲۳/ ب) اس سے معلوم ہوا کہ ۹ ہجری قمریہ شمسی میں بھی روزے قمریہ شمسی رمضان میں رکھے گئے تھے۔ اس سے پہلے گزشتہ مباحث میں یہ واضح کیا جاچکا ہے کہ سال ۲ ہجری قمریہ شمسی اور سال ۸ ہجری قمریہ شمسی میں بھی غزوۂ بدر اور فتح مکہ کے ایام

میں روزے قمریہ شمسی رمضان میں ہی رکھے گئے تھے۔ یعنی مدنی دورِ نبوی میں رمضان کے روزے قمری تقویم کے رمضان میں نہیں بل کہ قمریہ شمسی رمضان میں رکھے گئے اس کے بعد حجۃ الوداع کے موقع پر قمریہ شمسی تقویم کو ہمیشہ کے لئے منسوخ کر دیا گیا، لہٰذا اس کے بعد سے رمضان کے روزوں سمیت تمام شرعی احکام کی ادائیگی کا دارومدار خالص قمری تقویم پر رکھا گیا۔

ساتویں مثال:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ۱۰ ہجری میں یمن کی جانب دو سرایا روانہ فرمائے۔ ایک سریے کے امیر حضرت علیؓ اور دوسرے کے امیر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم یہ تھا کہ اگر جنگ کی نوبت آ جائے تو دونوں لشکروں کی کمان حضرت علیؓ سنبھالیں گے۔ (۲۳/ ج) اہل سیر نے حضرت علیؓ کی زیر امارت سریہ کا مہینہ رمضان ۱۰ ہجری اور حضرت خالدؓ کی زیر کمان سریہ کا مہینہ ربیع الاول ۱۰ ہجری لکھا ہے۔ (۲۴/ الف) ظاہر ہے کہ ان دونوں سرایا کے یہ مہینے ایک ہی تقویم کے نہیں ہو سکتے۔ ربیع الاول اور رمضان میں تو چھ ماہ کا فرق ہے، اس لئے بہ صورتِ قتال دونوں لشکر یک جا کیسے ہو سکتے تھے۔ خالص قمری تقویم میں رمضان ۱۰ ہجری قمری کے مقابل عیسوی تقویم کا مہینہ دسمبر ۶۳۱ عیسوی جیولین تھا۔ سال ۱۰ ہجری قمریہ شمسی حسبِ قواعد ایک مکبوس (تیرہ مہینوں والا) سال تھا۔ اگر عیسوی ستمبر کو عربوں کی قمریہ شمسی تقویم کے محرم کے مقابل رکھا جائے اور پھر اکتوبر کو محرم کبیسہ (نسی) کے مقابل رکھا جائے تو دسمبر کا مہینہ مکبوس سالوں میں ٹھیک ربیع الاول قمریہ شمسی کے مقابل ہوگا۔ پس یہ دونوں سرایا ایک ہی مہینے کے ہیں۔ اہل سیر نے سریہ خالدؓ بن ولید کی توقیت قمریہ شمسی تقویم میں اور سریہ علیؓ بن ابی طالب کی توقیت خالص قمری تقویم میں کر دی۔

دیگر بہت سے واقعات کی توقیت کا علم ہمیں یوں بھی ہوتا ہے کہ ہر سال کی قمری، قمریہ شمسی اور ان کے مقابل عیسوی تواریخ اور مہینوں کی جدول تیار کی جائے۔ اس کا آسان طریقہ یہ ہے کہ دورِ نبوی کے عیسوی سالوں میں ۲۷ اگست سے ۲۶ ستمبر کی تواریخ کے درمیان جس عیسوی تاریخ کو قمری مہینے کی پہلی تاریخ ہو تو اس کے مقابل خالص قمری تقویم کا مہینہ دیکھا جائے اور اس قمری مہینے کے مقابل محرم قمریہ شمسی کو رکھتے ہوئے جدول بنائی جائے۔ اس مقصد کے لئے کسی بھی معتبر تقویم سے کام لیا جا سکتا ہے، جس میں قمری مہینوں کی پہلی تاریخ کے مقابل عیسوی مہینوں کی تاریخ دی گئی ہو۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ قمری ہجری تقویم کو عیسوی جیولین میں اور عیسوی جیولین کو قمری ہجری میں تبدیل کرنے کے حسابی قواعد و کلیات (فارمولے) وضع کئے جائیں اور ان کے ذریعے تقابلی جدول تیار کی جائے۔ تیسرا طریقہ یہ ہے کہ کسی بھی

معتبر رصد گاہ مثلاً گرین وچ کی برطانوی رصدگاہ سے ہر قمری مہینے کے متعلق ولادتِ قمر یعنی اجتماع شمس وقمر کے اوقات اور عیسوی تواریخ حاصل کی جائیں، اور ان کی مدد سے ہر قمری مہینے کی پہلی تاریخ کا تعین کیا جائے۔ ہم نے اس طرح کے تمام کلیات، رصد گاہی اوقات، متعلقہ تقابلی وتوقیتی جداول شش ماہی مجلہ ''السیرۃ عالمی'' کے متعلقہ شماروں میں پیش کردی ہیں۔ (۲۴/ ب) یہاں ہم قارئین کرام کی سہولت کے لئے سال ۹، اور ۱۰ ہجری قمری کے متعلقہ مہینوں کے مقابل قمریہ شمسی مہینوں اور عیسوی تواریخ کی تقابلی جدول مولانا عبدالقدوس ہاشمیؒ کی تقویم تاریخی کی مدد سے تیار کرتے ہیں۔ تقویم تاریخی میں دی گئی جدول نقل کرکے اس کے بائیں جانب قمریہ شمسی تقویم کا نیا خانہ ہم اپنی طرف سے بڑھاتے ہیں، تاکہ تینوں تقاویم قمری، عیسوی اور قمریہ شمسی کا تقابل ہوسکے:

یکم ماہ قمری ہجری	روز	۶۳۰ء	یکم ماہ قمریہ شمسی ہجری (نیا خانہ)
محرم ۹ ہجری	جمعہ	۲۰ اپریل ۶۳۰ء	شعبان ۸ ہجری قمریہ شمسی
صفر ۹ ہجری	شنبہ	۲۰ مئی	رمضان ۸ ہجری قمریہ شمسی
ربیع الاول ۹ ہجری	دوشنبہ	۱۸ جون	شوال ۸ ہجری قمریہ شمسی
ربیع الثانی ۹ ہجری	چہارشنبہ	۱۸ جولائی	ذی قعدہ ۸ ہجری قمریہ شمسی
جمادی الاولیٰ ۹ ہجری	پنج شنبہ	۱۶ اگست	ذی الحجہ ۸ ہجری قمریہ شمسی
جمادی الاخریٰ ۹ ہجری	شنبہ	۱۵ ستمبر	محرم ۹ ہجری قمر شمسی
رجب ۹ ہجری	یک شنبہ	۱۴ اکتوبر	صفر ۹ ہجری قمریہ شمسی
شعبان ۹ ہجری	سہ شنبہ	۱۳ نومبر	ربیع الاول ۹ ہجری قمریہ شمسی
رمضان ۹ ہجری	چہارشنبہ	۱۲ دسمبر	ربیع الثانی ۹ ہجری قمریہ شمسی
شوال ۹ ہجری	جمعہ	۱۱ جنوری ۶۳۱ء	جمادی الاولیٰ ۹ ہجری قمریہ شمسی
ذی قعدہ ۹ ہجری	شنبہ	۹ فروری	جمادی الاخریٰ ۹ ہجری قمریہ شمسی
ذی الحجہ ۹ ہجری	دوشنبہ	۱۱ مارچ	رجب ۹ ہجری قمریہ شمسی
محرم ۱۰ ہجری	سہ شنبہ	۱۹ اپریل	شعبان ۹ ہجری قمریہ شمسی
صفر ۱۰ ہجری	پنج شنبہ	۹ مئی	رمضان ۹ ہجری قمریہ شمسی
ربیع الاول	جمعہ	۷ جون	شوال ۹ ہجری قمریہ شمسی

مذکورہ بالا جدول کو غور سے دیکھئے۔ ۱۵ ستمبر ۶۳۰ عیسوی کے مقابل خالص قمری تقویم کا مہینہ جمادی

الاخریٰ ۹ ہجری قمری ہے۔ پس اسی کے مقابل ہم نے قمریہ شمسی تقویم کے محرم ۹ ہجری قمریہ شمسی کو رکھا تو صاف ظاہر ہے کہ اس سے اوپر کے خانوں میں عمودی سمت میں ۸ ہجری قمریہ شمسی کے اور اس سے نیچے عمودی سمت میں ۹ ہجری قمریہ شمسی مہینے شوال ۹ ہجری قمریہ شمسی تک درج ہوئے۔ یوں محرم ۹ ہجری قمری تا ربیع الاول ۱۰ ہجری قمری کے مقابل قمریہ شمسی تقویم کے مہینے شعبان ۸ ہجری قمریہ شمسی تا شوال ۹ ہجری قمریہ شمسی ہوئے۔ اب دیکھئے کہ اکثر اہل سیر نے غزوۂ تبوک کے مہینے رجب سے رمضان ۹ ہجری تک کے اور ابن حبیب بغدادی نے شوال ۹ ہجری تک کے بیان کئے ہیں۔ یہ غزوہ موسم گرما کا ہے جس میں کھجور کی فصل پکنے کے مراحل میں تھی۔ ہم اگر ان مہینوں کو خالص قمری تقویم کا سمجھیں تو یہ اس لئے غلط ہے کہ جدول مذکورہ بالا میں رجب ۹ ہجری قمری سے شوال ۹ ہجری قمری کے مقابل عیسوی تواریخ اکتوبر ۶۳۰ عیسوی سے جنوری ۶۳۱ عیسوی کے مہینوں کی ہیں۔ یہ تو موسم سرما کے مہینے ہیں۔ پس ہمیں جدول میں قمریہ شمسی تقویم کو دیکھنا ہوگا۔ اس میں رجب ۹ ہجری قمریہ شمسی سے شوال ۹ ہجری قمریہ شمسی کے مہینوں کے مقابل عیسوی تواریخ مارچ سے جون ۶۳۱ عیسوی تک کے مہینوں کی ہیں۔ یعنی جدول کے ذریعے غزوۂ تبوک کے مہینوں کا قمریہ شمسی ہونا واضح ہوگیا۔

مزید دیکھئے کہ اہل سیر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحب زادی اور حضرت عثمانؓ ذوالنورینؓ کی اہلیہ محترمہ حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کے انتقال کا مہینہ شعبان ۹ ہجری لکھا ہے۔ (۲۴/ ج) ان کا جنازہ مدینہ منورہ میں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھایا تھا۔ پس یہ شعبان قمریہ شمسی تقویم کا ہرگز نہیں ہوسکتا، کیوں کہ رجب ۹ ہجری قمریہ شمسی میں تو آپ غزوۂ تبوک کے لئے روانہ ہو چکے تھے اور شعبان ۹ ہجری قمریہ شمسی کا پورا مہینہ تو تبوک کی مہم میں گزرا، لہٰذا حضرت ام کلثومؓ کے انتقال کا شعبان ۹ ہجری خالص قمری تقویم کا ہی ہوسکتا ہے۔ ہم جدول میں دیکھیں تو شعبان ۹ ہجری قمری کے مقابل عیسوی مہینہ نومبر کا اور قمریہ شمسی مہینہ ربیع الاول ۹ ہجری قمریہ شمسی کا ہے۔ اہل سیر نے ان کے انتقال کی توقیت خالص قمری تقویم میں کی ہے۔ یوں انتقال کا مہینہ ربیع الاول ۹ ہجری قمریہ شمسی مطابق شعبان ۹ ہجری قمری مطابق نومبر ۶۳۰ عیسوی جیولین ہے۔ ہمیں معلوم ہے کہ غزوۂ حنین شدید موسم گرما کا غزوہ ہے اس سے پہلے فتح مکہ کا واقعہ بھی موسم گرما کا ہے۔ اہل سیر نے فتح مکہ کی تاریخ ۲۰ رمضان ۸ ہجری اور دن جمعہ لکھا ہے۔ بہ مطابق جدول یکم رمضان ۸ ہجری قمریہ شمسی کو عیسوی تاریخ ۲۰ مئی ۶۳۰ عیسوی اور دن یک شنبہ (اتوار) تھا۔ پس ۲۰ رمضان ۸ ہجری قمریہ شمسی کو عیسوی تاریخ ۸ جون ۶۳۰ عیسوی جیولین اور دن ٹھیک جمعے کا ہی ہوا۔ اس کے مقابل بہ مطابق جدول خالص قمری تقویم کی تاریخ ۲۰ صفر ۹ ہجری قمری تھی۔ غزوۂ حنین کے لئے روانگی

کی تاریخ اہل سیر نے ۶ شوال ۸ ہجری اور دن ہفتہ لکھا ہے۔ یہ مطابق جدول یکم شوال ۸ ہجری قمریہ شمسی کو عیسوی تاریخ ۱۸ جون ۶۳۰ عیسوی جیولین اور دن دوشنبہ (سوموار) تھا۔ پس ۶ شوال ۸ ہجری قمریہ شمسی کو تاریخ ۲۳ جون ۶۳۰ عیسوی جیولین اور دن ٹھیک ہفتہ ہی ہوا۔ اس کے مقابل جدول کے مطابق خالص قمری تقویم کی تاریخ ۶ ربیع الاول ۹ ہجری قمری ہوئی۔ اس سے معلوم ہوا کہ جب قمریہ شمسی اور قمری تقویم کے مہینوں کا تقابل کیا جائے تو نہ صرف یہ کہ اکثر و بیشتر صورتوں میں دونوں تقاویم کے مہینے ایک دوسرے سے یک سر مختلف ہوں گے بل کہ بعض صورتوں میں قمریہ شمسی اور قمری سال کا بھی فرق ہوگا۔ اس جدول اور بعض متعلقہ مثالوں سے یہ معلوم ہوا کہ متعلقہ جدول اور واقعات کی موسمی تصریحات اور دیگر متعلقہ شواہد و قرائن سے مطابقت کے بعد ہم ان کی توقیت کو بہ آسانی معلوم کر سکتے ہیں اور یہ پتہ چلا سکتے ہیں کہ اہل سیر نے کس واقعے کی توقیت قمریہ شمسی تقویم میں اور کس کی خالص قمری تقویم میں اور کون سے واقعات کی دونوں تقاویم میں کی ہے۔ نیز واقعات کی زمنی ترتیب سے بھی ہم انہیں قمریہ شمسی یا قمری تقویم سے منسلک کر سکتے ہیں۔ کام گو مشکل سہی لیکن ناممکن ہرگز نہیں ہے۔ جیسا کہ بعض حضرات نے سمجھ رکھا ہے۔ ہم نے ششماہی مجلے السیرۃ عالمی کے متعلقہ شماروں میں سیرت طیبہ کے تمام واقعات وحوادث کے متعلق مکمل توقیتی مباحث پیش کر دیئے ہیں۔

۱۰۔ سوال نمبر ۱۰:

مذکورہ بالا مباحث سے معلوم ہو رہا ہے کہ دور نبوی میں روزے قمری رمضان میں نہیں بل کہ قمریہ شمسی رمضان میں رکھے گئے۔ حال آں کہ قمریہ شمسی رمضان کے مقابل قمری تقویم کا رمضان نہیں تھا بل کہ بدل بدل کر اور قمری مہینے اس کے مقابل آتے رہے۔ یہاں سنگین اشکال یہ پیش آتا ہے کہ قمریہ شمسی تقویم تو نسی پر مبنی تھی اور نسی کو سورۂ توبہ میں ''کفر میں زیادتی'' قرار دیا گیا ہے۔ نیز دور نبوی میں لیلۃ القدر کیا قمریہ شمسی رمضان میں آتی رہی؟۔ یہ قمریہ شمسی تقویم ابتدا میں ہی کیوں نہ منسوخ کر دی گئی؟

جواب:۔ مذکورہ بالا اشکلات بہ ظاہر خاصے سنگین نظر آتے ہیں۔ ہمارے نزدیک ان کی مناسب توجیہات اور معقول توضیحات حسب ذیل ہیں:

۱۔ مدنی دور نبوی میں خالص قمری رمضان موسم سرما کے مقابل رہا۔ روزے ۲ ہجری میں فرض ہوئے۔ خالص قمری تقویم میں یکم رمضان ۲ ہجری قمری کے مقابل عیسوی تاریخ ۲۶ فروری ۶۲۴ عیسوی جیولین، یکم رمضان ۸ ہجری قمری کے مقابل عیسوی تاریخ ۲۲ دسمبر ۶۲۹ عیسوی جیولین اور یکم رمضان ۹

ہجری قمری کے مقابل عیسوی تاریخ ۱۲ دسمبر ۶۳۰ عیسوی جیولین اور یکم رمضان ۱۰ ہجری قمری کے مقابل عیسوی تاریخ یکم دسمبر ۶۳۱ عیسوی جیولین تھی۔ اگر قمریہ شمسی تقویم کو مدنی دور کی ابتدا ہی میں منسوخ کر دیا جاتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب مدنی دور نبوت میں لازماً موسم سرما میں ہی خالص قمری رمضان کے روزے رکھتے اور مخالفین اسلام کو یہ کہنے کا موقع مل جاتا کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو روزے موسم سرما میں رکھے، لیکن امت مسلمہ کو موسم گرما میں بھی روزے رکھنے کا (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ) ناحق پابند کر گئے، کیوں کہ قمری رمضان دیگر قمری مہینوں کی طرح کوئی ۳۳ قمری سالوں میں تمام موسموں گرما سرما بہار اور خزاں سے گزرتا ہے۔ چناں چہ یہ لغو اعتراض ولیم میور جیسے متعصب شرق شناسوں نے کیا بھی ہے۔ چوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مبارکہ کو پوری امت کے لئے اسوۂ حسنہ قرار دیا گیا ہے، لہٰذا دور نبوی میں قمریہ شمسی تقویم کو حجۃ الوداع تک منسوخ نہیں کیا گیا۔ قمریہ شمسی رمضان ہمیشہ مئی/ جون کے مقابل ہوا کرتا تھا۔ یعنی قمریہ شمسی رمضان ہمیشہ موسم گرما میں آیا کرتا تھا جیسا کہ اس کے مادہ ''رمض'' سے بھی واضح ہو رہا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب نے نہ صرف روزے شدید گرمی میں رکھے بل کہ دور نبوی کے قمریہ شمسی رمضان میں غزوۂ بدر، فتح مکہ اور غزوۂ تبوک جیسے اہم واقعات بھی پیش آئے۔ غزوۂ بدر کی تاریخ ۱۷ رمضان ۲ ہجری قمریہ شمسی مطابق یکم ذی الحجہ ۲ ہجری قمری مطابق ۲۵ مئی ۶۲۴ عیسوی جیولین کی ہے۔ اس کے بعد یکم شوال ۲ ہجری قمریہ شمسی مطابق یکم ذی الحجہ ۲ ہجری قمری مطابق ۲۵ مئی ۶۲۴ عیسوی جیولین بہ روز جمعۃ المبارک مدینہ منورہ میں پہلی عید الفطر منائی گئی۔ عید کے روز بھی غزوۂ قرقرۃ الکدر کے لئے روانگی ہوئی۔ الغرض مدنی دور نبوی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام نے سخت گرمی میں روزے رکھے اور حسب ضرورت اور حسب موقع دشمنوں کے خلاف مسلح جہاد بھی کیا۔ ان دنوں شدید گرمی سے بچاؤ اور تحفظ کے لئے دور جدید کی سہولتیں اغنیا کو بھی میسر نہ تھیں، لہٰذا مخالفین اسلام کا اعتراض غلط ہے۔

۲۔ اس دور میں پورے عرب معاشرے میں حرمت والے مہینے (ذی قعدہ، ذی الحجہ، محرم اور رجب) قمریہ شمسی تقویم کے ہی شمار میں لائے جاتے تھے۔ یہ ایسے امن والے مہینے سمجھے جاتے تھے جن میں باپ کے قاتل تک کا بھی تعاقب نہیں کیا جاتا تھا۔ اگر دور نبوی میں قمریہ شمسی تقویم ابتدائی مراحل میں منسوخ کر دی جاتی تو مشرکین اور مسلمانوں کے اشہر حُرم میں زبردست تفاوت پیدا ہو جاتا۔ مشرکین مسلمانوں کی خالص قمری تقویم کے اشھر حُرم کا قطعاً لحاظ نہ کرتے۔ وہ تو اسلام دشمنی میں قمریہ شمسی تقویم کے اشھر حُرم میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کو کسی نہ کسی بہانے سے ایذا پہنچانے کے

مواقع کی تلاش میں رہتے تھے۔ مثلاً مکی دور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شوال ۱۰ نبوی کے اواخر میں طائف کا تبلیغی سفر فرمایا، تا کہ ذی قعدہ کے محفوظ اور حرمت والے مہینے میں اہل طائف کو دعوتِ حق دی جا سکے۔ اہل طائف نے آپ کو ایذا پہنچانے کے لئے غلاموں اور بچوں کو آپ کے پیچھے لگا دیا اور انہوں نے آپ پر اس قدر سنگ باری کی کہ آپ شدید زخمی ہو گئے۔ اہل طائف نے ایذا رسانی کا یہ خبیث انداز اس لئے اپنایا کہ ان کے بڑوں پر ذی قعدہ کے حرمت والے مہینے کی بے حرمتی کا الزام بھی عائد نہ ہو اور ان کے خبیث مقصد کی تکمیل بھی اس بہانے کے تحت ہو جائے کہ یہ کارروائی تو صرف غلاموں اور نوخیز بچوں کی تھی۔ ہم نے تو حرمت والے مہینے کے احترام کو ملحوظ رکھا ہے۔ پس اگر قمریہ شمسی تقویم کو آغاز میں ہی منسوخ کر دیا جاتا تو مسلمانوں کے مشرکین سے معاشرتی روابط منقطع ہو جاتے اور امن وامان کے مفقود ہونے کی بنا پر ان کو دعوتِ اسلام دینے میں سخت دشواری پیش آتی اور انہیں یہ بہانہ مل جاتا کہ چوں کہ مسلمان ہماری قمریہ شمسی تقویم کو تسلیم ہی نہیں کرتے تو ہم بھی مسلمانوں کی قمری تقویم اور اس کے اشھر حُرم کو محوظ نہیں رکھتے۔ قبیلہ عبدالقیس کا جو تیرہ یا چودہ رکنی وفد ۴ ہجری میں مدینے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو وفد کے ارکان نے کہا کہ ہم مدینہ منورہ میں آپ کی خدمت میں صرف حرمت والے مہینوں میں ہی حاضر ہو سکتے ہیں، کیوں کہ قبائل مُضر ہمیں آپ تک پہنچنے نہیں دیتے۔ (۲۵/ الف) مکی دور میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم اَشھُرِ حج میں حج کے لئے آنے والے مختلف قبائلِ عرب کے پاس خود پہنچ کر انہیں دعوتِ اسلام دیتے تھے۔ کیوں کہ ذی قعدہ اور ذی الحجہ کے ان حرمت والے مہینوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے آپ کو اور اپنے ساتھیوں کو بڑی حد تک محفوظ و مامون سمجھتے تھے۔

۳۔ دور نبوی میں قمریہ شمسی رمضان میں روزے رکھنا بالکل ایسے ہی خالص قمری رمضان میں روزے رکھنے کے مترادف ہے، جیسے قبلۂ اول بیت المقدس کی طرف منہ کر کے کوئی ڈیڑھ سال تک نمازیں پڑھنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کے لئے خانہ کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کے برابر بل کہ اس سے بھی افضل قرار پایا کہ قبلۂ اول کی طرف منہ کر کے نمازیں پڑھنے والوں کو اللہ تعالیٰ نے یہ بشارت سنائی: وما كان الله ليضيع ايمانكم ان الله بالناس لرئوف رحيم (۲۵/ ب) ''اور اللہ ایسا نہیں ہے کہ تمہارے ایمان کو ضائع کر دے، بے شک اللہ لوگوں پر نہایت ہی مشفق (اور) مہربان ہے''۔ متعلقہ آیت کے اس حصے میں اللہ تعالیٰ نے ان حضرات کو ارتداد سے محفوظ رہنے اور ان کے ایمان کو تا ابد محفوظ و مامون اور قائم و دائم رکھنے کی ضمانت عطا فرما دی۔ یہاں ایمان سے اگر نماز مراد لی جائے تو بھی بشارت اس لئے خلل پذیر نہیں ہوتی کہ مرتد ہونے والے اور اسی طرح عام منافق اور کافر کی تمام

ظاہری نیکیاں برباد ہو جاتی ہیں۔ کسی بھی نیکی کے اجر کو باقی رکھنے کی ضمانت و بشارت یقیناً ایمان کے بقا ودوام کی ضمانت و بشارت کو بھی لازماً شامل ہے۔ منافق کا ایمان چوں کہ ہوتا ہی نہیں اس لئے مذکورہ بشارت کا مضمون منافقین پر چسپاں ہوتا ہی نہیں۔ تحویل قبلہ سے پہلے اگر کوئی خانہ کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتا تو ہرگز قبول نہ ہوتی حال آں کہ کعبہ کی فضیلت بیت المقدس سے کہیں زیادہ ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ کسی متبرک مقام یا وقت کی برکت سے لوگوں کا مستفید ہونا اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل پر موقوف ہے، کیوں کہ زمان و مکان دونوں کا خالق اللہ تعالیٰ ہی ہے اور کسی بھی جگہ یا وقت کی فضیلت ذاتی نہیں بل کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے۔ چناں چہ اگر دور نبوی میں کوئی مسلمان خالص قمری تقویم کے رمضان میں روزے رکھتا تو ہرگز قبول نہ کئے جاتے کیوں کہ شرعی مقاصد کے لئے قمریہ شمسی تقویم ہی چل رہی تھی۔ پس بعض حضرات کے اس اعتراض میں قطعاً کوئی وزن نہیں کہ کیا اللہ تعالیٰ اپنے مستقل احکام کو بندوں کے بنائے ہوئے قاعدے کے مطابق تبدیل بھی کر دیتا ہے اور اگر روزے دور نبوی میں قمریہ شمسی تقویم میں تھے تو کیا اللہ تعالیٰ نے رمضان کی برکات اور لیلۃ القدر میں فرشتوں کے نزول کو بھی واقعی اسی کے مطابق تبدیل کر دیا تھا؟ یہاں غور کرنا چاہیے کہ جب شارع خود اللہ تعالیٰ ہے تو وہ اپنے کسی حکم کو جب چاہے عبوری مدت کے لئے تبدیل کر دے اور جب چاہے اسے حسب سابق بہ حال کر دے، اس میں آخر کون سا عقلی اشکال ہے؟

غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہاں اللہ تعالیٰ نے کسی چیز کو نہیں بدلا بل کہ دور جاہلیت کی بہت سی خرابیوں کو کم و بیش عبوری مدت کے لئے لوگوں کے معاشرتی حالات کے مطابق بہ حال رکھا گیا پھر بہ تدریج مناسب مواقع پر ان کی اصلاح کی گئی۔ مثلاً شراب، جوئے اور سود کو پورے تیرہ سالہ مکی دور رسالت میں اور پھر مدنی دور کے ابتدائی حصے میں بھی برداشت کیا گیا۔ یوں حسب موقع ان کی ممانعت کر دی گئی یعنی لوگوں کو بعض احکام شریعت کا پابند کرنے کے لئے تدریج اور تسہیل سے کام لیا گیا۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے دور جاہلیت کی نسی کی رسم کو سورۂ توبہ میں ''کفر میں زیادتی'' قرار دیا ہے۔ (۲۵/ ج) تو غور کیجیے کہ شراب، جوئے اور سود سے ایمان میں بھلا کون سا اضافہ ہوتا ہے؟ جس طرح شراب، جوئے اور سود کو بہ وجوہ سال ہا سال تک بہ حال رکھا گیا، اسی طرح نسی والی (قمریہ شمسی) تقویم کو بھی حجۃ الوداع تک بہ حال رکھنا ایک ناگزیر ضرورت تھی۔ مشرکین نسی پر مبنی قمریہ شمسی تقویم کے ذریعے حرمت والے مہینوں اور اشہر حج کو ان کے اصل ٹھکانے سے بدل ڈالتے تھے اور سال ہا سال کے بعد دو تین سالوں کے لئے یہ مہینے اپنے اصل وقت پر آتے بھی تھے تو نسی کے اس عمل سے پھر اپنی جگہ سے سال ہا سال کے لئے ٹل جاتے تھے۔ مشرکین کا حج

اور عمرہ اسی قمریہ شمسی تقویم کے مطابق ہوا کرتا تھا۔ چوں کہ مشرکین اسے اعتقاداً درست سمجھتے تھے اس لئے نسی کو کفر (کے کاموں) میں اضافہ قرار دیا گیا بعینہ جیسے شراب، جوا اور سود وغیرہ بھی کفر (کے کاموں) میں اضافہ ہی ہیں نہ کہ ان سے (معاذ اللہ) ایمان میں کوئی اضافہ ہوتا ہے۔ مسلمان قمریہ شمسی تقویم کو اس دور کے حالات کے مطابق بہ حال رکھنے پر مجبور تھے نہ یہ کہ وہ اعتقاداً رسم نسی کو کوئی پسندیدہ عمل قرار دیتے تھے۔ اسی لئے شرعی مقاصد کے لئے ۹ ہجری میں حج ابی بکر صدیق تک اسے بہ حال رکھا گیا اور سود کی طرح رسم نسی بھی ہمیشہ کے لئے ممنوع ہوگئی۔ اور شرعی مقاصد کے لئے خالص قمری تقویم قیامت تک کے لئے نافذ العمل ہوگئی۔ حج ۹ ہجری میں فرض ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کی زیر امارت کوئی تین سو صحابہ کرامؓ کو حج پر روانہ فرمایا۔ یہ حج ٹھیک قمری تقویم کے ذی الحجہ میں ہوا، حال آں کہ اس سے پہلے یہ قمریہ شمسی تقویم میں ہوا کرتا تھا جو کوئی ۲۰۰ قبل ہجرت سے عربوں میں رائج چلی آ رہی تھی۔ البتہ اس خالص قمری ذی الحجہ کے مقابل قمریہ شمسی تقویم کا مہینہ رجب تھا جسے مشرکین نے عمرے کے لئے مخصوص کر رکھا تھا۔ عمرے کو وہ حج اصغر کہا کرتے تھے اور ذی الحجہ کو حج اکبر کہا جاتا تھا۔ یعنی سال ۹ ہجری میں حسن اتفاق سے ذی الحجہ قمری میں مسلمانوں کا حج اکبر اور رجب قمریہ شمسی میں مشرکین کا حج اصغر اکٹھے ہو گئے تھے۔ اگرچہ عمرے میں عرفات میں قیام نہیں ہوا کرتا لیکن مسلمانوں کو کوئی دو سو برس کے بعد خالص قمری تقویم کے ذی الحجہ میں حج کرتے دیکھنا مشرکین کے لئے حیرت اور تجسس کا باعث تھا۔ یوں حضرت ابوبکر صدیقؓ کو ۹ ہجری قمری کے قمری ذی الحجہ میں مشرکین سے اس اعلانِ برأت کا بھی موقع میسر آیا، جس کا ذکر سورہ توبہ کی ابتدائی آیات میں ہے۔ اس موقع پر سورہ توبہ کی تیس سے چالیس تک آیات کی تلاوت بھی کی گئی۔ آیتِ نسی جس میں نسی کی مذمت وارد ہے، اس سورت کی ۳۷ ویں آیت ہے، جس سے یہ بھی ثابت ہو رہا ہے کہ حج ابی بکر خالص قمری تقویم کے ذی الحجہ میں ہوا اور نہ یہ کیسے ممکن ہے کہ جس نسی کی مذمت کی جارہی ہو اسی پر مبنی قمریہ شمسی تقویم کے قمریہ شمسی ذی الحجہ میں یہ حج ہوا ہو۔ لہٰذا بعض مفسرین کا یہ خیال قطعاً غلط ہے کہ یہ قمریہ شمسی ذی الحجہ تھا اور اس کے مقابل خالص قمری تقویم کا مہینہ ذی قعدہ کا تھا اور یہ خیال بھی قطعاً غلط ہے کہ حج ابی بکر کے موقع پر یا اس سے اگلے سال حجۃ الوداع کے موقع پر قمریہ شمسی اور قمری ذی الحجہ ایک دوسرے کے مقابل آ گئے تھے۔ ہم نے سابقہ سطور میں سوال نمبر ۶ کے جواب میں اس کی پوری تردید کر دی ہے۔ حج ابی بکر کے بعد ۱۰ ہجری قمری میں حجۃ الوداع بھی ٹھیک قمری تقویم کے ذی الحجہ میں ہوا۔ چوں کہ سال ۱۰ ہجری قمریہ شمسی مکبوس (تیرہ مہینوں والا) سال تھا اس لئے اس سال قمری ذی الحجہ کے مقابل قمریہ شمسی تقویم کا مہینہ رجب نہیں بل کہ جمادی الاخریٰ تھا۔ بالفرض رجب قمریہ شمسی بھی اس کے

مقابل ہوتا تو چوں کہ حج ابی بکر کے موقع پر مشرکین کے خلاف اعلان برأت ہو چکا تھا، جس کی رو سے وہ عمرے کے لئے نہیں آ سکتے تھے بل کہ اس موقع پر تو قمریہ شمسی تقویم اور رسم نسی کا خاتمہ کر دیا گیا۔ اس وقت تک پورے جزیرۃ العرب میں اسلام غالب اور کفر مغلوب ہو چکا تھا اور حجۃ الوداع میں شرکا کی تعداد ایک لاکھ سے بھی کئی ہزار اوپر تھی تو قمریہ شمسی تقویم کی منسوخی کے اعلان کا یہی بہترین موقع اور وقت تھا۔

۴۔ الغرض دور نبوی میں روزے خالص قمری تقویم کے رمضان کی بہ جائے قمریہ شمسی تقویم کے رمضان میں رکھے گئے۔ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ مدنی دور نبوی میں اللہ تعالیٰ نے لیلۃ القدر کو قمریہ شمسی رمضان میں رکھا، کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ نے نہ صرف سخت گرمی میں روزے رکھے بل کہ جہاد اور دیگر دینی فرائض بھی اسی قمریہ شمسی رمضان میں بجالاتے رہے۔ عام اسباب کا تو کیا ذکر، گرمی سے بچاؤ کے لئے اس دور کے اغنیا کو بھی دور جدید کی سہولتیں میسر نہ تھیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کا اپنے رسول اور صحابہ کرام پر خاص الخاص فضل و کرم ہوا کہ اس دور میں لیلۃ القدر کو بھی قمریہ شمسی رمضان میں رکھ دیا گیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ لیلۃ القدر کا ہر سال خالص قمری رمضان میں ہونا ہرگز ضروری نہیں۔ صحابہ کرامؓ میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جیسے حضرات کا شمار نہایت پرہیز گار عالم و فاضل اور فقیہ اصحاب میں ہوتا ہے۔ انہیں معلوم تھا کہ مدنی دور نبوی میں تو روزے خالص قمری تقویم کے رمضان میں رکھے ہی نہیں گئے تھے، اس لئے ایک سائل کے استفسار پر انہوں نے فرمایا کہ جو شخص سال بھر (رات کو اللہ کی عبادت کے لئے) قیام کرے گا تو وہ لیلۃ القدر کو پالے گا۔ (۲۶/ الف) بنگلہ دیش کے ایک نامور عالم دین مولانا ابوالحسن مشکوۃ المصابیح کی شرح میں اپنی کتاب تنظیم الاشتات میں لکھتے ہیں کہ ''شب قدر کی تعیین کے متعلق علما میں بہ قول حافظ ابن حجر شدید اختلاف ہے...... چناں چہ ابن مسعودؓ، ابن عباسؓ و عکرمہؒ وغیرہ سے مروی ہے کہ لیلۃ القدر تمام سال کے اندر کوئی ایک رات ہوتی ہے۔ حنفیہ کا مشہور قول بھی یہی ہے جیسا کہ حنفی علما قاضی خان اور ابوبکر رازی وغیرہ نے اس کا ذکر کیا ہے۔ (۲۶/ ب) علامہ ابن کثیرؒ نے بھی لکھا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور کوفے میں ان کے شاگرد حضرات کے نزدیک لیلۃ القدر سال بھر میں کوئی بھی رات ہو سکتی ہے۔ (۲۶/ ج) لیلۃ القدر کے متعلق حضرت ابن عباسؓ سے یہ بھی روایت ہے کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ رات کھلی خوش گوار اور صاف ہوتی ہے۔ نہ (زیادہ) گرم اور نہ ہی (بہت) سرد ہوتی ہے اور اس رات کی صبح کو (طلوع ہونے والے) سورج کی حرارت کم زور اور (سورج کی رنگت) سرخ ہوتی ہے۔ (۲۷/ الف) غور کیجیے اگر لیلۃ القدر متعین ہوتی تو کرۂ ارض کے بڑے حصے پر سال بھر میں ایک رات ضرور ایسی ہوا کرتی جیسا کہ حدیث میں بیان کیا گیا

ہے۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی روایت میں بھی یہی ہے کہ اس رات کی صبح کو طلوع ہونے والے سورج کی شعاع نہیں ہوتی اور اس کی صبح معتدل ہوتی ہے۔ (۲۷/ ب) دنیا کے بڑے حصے میں ایک ہی وقت یا ایک ہی دن میں اس طرح کی رات کا ہونا خلافِ عادت اور خلافِ مشاہدہ ہے۔ ہمارے ہاں جب دن ہوتا ہے تو دنیا کے بعض ممالک میں رات ہوتی ہے اور ہمارے ہاں جب رات ہوتی ہے تو وہاں دن ہوتا ہے۔ نیز خالص قمری تقویم کے رمضان کا مہینہ دیگر قمری مہینوں کی طرح کوئی ۳۳ قمری سالوں اور ۳۲ شمسی سالوں میں تمام موسموں گرما سرما بہار اور خزاں میں سے گزر جاتا ہے۔ اس سے ان حضرات کے قول کی بہ خوبی تائید و توثیق ہوتی ہے جن کے نزدیک سال بھر میں کوئی بھی رات لیلۃ القدر ہوسکتی ہے، صرف رمضان میں ہی اس کا ہونا ضروری نہیں۔ موسم سرما والے رمضان میں بسا اوقات شدید سردی میں ہی پورا رمضان گزر جاتا ہے اور کوئی بھی رات مذکورہ بالا صفات کی حامل نہیں ہوتی لہٰذا رمضان میں ہی لیلۃ القدر کے ہونے کا دعوٰی درست نہیں۔ بل کہ بجا طور پر یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ دنیا کے مختلف حصوں میں یہ رات مختلف تواریخ میں ہوسکتی ہے، کیوں کہ دنیا بھر میں ایک ہی وقت میں رات نہیں ہوا کرتی۔ پس جب صرف قمری رمضان میں لیلۃ القدر ہونے کا قول ظنی ہے، ورنہ لیلۃ القدر کے متعلق سلف و خلف میں اختلافی اقوال موجود ہی نہ ہوتے اور جب اس رات کا سال بھر کی کسی بھی رات میں ہونا بالاتفاق یقینی ہے تو جہاں بھی یقین اور ظن میں تعارض ہوگا تو لازماً ترجیح یقین کو حاصل ہوگی۔ پس یہ اعتراض قطعاً درست نہیں کہ اگر دورِ نبوی میں روزے خالص قمری رمضان میں نہیں رکھے گئے تو لیلۃ القدر قمریہ شمسی رمضان میں کیسے آتی رہی؟ ہاں یہ بات ہر طرح کے شک و شبے سے بالاتر ہے کہ جس لیلۃ القدر میں قرآن کریم کا آسمان دنیا پر اور جس کے نزول کا آغاز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر غارِ حرا کی پہلی وحی میں ہوا تو یہ رمضان خالص قمری تقویم ہی کا ہوسکتا ہے، کیوں کہ نسی والی تقویم کی تو قرآن کریم میں مذمت وارد ہے۔ البتہ یہ نسی والی (مذموم) تقویم اسی طرح بعض ناگزیر ضرورتوں اور مصلحتوں کے تحت دورِ نبوی میں عرصۂ دراز تک بہ حال رہی جیسے جوا، شراب نوشی، سود خوری وغیرہ مذموم کام عرصۂ دراز تک برداشت کئے جاتے رہے۔ بالآخر جس طرح یہ مذموم کام ممنوع قرار پائے۔ اسی طرح قمریہ شمسی تقویم اور نسی بھی حجۃ الوداع کے ایام میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق ہمیشہ کے لئے منسوخ قرار پائی۔ اور اس سے پہلے حج ابی بکر صدیقؓ کے ایام میں اس کے عنقریب ممنوع ہونے کی طرف واضح اشارہ کر دیا گیا تھا، کیوں کہ اس میں سورہ توبہ کی تیس سے چالیس ابتدائی آیات بھی پڑھ کر سنائی گئی تھیں۔ اگر چالیس آیات کی تلاوت کی گئی ہو تو ان میں وہ آیت نسی بھی شامل ہے، جس میں نسی کو کفر میں اضافہ قرار دیا گیا ہے۔ نیز یہ حج ابی بکر مشرکین

کے معمول کے عین برعکس خالص قمری تقویم کے ذی الحجہ میں ہوا تھا۔

۵۔ جب دورنبوی میں روزے یقیناً قمریہ شمسی رمضان میں رکھے گئے جس کا انکار کرنا ایسے ہی ہے جیسے کوئی انتہائی کند ذہن یا متعصب دو اور دو کے چار ہونے کا انکار اور پانچ ہونے پر اصرار کرے۔ لہذا مدنی دورنبوی میں قمریہ شمسی رمضان میں روزے رکھنے پر بہ ظاہر جو بھی اعتراض وارد ہو اس کا جواب صرف ہمارے ذمے ہی نہیں۔ اگر مسلمان معترضین کے پاس مذکورہ بالا توجیہات اور جوابات سے زیادہ بہتر کوئی توجیہہ یا جواب موجود ہے تو اسے ضرور سامنے لایا جائے۔ ہم بلا چون و چرا اسے تسلیم کرنے کے لئے تیار ہیں۔ لیکن خارجی حقائق تو بہ ہر حال نا قابل تغیر و تبدل ہی رہا کرتے ہیں اور یہ حقیقت بھی اپنی جگہ پر قائم و دائم ہے کہ مدنی دورنبوی میں روزے ناگزیر وجوہ کی بنا پر قمری رمضان میں نہیں بل کہ قمریہ شمسی رمضان میں رکھے گئے تھے۔

۱۱۔ سوال نمبر ۱۱:

یہ کیسے معلوم کیا جا سکتا ہے کہ مدنی دورنبوی کی قمریہ شمسی ہجری تقویم کے مکبوس (تیرہ مہینوں والے) سالوں میں کبیسہ کا مہینہ فلاں مہینے کو مکرر (دوبارہ) لا کر ڈالا جاتا تھا؟

جواب:۔ سوال نمبر ۷ کے جواب میں واضح کیا جا چکا ہے کہ مدنی دورنبوی کی قمریہ شمسی ہجری تقویم میں سال نمبر ۲، ۵، ۷، اور ۱۰ ہجری قمریہ شمسی مکبوس (تیرہ مہینوں والے) سال تھے۔ ان مکبوس سالوں کی تقابلی تقویمی جداول میں اگر محرم قمریہ شمسی کے بعد محرم ہی کو مکرر لا کر کبیسہ کا مہینہ ڈالا جائے تو توقیتی تضادات بہ خوبی دور ہو جاتے ہیں اور واقعات کی زمنی ترتیب درست بیٹھتی ہے۔ البتہ دوسرے مکبوس سال (سال ۲ ہجری قمریہ شمسی) میں غزوات و سرایا کے توقیتی تقابل سے ثابت ہوتا ہے کہ اس سال بھی سریہ عبداللہ بن جحش سے پہلے کبیسہ کا مہینہ محرم کو مکرر لا کر ہی ڈالا گیا تھا۔ مثلاً غزوہ بہ تعاقب کرز بن جابر فھری (غزوۂ بدر اولیٰ) کو ابن سعد اور واقدی نے ربیع الاول ۲ ہجری کا لیکن ابن حبیب بغدادی نے ۱۲ جمادی الاخریٰ ۲ ہجری کا واقعہ قرار دیا ہے۔ (۲۷ ج) ۱۲ جمادی الاخریٰ ۲ ہجری قمری کے مقابل عیسوی تاریخ ۱ دسمبر ۶۲۳ عیسوی جیولین تھی۔ اب اگر ہم محرم قمریہ شمسی کو ستمبر کے مقابل رکھیں اور اس کے بعد محرم کبیسہ کو اکتوبر کے مقابل رکھیں تو ربیع الاول قمریہ شمسی کا مہینہ ٹھیک دسمبر کے ہی مقابل ہوگا۔

عیسوی مہینے:	ستمبر	اکتوبر	نومبر	دسمبر
قمریہ شمسی مہینے:	محرم	محرم کبیسہ	صفر	ربیع الاول

پس ابن سعد اور واقدی نے غزوۂ بدر اولیٰ کی توقیت قمریہ شمسی تقویم میں اور ابن حبیب بغدادی نے خالص قمری تقویم میں کی ہے۔ یوں یہ غزوۂ ۱۲ ربیع الاول ۲ ہجری قمریہ شمسی مطابق ۱۲ جمادی الاخریٰ ۲ ہجری قمری مطابق ۱۱ دسمبر ۶۲۳ عیسوی جیولین کا ہے۔ یعنی کبیسہ کا مہینہ محرم کو مکرر لا کر ڈالا گیا ہے۔ لیکن سریہ عبداللہ بن جحش کے بعد کے واقعات پر نظر ڈالی جائے تو ثابت ہوتا ہے کہ کبیسہ کا مہینہ شوال کو مکرر لا کر ڈالا گیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بہ حساب کبیسۂ محرم سریہ عبداللہ بن جحش ۳۰ جمادی الاخریٰ ۲ ہجری قمریہ شمسی مطابق ۳۰ رمضان ۲ ہجری قمری مطابق ۲۶ مارچ ۶۲۴ عیسوی جیولین کا واقعہ ہے۔ قریش مکہ کی تقویم قمریہ شمسی تھی۔ انہوں نے محض از راہ عداوت یا غلط فہمی کی بنا پر جمادی الاخریٰ قمریہ شمسی کو ۲۹ دنوں کا مہینہ قرار دے کر اس سریے کو یکم رجب ۲ ہجری قمریہ شمسی کا واقعہ ٹھہرایا اور مسلمانوں کو خوب مطعون کیا کہ مسلمانوں نے حرمت والے مہینے رجب میں قتال کیا ہے اور اس کی حرمت کو پامال کیا ہے۔ مسلمان چوں کہ بنو کنانہ کے ناسی کی نسی کے پابند نہ تھے اس لئے انہوں نے سریہ عبداللہ بن جحش سے نسی والا مہینہ محرم کے بعد رکھنے کی بہ جائے شوال کے بعد شوال کو مکرر لا کر ڈال دیا، تاکہ اس سریے کی قمریہ شمسی تاریخ یکم رجب کی بہ جائے یکم شعبان قمریہ شمسی ہو جائے اور مشرکین کا اعتراض باطل ہو جائے۔ کبیسہ کو اگر شوال کے بعد ڈالا جائے تو سال ۲ ہجری قمریہ شمسی کی تقابلی تقویمی جدول یوں ہوگی:

عیسوی تاریخ	دن	قمریہ شمسی ہجری	قمری ہجری	تاریخ قرآن	وقتِ قرآن
۲ ستمبر ۶۲۳ عیسوی	جمعہ	یکم محرم ۲ ہجری	یکم ربیع الاول ۲ ہجری	۳۱ اگست	۱۷:۱۱
۲ اکتوبر	اتوار	یکم صفر	یکم ربیع الثانی	۳۰ ستمبر	۴:۰۲
۳۱ اکتوبر	سوموار	یکم ربیع الاول	یکم جمادی الاولیٰ	۲۹ اکتوبر	۱۴:۳۰
۳۰ نومبر	بدھ	یکم ربیع الثانی	یکم جمادی الاخریٰ	۲۸ نومبر	۱:۰۶
۲۹ دسمبر	جمعرات	یکم جمادی الاولیٰ	یکم رجب	۲۷ دسمبر	۱۲:۰۴
۲۸ جنوری ۶۲۴ عیسوی	ہفتہ	یکم جمادی الاخریٰ	یکم شعبان	۲۵ جنوری	۲۳:۲۳
۲۶ فروری	اتوار	یکم رجب	یکم رمضان	۲۴ فروری	۱۱:۰۲
۲۷ مارچ	منگل	یکم شعبان	یکم شوال	۲۴ مارچ	۲۳:۱۶
۲۵ اپریل	بدھ	یکم رمضان	یکم ذی قعدہ	۲۳ اپریل	۱۲:۲۶
۲۵ مئی	جمعہ	یکم شوال	یکم ذی الحجہ	۲۳ مئی	۲:۴۶
۲۳ جون	ہفتہ	یکم شوال کبیسہ	یکم محرم ۳ ہجری	۲۱ جون	۱۸:۰۲

۲۳ جولائی	سوموار	یکم ذی قعدہ	یکم صفر	۲۱ جولائی	۹:۳۱
۲۲ اگست	بدھ	یکم ذی الحجہ	یکم ربیع الاول	۲۰ اگست	۰:۳۰

مذکورہ بالا جدول کو غور سے دیکھیے اگر کبیسہ کا مہینہ محرم کے بعد محرم کو مکرر لا کر ڈالا جائے تو ظاہر ہے کہ ۲۶ فروری ۶۲۴ عیسوی جیولین کے مقابل قمریہ شمسی مہینہ رجب کی بہ جائے جمادی الاخریٰ کا ہوگا اور ۳۰ جمادی الاخریٰ قمریہ شمسی کو عیسوی تاریخ ۲۶ مارچ ہوگی۔ یہی سریہ عبداللہ بن جحش کی بہ حساب کبیسۂ محرم صحیح توقیت ہے۔ جدول سے واضح ہے کہ اس سے اگلے مہینے میں ۲۷ مارچ کو چاند کی پہلی تاریخ ہوئی یعنی جمادی الاخریٰ قمریہ شمسی بہ حساب کبیسۂ محرم واقعی ۳۰ دنوں کا ہوا تھا اور قریش مکہ کا یہ دعویٰ قطعاً غلط ثابت ہو رہا ہے کہ یہ مہینہ ۲۹ دنوں کا تھا اور یہ کہ مسلمانوں نے یکم رجب کو جنگ لڑی ہے۔ تاہم مسلمانوں نے اس کے جواب میں جب کبیسہ کا مہینہ شوال کے بعد ڈال دیا تو صحیح قمریہ شمسی تاریخ اب ۳۰ جمادی الاخریٰ کی بہ جائے ۳۰ رجب ہوگئی لیکن چوں کہ قریش مکہ اسے ناحق ۲۹ دنوں کا مہینہ قرار دے رہے تھے، لہٰذا قریش مکہ کے دعوے کی رو سے یہ یکم شعبان ہوگئی اور قریش مکہ کا یہ اعتراض مسلمانوں نے لغو قرار دیا کہ رجب کے حرمت والے مہینے کی حرمت کی پامالی ہوئی ہے۔ غزوۂ بدر، سریہ عبداللہ بن جحش کے بعد کا واقعہ ہے۔ اس کی تاریخ اہل سیر نے ۱۷ رمضان ۲ ہجری اور دن جمعہ لکھا ہے۔ (۲۸/ الف) یہ قمریہ شمسی تاریخ بہ حساب کبیسۂ شوال ہے۔ اس کے مقابل مذکورہ بالا جدول کے مطابق خالص قمری تقویم کی تاریخ ۱۷ ذی قعدہ ۲ ہجری قمری اور عیسوی تاریخ ۱۱ مئی ۶۲۴ عیسوی برآمد ہوتی ہے اور دن بھی ٹھیک جمعہ کا ہی بنتا ہے۔ یکم رمضان قمریہ شمسی کو بہ مطابق جدول بدھ کا دن تھا لہٰذا ۱۷ رمضان ۲ ہجری قمریہ شمسی مطابق ۱۷ ذی قعدہ ۲ ہجری قمری کو ٹھیک جمعہ کا دن ہوا۔ غزوۂ قرقرۃ الکدر کی تاریخ ابن حبیب بغدادی نے یکم شوال ۲ ہجری بہ روز جمعہ کی لکھی ہے۔ (۲۸/ ب) جدول سے معلوم ہو رہا ہے کہ یکم شوال ۲ ہجری قمریہ شمسی مطابق یکم ذی الحجہ ۲ ہجری قمری مطابق ۲۵ مئی ۶۲۴ عیسوی جیولین کو واقعی جمعہ کا دن تھا۔ چوں کہ دور نبوی میں حجۃ الوداع سے پہلے تک روزے قمریہ شمسی رمضان ہی میں رکھے گئے، اس لئے مدینہ منورہ میں پہلی عید الفطر کی توقیت بھی وہی ہے جو غزوۂ قرقرۃ الکدر کی ہے۔ ۲۵ مئی ۶۲۴ عیسوی جیولین کو دور حاضر کی صحیح ترین شمسی تقویم یعنی گریگورین عیسوی تقویم کے اعتبار سے تاریخ ۲۸ مئی ۶۲۴ عیسوی گریگورین ہوتی ہے۔ ٹھیک ۱۳۷۴ شمسی سالوں کے بعد ۲۸ مئی ۱۹۹۸ عیسوی گریگورین کو اسلامی جمہوریہ پاکستان کو عظیم الشان جوہری قوت بننے کا شرف حاصل ہوا۔ ۲۸ مئی ۶۲۴ عیسوی گریگورین (۲۵ مئی ۶۲۴ عیسوی جیولین) کو چاند کی پہلی تاریخ تھی تو ۲۸ مئی ۱۹۹۸ عیسوی جیولین گریگورین کو بھی پاکستان میں قمری تاریخ یکم صفر ۱۴۱۹ ہجری تھی۔ یہ موافقت و

مشابہت ایک زبردست نیک فال ہے اور ہم پر اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا فضل و کرم ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم بھی اپنے آپ کو اپنے ایمان اور اعمال صالحہ سے اس کا اہل ثابت کریں۔ ہمارے اس مضمون کا بھی بڑا مقصد یہی ہے کہ ہم محبت و عقیدت کے دھوکے میں ربیع الاول کے حوالے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کی (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ) توہین اور دل آزاری سے اپنے آپ کو پوری طرح بچائیں اور دوسروں کو بھی حکمت اور موعظہ حسنہ سے کام لیتے ہوئے سمجھائیں کہ ربیع الاول ہرگز دور نبوی میں مسلمانوں کے لئے کسی بڑی خوشی کا مہینہ نہیں تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادتِ مبارکہ کا ربیع الاول ہماری قمری ہجری تقویم کا ہرگز ہرگز نہیں بل کہ یہ مشرکین عرب کا خود ساختہ ربیع الاول تھا جس کے مقابل خالص قمری تقویم کا مہینہ رمضان المبارک کا تھا، یہی وجہ ہے کہ ربیع الاول کی فضیلت میں ذخیرۂ احادیث میں صحیح تو کیا کوئی ضعیف بل کہ کوئی جھوٹی روایت بھی نہیں ملے گی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یوم رحلت یقیناً ۱۲ ربیع الاول ۱۱ ہجری قمری بہ روز سوموار ہے، جو صحابہ کرام اور اہل بیتِ رضی اللہ عنہم اجمعین کے لئے شدید ترین رنج والم اور پریشانی کا دن اور مہینہ تھا۔

غزوۂ بنی قینقاع کی تاریخ ۱۵ شوال ۲ ہجری بہ روز ہفتہ کی بیان کی گئی ہے۔ (۲۸/ ج) بہ مطابق جدول یہ شوال کبیسہ کا مہینہ ہے۔ یکم شوال کو دن ہفتہ تھا لہٰذا ۱۵ شوال کبیسہ (قمریہ شمسی) کو بھی دن ٹھیک ہفتہ ہی ہوا۔ غزوہ سویق بہ قول اہل سیر ۵ ذی الحجہ ۲ ہجری بہ روز اتوار کا غزود ہے۔ (۲۹/ الف) مذکورہ جدول سے یہ واضح ہے کہ یہ ذی الحجہ قمریہ شمسی تقویم کا ہے جس کی پہلی تاریخ کو بدھ کا دن تھا لہٰذا ۵ ذی الحجہ قمریہ شمسی کو ٹھیک اتوار کا ہی دن ہوا۔ اس کے مقابل قمری تاریخ ۵ ربیع الاول ۳ ہجری قمری اور عیسوی تاریخ ۲۶ اگست ۶۲۴ عیسوی جیولین تھی۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ذی الحجہ تو حرمت والا مہینہ ہے اس میں ابو سفیان سردارِ مکہ نے خوں ریزی کا ارادہ کیوں کیا؟ چوں کہ مسلمانوں نے سریہ عبداللہ بن جحش پر پیدا ہونے والی کج بحثی کو ختم کرنے کے لئے کبیسہ کا مہینہ شوال کو شوال کے بعد مکرر لا کر ڈال دیا تھا، تا کہ سریہ عبداللہ بن جحش کی مبینہ تاریخ یکم رجب کی بہ جائے یکم شعبان ہو جائے اور مسلمانوں پر قریش مکہ کا یہ الزام باقی نہ رہے کہ انہوں نے رجب کی حرمت کو پامال کیا ہے، لہٰذا اس کے جواب میں قریش مکہ نے بھی اس واقعے کے بعد کبیسہ کا مہینہ محرم کے بعد باقی رکھنے کی بہ جائے اب ذی الحجہ کو مکرر لا کر ڈال دیا۔ اس کے لئے بنو کنانہ کے ناسی کی خدمات کو حاصل کرنا ان کے لئے مشکل نہ تھا۔ چناں چہ اس عمل سے یکم شوال قمریہ شمسی تک تو مذکورہ بالا جدول مسلمانوں اور قریش مکہ میں مشترک رہی لیکن اس کے بعد کی صورت یوں ہوگئی:

عیسوی جیولین	دن	قمریہ شمسی ہجری	قمری ہجری	تاریخ قرآن	وقت قرآن

۲۳ جون ۶۲۴ عیسوی	ہفتہ	یکم ذی قعدہ ۲ ہجری	یکم محرم ۳ ہجری	۲۱ جون	۱۸:۰۲
۲۳ جولائی	سوموار	یکم ذی الحجہ	یکم صفر	۲۱ جولائی	۹:۳۱
۲۲ اگست	بدھ	یکم ذی الحجہ کبیسہ	یکم ربیع الاول	۲۰ اگست	۰:۳۰

مذکورہ جدول دیکھیے۔ قریش مکہ نے کبیسہ کا مہینہ ذی الحجہ قمریہ شمسی کے بعد ذی الحجہ کو مکرر لا کر ڈالا تو یکم ذی الحجہ کبیسہ ۲۲ اگست ۶۲۴ عیسوی بہ روز بدھ کے مقابل ہوگئی اور کبیسہ والا مہینہ چوں کہ حرمت والا نہیں سمجھا جاتا تھا، لہٰذا قریش مکہ نے اس میں لڑائی کا جواز پیدا کرلیا۔ الغرض بعض اوقات قمریہ شمسی سال کے آخر میں ذی الحجہ کو مکرر لا کر بھی کبیسہ کا مہینہ ڈالا جاتا تھا۔ آئندہ مباحث میں یہ واضح ہو جائے گا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سال ولادت ۵۳ قبل ہجرت قمریہ شمسی بھی مکبوس سال تھا۔ اس سال بھی ابرھہ کے متوقع حملے کے شدید خطرے کے پیش نظر شدید پریشانی اور خوف کی وجہ سے کبیسہ کا مہینہ محرم کو مکرر لا کر ڈالنے کا بنو کنانہ کے ناسی کے لئے موقع نہیں رہا تھا لہٰذا اسے بعد میں ڈالا گیا۔

۱۲۔ سوال نمبر ۱۲:

جس ربیع الاول میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادتِ مبارکہ ہوئی ہے تو آپ کے پاس اس کا کیا ثبوت ہے کہ یہ ربیع الاول خالص قمری تقویم کا نہیں بل کہ قمریہ شمسی تقویم کا ہی تھا؟

جواب: اس میں کوئی شک نہیں کہ دورِ جاہلیت اور دورِ نبوی میں عربوں میں چوں کہ قمری اور قمریہ شمسی دونوں تقاویم چل رہی تھی لہٰذا اس بات کا امکان موجود ہوتا ہے کہ اہل سیر نے کسی بھی واقعے کی جو توقیت کی ہے تو شاید یہ خالص قمری تقویم ہی کی ہو۔ لیکن ناقابل تردید شواہد کی روشنی میں آج ہمارے لئے یہ معلوم کرلینا ہرگز ناممکن نہیں رہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت مبارکہ کا ربیع الاول یقیناً قمریہ شمسی تقویم ہی کا تھا اور ہرگز قمری تقویم کا نہیں تھا۔

اوّلاً ہم ان مباحث میں واضح کر چکے ہیں کہ اہل مکہ کی تقویم قمریہ شمسی تھی۔ اسی لئے محققین اسے ''مکی کیلنڈر'' کا نام دیتے ہیں اور اہل یثرب (مدینہ) کی تقویم قمری تھی اسی لئے اسے ''مدنی کیلنڈر'' کہا جاتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تعلق مکہ مکرمہ سے ہے اور آپ مکے میں ہی پیدا ہوئے۔ اس لئے ''مکی کیلنڈر'' کے مطابق آپ کی ولادت باسعادت کا مہینہ ربیع الاول قمریہ شمسی تقویم کا ہے۔ اور ربیع الاول کے مشہور ہونے کی وجہ بھی یہی ہے۔

ثانیاً اگر آپ کی ولادت مبارکہ سے پہلے ابرھہ کا ناکام حملہ نہ ہوا ہوتا اور اہل سیر نے اس کی وجہ یہ بیان نہ کی ہوتی کہ ابرھہ کی خواہش اور فرمان کے مطابق عربوں نے یمن میں بنائے ہوئے اس کے کلیسا کا حج اور طواف نہیں کیا تھا تو شبہ ہو سکتا تھا کہ ولادتِ مبارکہ کا ربیع الاول شاید قمری تقویم کا ہو۔ ہمارے تمام متقدمین اہل سیر اسی طرح مفسرین اور محدثین حضرات یہ لکھتے چلے آرہے ہیں کہ صرف قریش مکہ ہی نہیں بل کہ اس دور کے تمام عرب قبائل جس ذی الحجہ میں حج کیا کرتے تھے وہ نسی والی تقویم کا ذی الحجہ ہوا کرتا تھا۔ خالص قمری تقویم کا ہرگز نہیں ہوا کرتا تھا۔ اسی نسی والی تقویم کو ہم قمریہ شمسی تقویم کا اصطلاحی نام دے رہے ہیں۔ یہ قمریہ شمسی ذی الحجہ ۳۳ قمری سالوں میں صرف دو تین سالوں کے لئے ہی اصل قمری ذی الحجہ کے مقابل ہوا کرتا تھا باقی ماندہ کوئی تیس سالوں میں اس قمریہ شمسی ذی الحجہ کے مقابل دوسرے قمری مہینے سال بہ سال اول بدل کر آتے رہتے تھے اور ہر ۳۳ سالہ دور میں نسی کی وجہ سے یہی سلسلہ جاری رہا کرتا تھا۔ صاف ظاہر ہے کہ جس ذی الحجہ میں اہل عرب نے ھہ کے فرمان کے مطابق اس کے بنائے ہوئے کلیسا کا حج کرنا تھا لیکن انہوں نے ابرھہ کے فرمان کو سخت نفرت اور غصے سے ٹھکراتے ہوئے حسب سابق بیت اللہ (کعبہ) کا ہی حج کیا تو یقیناً یہ قمریہ شمسی تقویم کا ہی ذی الحجہ تھا۔ اس کے متصلاً بعد محرم کا وہ مہینہ جس میں ابرھہ نے طیش میں آکر مکہ پر چڑھائی کی تو لازماً وہ بھی قمریہ شمسی تقویم کا ہی محرم ہوا۔ مشہور ترین قول کے مطابق ابرھہ کے اس ناکام حملے کے پچاس دنوں کے بعد جس ربیع الاول میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادتِ مبارکہ ہوئی تو یہ روز روشن کی طرح واضح ہے کہ محرم قمریہ شمسی کے متصلاً بعد آنے والے صفر اور ربیع الاول کے دونوں مہینے بھی قمریہ شمسی تقویم کے ہی ہو سکتے ہیں، یہ ہرگز قمری تقویم کے نہیں ہو سکتے۔

ثالثاً عیسائی والیٔ یمن ابرھہ نے جب عربوں کو صنعا میں اپنے بنائے ہوئے کلیسا کے حج کا فرمان جاری کیا تو اس سے اہل عرب میں سخت اشتعال پھیل گیا۔ انہوں نے اس کا حج تو کیا کرنا تھا، الٹا قبیلہ بنو کنانہ کے ایک فرد نے اس کلیسا کو نجاست سے آلودہ کر کے اس کی بے حرمتی کی۔ اسی لئے تو ذی الحجہ قمریہ شمسی کے بعد محرم قمریہ شمسی میں ابرھہ نے مکہ پر لشکر کشی کی۔ یہ قبیلہ بنو کنانہ وہی قبیلہ تو ہے جس کی یہ ذمے داری تھی کہ وہ مخصوص سالوں میں نسی کا تیرھواں مہینہ بڑھانے کا ایام حج میں اعلان کیا کرے۔

رابعاً ہم ان مباحث میں واضح کر چکے ہیں کہ عربوں کا حج قمریہ شمسی ذی الحجہ میں ہوا کرتا تھا اور وہ اسے حج اکبر کہا کرتے تھے۔ عمرے کے لئے انہوں نے رجب قمریہ شمسی کا مہینہ متعین کر رکھا تھا اور حج کے مہینوں میں عمرہ کرنے کو وہ نہایت ہی سنگین گناہ تصور کرتے تھے۔ رجب قمریہ شمسی میں عمرے کو وہ حج اصغر

کہا کرتے تھے۔ اس کا بین ثبوت اس سے بھی مل رہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب ذی قعدہ ۶ ہجری میں عمرے کے لئے روانہ ہوئے تو ان دنوں اس کے مقابل قمریہ شمسی تقویم کا مہینہ رجب ۶ ہجری قمریہ شمسی تھا جو مشرکین کے لئے حج اصغر (عمرے) کا مہینہ تھا۔ سابقہ مباحث میں ہم نے سوال نمبر ۹ کے جواب میں اس کی وضاحت کر دی ہے۔ پس اہل مکہ کی تقویم قمریہ شمسی تھی۔ سوال نمبر ۸ کے جواب میں بھی ہم نے سانحہ رجیع کے حوالے سے نا قابل تردید ثبوت مہیا کر دیا ہے کہ اہل مکہ کی تقویم قمریہ شمسی تھی اور وہ اسی تقویم کے اشہر حُرم کو ملحوظ رکھا کرتے تھے۔ تقویم خواہ شمسی ہو یا قمریہ شمسی ہو اسے دنیوی مقاصد کے لئے استعمال کیا جائے تو کوئی حرج نہیں لیکن تمام شرائع میں دینی مقاصد کے لئے صرف قمری تقویم کو ہی ملحوظ رکھنے کا حکم دیا گیا تھا۔ عرب میں آباد یہودی قبائل کی طرح عرب قبائل کا جرم بھی یہی تھا کہ انہوں نے دینی مقاصد کے لئے قمریہ شمسی تقویم پر عمل کیا۔ عربوں کا دوسرا سنگین جرم یہ تھا کہ انہوں نے قمریہ شمسی کے مہینوں کے نام بھی محرم تا ذی الحجہ وہی رکھے جو خالص قمری تقویم کے سال کے مہینوں کے نام ہیں۔ حال آں کہ دونوں تقاویم کی نوعیت یک سر مختلف ہے۔ دین میں اس بدعت اور زبردست تحریف کا نتیجہ یہ ہوا کہ قمریہ شمسی تقویم میں ذی الحجہ کا مہینہ بل کہ حرمت والے مہینوں سمیت سارے ہی قمری مہینے سال ہا سال کے لئے اپنے اصل وقت سے ٹل جایا کرتے تھے۔ کیوں کہ قمریہ شمسی تقویم میں بعض سالوں میں نسی کا تیرھواں مہینہ بڑھانے سے یہ اپنے اصل مقام پر ۳۳ قمری سالوں میں صرف دو تین سال کے لئے ہی رہ سکتے تھے۔ اس کے باوجود انہوں نے دونوں تقاویم کے مہینوں کے نام یک ساں رکھے جس سے دو تقویمی التباس کا پیدا ہونا لازمی امر تھا۔

المیہ یہ ہے کہ امت مسلمہ کا بہت بڑا طبقہ آج بھی اسی دو تقویمی التباس کا شکار ہے۔ اللہ تعالیٰ کا راقم الحروف پر بے حد وحساب احسان وکرم ہے کہ میں نے بہ حمد اللہ تمام توقیتی التباسات اور تضادات کو پوری طرح دور کر دیا ہے اور شش ماہی مجلہ السیرۃ عالمی کے متعلقہ شماروں میں بہ تمام وکمال تقابلی تقویمی وتوقیتی جداول پیش کر دی ہیں۔

خامساً اگر دور جاہلیت اور دور نبوی میں مشرکین مکہ اور دیگر قبائل عرب نسی پر مبنی (قمریہ شمسی) کے ذی الحجہ قمریہ شمسی میں حج اکبر اور رجب قمریہ شمسی میں حج اصغر (عمرہ) نہ کر رہے ہوتے اور نسی کی وجہ سے حج کے مہینوں اور حرمت والے مہینوں کو ان کے اصل ٹھکانوں سے بدل نہ رہے ہوتے تو سورۂ توبہ میں آیت نسی اور اس کے متعلق مضامین پر آیات کا نزول ہی کیوں ہوتا اور نسی کی مذمت ہی کیوں کی جاتی؟ مذکورہ تفصیلی مباحث سے جب نا قابل تردید انداز سے یہ ثابت ہوگیا کہ یمن کا عیسائی حاکم ابرھہ جس ذی الحجہ میں

چاہتا تھا کہ اہل عرب بیت اللہ کی بہ جائے اس کے بنائے ہوئے کلیسا کا حج کریں تو یہ ذی الحجہ یقیناً قمریہ شمسی تھا اور اس سے متصل بعد کے مہینے محرم، صفر اور ربیع الاول بھی قمریہ شمسی تھے۔ محرم قمریہ شمسی میں ابرھہ نے مکہ پر ناکام حملہ کیا اور اپنے لشکر سمیت عذاب خداوندی کا شکار ہوا۔ اس کے حملے کے پچاس دن بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادتِ مبارکہ ربیع الاول قمریہ شمسی میں ہی ہوئی۔ یہ قمری تقویم کا ہو ہی نہیں سکتا۔ جس طرح قمریہ شمسی تقویم کا ذی الحجہ اہل سیر و مغازی کی تصریحات اور حسابی شواہد کی بنا پر اصل قمری ذی الحجہ کے مقابل ۳۳ سالوں میں صرف دو تین سالوں کے لئے ہی ہوا کرتا تھا تو اسی طرح دیگر قمری مہینوں کا بھی یہی حال تھا۔ ربیع الاول قمریہ شمسی بھی ۳۳ قمری سالوں اور ۳۲ شمسی سالوں میں خالص قمری تقویم کے ربیع الاول قمری کے مقابل صرف دو تین سالوں کے لئے ہی ہوا کرتا تھا۔ قمریہ شمسی ربیع الاول اور قمری ربیع الاول میں قدر مشترک صرف اور صرف یہی ہے کہ دونوں تقاویم میں ربیع الاول سال کا تیسرا مہینہ ہوتا ہے اور دونوں تقاویم میں مہینوں کے نام یک ساں ہیں ورنہ قمری اور قمریہ شمسی تقویم میں اور اسی طرح قمری اور قمریہ شمسی ربیع الاول میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ اگلے سوال کے جواب میں ہم واضح کریں گے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادتِ مبارکہ کے قمریہ شمسی ربیع الاول کے مقابل ہماری موجودہ ہجری تقویم کا قبل ہجرت خالص قمری سالوں میں متعلقہ قمری سال کا مہینہ رمضان المبارک تھا۔

سادسأ چوں کہ ربیع الاول قمری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادتِ مبارکہ سرے سے ہوئی ہی نہیں لہٰذا ربیع الاول کی فضیلت میں ضعیف حدیث تو کیا کوئی جھوٹی روایت بھی نہیں ملے گی۔ قمری مہینوں محرمؔ، رجب، شعبان وغیرہ کے فضائل پر مشتمل بعض روایات ضعیف بل کہ موضوع بھی ہیں، لیکن شاید ہی کسی نے غور کیا ہو کہ ربیع الاول کی فضیلت میں ضعیف بل کہ موضوع روایت تک کو بھی ہمارے ذخیرۂ احادیث میں جگہ نہ ملنا آخر کیا معنیٰ رکھتا ہے؟ یہی ایک حقیقت واضح کر رہی ہے کہ ولادتِ مبارکہ کا ربیع الاول خالص قمری تقویم کا ہوتا تو ضرور بالضرور اس کی فضیلت میں روایات امت تک منتقل ہوتیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت مبارکہ کا دن بالاتفاق سوموار ہے چناں چہ آپ نے سوموار کے اپنے روزے کے متعلق وضاحت فرمادی کہ یہ وہ دن ہے جس دن میں پیدا ہوا اور جس دن مجھے معبوث کیا گیا یعنی جس دن پہلی وحی کا نزول ہوا۔ (۲۹/ ب) یہاں بجا طور پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ربیع الاول کی فضیلت کیوں نہ بیان فرمائی اور آپ نے اس مہینے کے بہ طور خاص روزے کیوں نہ رکھے؟ حال آں کہ رمضان کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم جس مہینے میں زیادہ روزے رکھتے تھے وہ شعبان کا مہینہ تو ہے کوئی اور مہینہ عموماً اور ربیع الاول کا مہینہ خصوصاً نہیں ہے۔ ربیع در ربیع اور بہار در بہار کے ترانے تو

ہمارے خود ساختہ ہیں۔ قرآن وسنت سے ان کا نام ونشان تک نہیں ملتا۔ ربیع الاول کی فضیلت میں کسی جھوٹی حدیث کے بھی نہ ملنے کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ اس مہینے کی خود ساختہ رسوم کا باقاعدہ آغاز ساتویں صدی ہجری میں کہیں جا کر ہوا ہے۔ اس وقت تک محدثین کرام جھوٹے راویوں اور جھوٹی احادیث کی معرفت، صحیح اور غلط روایات میں تمیز اور ان کی درجہ بندی کے لئے ایسے علوم مدون اور ایسے معیار متعین کر گئے تھے کہ جھوٹی روایات کے گھڑنے کا سلسلہ بہت بڑی حد تک ہمیشہ کے لئے مسدود ہو گیا۔ اگر ربیع الاول کی رسوم یا نام نہاد بدعاتِ حسنہ، دوسری یا تیسری صدی ہجری میں رواج پذیر ہوتیں تو اس کی فضیلت پر بھی جھوٹی روایات کا ایک انبار لگ جاتا۔ چوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قمری ربیع الاول میں پیدا ہی نہیں ہوئے۔ لہٰذا ربیع الاول کی جعلی فضیلت میں جعلی روایات گھڑنے کو روکنے کے غیبی اسباب اللہ تعالیٰ نے پیدا فرما دیے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی بڑی نعمت پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کے لئے روزہ رکھا کرتے تھے۔ شیرینی کھانے یا کھلانے، محافل برپا کرنے، مشعل بردار جلوس نکلوانے کا آپ نے ہرگز کوئی اہتمام نہیں فرمایا۔ شاید یہی وجہ ہے کہ جس قمری مہینے رمضان المبارک میں آپ کی ولادتِ مبارکہ ہوئی اس کے روزے پوری امت مسلمہ پر قیامت تک کے لئے فرض کر دیے گئے اور اسی مبارک مہینے میں قرآن کریم کا نزول ہوا۔ معراج کا قمری مہینہ بھی یہی ہے۔

سابعاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ میری امت میں بھی کچھ لوگ امم سابقہ یہود و نصاریٰ کی برائیوں کی اتباع کریں گے۔ (۲۹/ ج) آیئے ہم عیسائیوں کے کرسمس کے دن ۲۵ دسمبر پر غور کرتے ہیں، جسے عیسائی حضرت عیسٰی علیہ السلام کا یوم ولادت قرار دے کر خوب جوش وخروش سے دنیا بھر میں مناتے ہیں۔ اس سلسلے میں کولیرز انسائیکلو پیڈیا میں ہے کہ ''حضرت عیسٰی علیہ السلام (یسوع مسیح) کے یوم ولادت کے لئے ۲۵ دسمبر کا انتخاب غالباً اس خارجی حقیقت کی بنا پر ہے کہ اس تاریخ کو (موسم سرما کے شباب میں) رومی اپنے سورج دیوتا کے اعزاز میں متھرائی جشن منایا کرتے تھے۔ حالات کچھ یوں دکھائی دیتے ہیں کہ اس طرح مسیحی چرچ نے یہ موقع حاصل کر لیا کہ موسم سرما کے عروج کے ایام میں اس مشرکانہ رواج (Pagan Custom) سے لوگوں کی توجہ ہٹانے کے لئے اسے خداوند یسوع کے احترام کا دن قرار دیا جائے''۔ (۳۰/ الف) انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا میں بہ عنوان ''کرسمس'' لکھا ہے کہ ''یروشلم (بیت المقدس) میں کرسمس کی مخالفت عرصۂ دراز تک جاری رہی پھر بالآخر اسے تسلیم کر ہی لیا گیا۔ ۲۵ دسمبر کی تاریخ کو ایرانیوں کے پُر اسرار دیوتا متھرا کی پیدائش کا دن سمجھا جاتا تھا۔ متھرا کو وہ ''نیکی کا بیٹا'' قرار

دیتے تھے''۔ (۳۰/ب) اس سے یہ معلوم ہوا کہ عیسائی محققین نے عربی زبان سے اور بعض نے برملا یہ تسلیم کرلیا ہے کہ ۲۵ دسمبر ہرگز حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یوم ولادت نہیں۔ ہم نے بھی نا قابل تردید دلائل سے بہ خوبی واضح کر دیا ہے کہ خالص قمری تقویم کا ربیع الاول ہرگز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت مبارکہ کا مہینہ نہیں۔ یہ ربیع الاول تو قمریہ شمسی تقویم کا تھا اور ہماری ہجری تقویم خالص قمری تقویم ہے۔ اس خالص قمری تقویم کے اعتبار سے ولادتِ مبارکہ کا مہینہ رمضان المبارک ہے۔

ثامناً یہاں اجماع امت، جمہور کا مسلک، سواد اعظم کا مذہب جیسی دینی اصطلاحات کی آڑ میں حقائق سے فرار کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں۔ بے شک امت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام ہرگز گم راہی پر جمع نہ ہوگی لیکن یہاں گم راہی سے مراد دینی گم راہی ہے۔ علم تاریخ اور تاریخی جزئیات نہ تو دین کا حصہ ہیں نہ ہی دین کے مآخذ و مصادر میں شامل ہیں۔ علم سیرۃ النبی اور خلفائے راشدینؓ کی تاریخ کو دینی علوم میں اس لئے شامل کیا جاتا ہے کہ سیرۃ النبی میں بہت سی جزئیات قرآن و سنت ہی سے ماخوذ ہیں۔ پھر اس میں صرف تاریخی واقعات وحوادث پر ہی بحث نہیں ہوتی بل کہ اکثر و بیشتر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق وشمائل اور آپ کے متعلقہ اقوال و افعال کو بھی زیر بحث لایا جاتا ہے۔ جب کہ علم العقائد، غیر مسلموں اور اہل بدعت کے پیدا کردہ شبہات اور اعتراضات کے جوابات (یعنی جدلیات) کو بھی اب علم سیرت سے مربوط کیا جانے لگا ہے۔ اسی طرح خلفائے راشدینؓ کی تاریخ میں ان کے وہ خاص اقوال و افعال بھی زیر بحث لائے جاتے ہیں جن کا قرآن و سنت کی توضیح وتشریح اور افہام وتفہیم سے تعلق ہے۔ ورنہ تاریخ بہ ذاتِ خود ایک حد تک دین کو سمجھنے میں مفید و معاون تو ہوسکتی ہے لیکن دین میں شامل نہیں ہے۔ بعینہ اسی طرح جیسے مادی اور سائنسی علوم دین کو سمجھنے میں یقیناً مفید و معاون ہیں۔ قرآن کریم میں توحید اور آخرت کے عقائدِ صحیحہ کو سمجھانے کے لئے آسمانوں اور زمین کی پیدائش، رات اور دن کے آنے جانے، ہواؤں اور بادلوں کے اٹھنے، بارش کے برسنے اور بنجر زمین کے دوبارہ زرخیز اور درختوں کے اگنے اور لاتعداد انواع کے حیوانات کے پیدا ہونے وغیرہ کو جابہ جا بہ طور دلیل لایا گیا ہے۔ حال آں کہ یہ مادی علوم بالاتفاق دین کا حصہ نہیں ہیں۔ اگر ان مادی علوم میں کسی غلط جزیئے پر پوری امت بھی بل کہ پوری دنیا بھی متفق ہوجائے یا کسی دور میں متفق رہی ہو تو اس سے دینی ضرر لازم نہیں آتا۔ مثلاً بسیط عناصر کی تعداد اب سو سے بھی اوپر دریافت ہوچکی ہے لیکن دیگر اقوام وملل کی طرح امت مسلمہ بھی عناصر اربعہ کی قائل رہی ہے۔ اس طرح کے غلط سائنسی نظریات دین کے لئے اس وقت مضر ثابت ہوتے ہیں جب انہیں ''بدعت حسنہ'' یا کسی بھی اور نام اور بہانے سے دین کا حصہ سمجھ لیا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ اہل حق ہمیشہ سے متنبہ کرتے چلے

آ رہے ہیں کہ سائنسی نظریات کا قرآن وسنت کی تشریح میں بلا امتیاز حوالہ نہ دیا جائے اور ان کی خاطر قرآن وسنت کی نصوص ظاہرہ کی دور از کار تاویلات ہرگز نہ کی جائیں جو بسا اوقات خاصی مضحکہ خیز بھی ہوتی ہیں۔ کیوں کہ یہ سائنسی نظریات تو آئے دن بدلتے رہتے ہیں اور نئی تحقیق بھی بسا اوقات ظن کا فائدہ دیتی ہے، اس سے بھی یقین قطعی حاصل نہیں ہوتا۔ مثلاً کسی زمانے میں قوانین فطرت کو اٹل اور نا قابل تغیر و تبدل، دائمی اور آفاقی قرار دیا جاتا تھا۔ لیکن بعد میں اس کی جگہ اصول لاتعینیت (Pricniple of Uncertainty) نے لے لی۔ اس سے پہلے دور حاضر کے نام نہاد روشن خیال محققین کی طرح ماضی میں بھی ایسے ہی متعدد فضلا نے معجزات و کرامات وغیرہ کا انکار کر دیا اور ان کی خاصی مضحکہ خیز تاویلات کیں۔ اسی طرح اگر سب لوگ کسی تاریخی جزیے پر غلط بھی متفق ہو جائیں تو نہ یہ عقلاً محال ہے اور نہ ہی شرعاً۔ یہود و نصاریٰ ایک وقت میں اس غلط خیال پر متفق ہو گئے اور اب تک متفق چلے آ رہے ہیں کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کو سولی دی گئی تھی۔ بات یہیں تک رہتی تو چنداں حرج نہ تھا۔ لیکن اس پر عقیدۂ کفارہ اور عقیدۂ تثلیث جیسے مشرکانہ عقائد کی بنیاد رکھی گئی اور اس غلط تاریخی جزیے کو دین میں داخل کر دیا گیا تو قرآن کریم میں بجا طور پر اس کی سخت تردید کی گئی۔ بعینہ اسی طرح جب تک اس غلط فہمی کو دین کا حصہ نہیں بنایا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس ربیع الاول میں پیدا ہوئے تھے وہ ہماری ہجری قمری تقویم والا ربیع الاول تھا تو اس غلط فہمی کے باوجود کوئی دینی ضرر لازم نہ آیا۔ بعد میں جب اسے دین سمجھ لیا گیا اور ربیع الاول قمری میں طرح طرح کی رسوم وجود پذیر ہوئیں تو اہل حق نے بجا طور پر ان محدثات کا تعاقب تو ضرور کیا لیکن یہ غلط فہمی پھر بھی اپنی جگہ پر قائم رہی کہ ولادت مبارکہ کا مہینہ ربیع الاول خالص قمری تقویم کا تھا۔ اب یہ غلط فہمی بحمداللہ ہم نے پوری طرح واضح کر دی ہے تو جسے بھی صحیح حقیقت کا علم ہو جائے اسے اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے۔

تاسعاً دینی امور میں بھی اجماع کا غلط ہونا محال عقلی نہیں بل کہ مُحال شرعی ہے۔ اجماع کا تصور تو نبی کی وفات کے بعد ہی قابل قبول ہوسکتا ہے۔ نبی معصوم عن الخطا ہونے کی وجہ سے اپنی دنیوی حیات طیبہ میں عوام وخواص کا مرجع ہوتا ہے، اس لئے کسی بھی دینی مسئلے میں اجماع کی ضرورت ہی پیش نہیں آتی اور اگر شاذ و نادر صورتوں میں نبی کی ایسی رائے کے خلاف سب لوگ اکٹھے بھی ہو جائیں جو وحی پر مبنی ہو یا وحی سے اس کی تائید و توثیق ہو جائے تو لوگوں کی اس کے خلاف متفقہ رائے بھی ہرگز قابل قبول نہیں ہوگی اور اسے ہرگز اجماع شرعی کا اصطلاحی نام نہیں دیا جائے گا۔ غور کیجیے کہ اگر بہ ظاہر مسلمانوں کے مفاد کے خلاف نظر آنے والی صلح نامہ حدیبیہ کی شرائط پر صحابہ کرامؓ سے مشورہ لیا جاتا تو ایک بھی صحابیٔ رسول اس کے حق میں رائے نہ دیتا۔ چناں چہ جب صلح نامے کی تکمیل کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے

ساتھیوں کو عمرے کا احرام کھولنے اور قربانی کے لئے لائے گئے جانوروں کے ذبح کرنے کا حکم دیا تو پہلے پہل ایک بھی صحابی اس حکم کی تعمیل کے لئے نہ اٹھا۔ پھر جب آپ شریک سفر اپنی زوجہ محترمہ ام المومنین حضرت ام سلمہؓ کے صائب مشورے پر قربانی کا اپنا جانور خود ذبح کرنے کے لئے اٹھے تو اصحاب نے بھی آپ کا ساتھ دیا اور اپنے اپنے قربانی کے جانور ذبح کرنا شروع کئے۔ جب وہ ایک دوسرے کے بال مونڈنے اور کاٹنے لگے تو شدت غم کی وجہ سے لگتا یوں تھا کہ وہ ایک دوسرے کے گلے کاٹ بیٹھیں گے۔
پس اجماع کا غلط ہونا محالِ شرعی ہے، محال عقلی ہرگز نہیں ہے اور اجماعِ شرعی کا تعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دنیوی حیوٰۃ طیبہ کے بعد پیدا ہونے والے دینی مسائل سے ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم چوں کہ خاتم النبین ہیں اس لئے اگر آپ کے بعد کسی دینی مسئلے پر پوری امت کا اجماع غلط ہو تو اس کی اصلاح کے لئے کوئی نیا نبی تو آئے گا نہیں، لہٰذا اجماعِ شرعی کا ہمیشہ صحیح اور حجت ہونا صرف امتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے خصائص میں سے ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ جو مسبب الاسباب ہے وہ کبھی ایسے اسباب پیدا ہی نہیں فرمائے گا کہ کسی غلط دینی جزیئے پر پوری امت متفق ہو جائے۔ اب خود غور کیجیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ورحلت کی تواریخ دینی جزئیات نہیں ہیں لہٰذا ان پر اگر بالفرض اجماع بھی ہو جاتا تو بھی اس کا ہر حال میں صحیح ہونا ہرگز ضروری نہ ہوتا۔ سب اہل علم جانتے ہیں کہ ولادتِ مبارکہ کا گو مشہور ترین مہینہ ربیع الاول بیان کیا جاتا ہے، لیکن متقدمین نے مہینہ رمضان المبارک بھی تو بیان کیا ہے، اجماع کہاں رہا؟ سب اہل علم جانتے ہیں کہ ولادتِ مبارکہ کی مشہور ترین تاریخ ۱۲ ربیع الاول ہے، لیکن بہت سے اہل سیر نے تاریخ ۸ ربیع الاول بھی تو بیان کی ہے، اجماع کہاں رہا؟ سب کا اس پر اتفاق ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا مہینہ ربیع الاول ہے اور مشہور ترین تاریخ ۱۲ ربیع الاول ہے، لیکن بعض اہل علم نے اختلاف کرتے ہوئے اسے یکم اور دو ربیع الاول بھی تو قرار دیا ہے، اجماع کہاں رہا؟ البتہ اس پر سب متفق ہیں کہ ولادت ووفات، نزول وحی اور ہجرت کے موقع پر ورودِ قبا کا دن سوموار ہے۔ ہم پر کسی اجماع کی خلاف ورزی کا الزام اس لئے بھی غلط ہے کہ ہم نے آپ کے ربیع الاول میں پیدا ہونے کا ہرگز انکار نہیں کیا ہے۔ ہمارا دعویٰ تو صرف یہ ہے کہ یہ ربیع الاول ہرگز خالص اور اصل قمری تقویم کا ربیع الاول نہیں ہے۔ ہم شرعی احکام کی تعمیل کے لئے جس شرعی تقویم پر عمل پیرا ہونے کے شرعاً مکلّف اور پابند ہیں وہ خالص قمری تقویم ہے، جسے ہجری تقویم کہا جاتا ہے۔ جس ربیع الاول میں آپ پیدا ہوئے وہ نسی پر مبنی قمریہ شمسی تقویم کا قمریہ شمسی ربیع الاول ہے۔ بہ الفاظ دیگر عربوں کی خود ساختہ، اور جعلی تقویم کا جعلی ربیع الاول ہے۔ خالص قمری تقویم کا مہینہ رمضان المبارک تھا۔ ہم یہاں یہ کہنا چاہتے ہیں کہ بالفرض پوری امت کا

اس پر اجماع ہوتا بھی کہ ولادت کا مہینہ ربیع الاول خالص قمری تقویم کا تھا تو بھی چوں کہ یہ دینی جزئیہ نہیں ہے لہٰذا خارجی حقائق اور ناقابل تردید دلائل کے روشنی میں ایسا کوئی (مفروضہ) اجماع ایسے ہی غلط قرار پاتا جیسے عناصر کے چار ہونے پر حقیقی اجماع آج غلط ثابت ہو چکا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ جس اجماع کو دین میں حجت اور شریعت کے مآخذ ومصادرِ اربعہ میں ایک ماخذ قرار دیا جاتا ہے وہ صرف اور صرف دینی امور سے متعلق ہے، دنیوی امور سے ہرگز اس کا تعلق نہیں۔ پس اگر بالفرض پوری امت بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ووفات کی غلط تواریخ پر متفق بھی ہوتی تو نہ تو اسے عقلاً محال قرار دیا جا سکتا ہے اور نہ ہی شرعاً محال ٹھہرایا جا سکتا ہے۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کا خاص کرم اور حسن اتفاق ہے کہ ایسا کوئی اجماع سر سے موجود ہی نہیں جیسا کہ ہم اوپر واضح کر چکے ہیں۔

عاشراً بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ کسی صحیح عقیدے، نظریے اور جزیئے کی جگہ پر کوئی غلط عقیدہ، نظریہ اور جزئیہ معاشرے میں ایسا مشہور اور رواں دواں ہو جاتا ہے کہ عوام تو ایک طرف رہے اکثر خواص بھی صحیح حقیقت کو فراموش کر چکے ہوتے ہیں اور اپنے ذہن میں افکار باطلہ کا ایک خوش نما تاج محل تعمیر کر لیتے ہیں۔ اب اگر اللہ کا کوئی بندہ انہیں سیدھی راہ دکھائے اور نہایت شستگی اور شائستگی سے بھی انہیں اصل حقیقت سے باخبر کرے تو اس کی بات کو غور سے سننے اور اس کے پیش کردہ دلائل وشواہد کو سمجھنے کی بہ جائے فوراً تکذیب پر اس لئے آمادہ ہو جاتے ہیں کہ جو خوش نما تاج محل انہوں نے اپنے قلب وذہن میں تعمیر کر رکھا ہوتا ہے اسے شکستہ اور مسمار ہوتے دیکھنا پسند نہیں کرتے اور یہ دلیل دیا کرتے ہیں کہ اس طرح کی نئی باتیں ہم نے کبھی سنی ہی نہیں لہٰذا ہم انہیں کیوں قبول کریں؟ حال آں کہ یہ بالکل کوئی نئی بات نہیں ہوتی بل کہ فراموش کردہ پرانی بات ہی ہوتی ہے۔ یہی حادثہ قریش مکہ اور دیگر مشرک قبائل عرب کے ساتھ پیش آیا تھا۔ وہ توحید کا سبق بھول چکے تھے جیسے انبیاے سابقین نے اپنے اپنے وقت میں لوگوں کے سامنے پیش فرمایا تھا۔ چناں چہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ان کا یہ بھولا ہوا سبق یاد دلایا اور انہیں دعوتِ توحید دی تو ان کا جواب یہ تھا: **ماسمعنا بهذا فی الملّة الأخرة ان هٰذا الّا اختلاق** (۳۰/ ج) ''ہم نے تو یہ بات پچھلے دین میں نہیں سنی، یہ تو محض گھڑی ہوئی بات ہے''۔ ہم بھی اپنے مسلمان بھائیوں کو یہ یاد دلانا چاہتے ہیں کہ ہمارے متقدمین مثلاً تیسری صدی ہجری کے نام ور ماہر ایام وانساب زبیر بن بکّار نے ولادتِ مبارکہ کا مہینہ رمضان المبارک بیان کیا ہے۔ یہ خالص قمری تقویم کی توقیت ہے۔ جنہوں نے ربیع الاول کا مہینہ بیان کیا ہے تو یہ قمریہ شمسی تقویم کی توقیت ہے۔ صرف یہی ایک واقعہ نہیں جس کی توقیت دونوں تقاویم میں ہوئی ہو بل کہ کوئی درجن بھر کے قریب واقعات کی توقیت دونوں

تقادیم میں ہوئی ہے جن میں سے سات واقعات کی مثالیں ہم نے سابقہ سطور میں سوال نمبر ۸ کے جواب میں پیش کی ہیں۔ تلک عشرۃ کاملۃ۔

۱۳۔ سوال نمبر۱۳:

اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادتِ مبارکہ کا ربیع الاول قمریہ شمسی تقویم کا ہے تو یہ بھی تو ممکن ہے کہ اس سال خالص قمری تقویم کا ربیع الاول بھی اس کے مقابل آ گیا ہو اور دونوں تقادیم کے ربیع الاول اس سال اکٹھے ہو گئے ہوں۔ آپ کے پاس اس کے خلاف کیا ثبوت ہے؟

جواب: ۔ مشہور ترین قول کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک ۶۳ سال ہے۔ چوں کہ دور نبوی میں حجۃ الوداع تک قمریہ شمسی تقویم غالب اور خالص قمری تقویم مغلوب رہی اور چوں کہ نہایت ہی معمولی فرق کے ساتھ قمریہ شمسی سال کی دنوں میں مدت شمسی سال کے برابر ہوتی ہے اور چوں کہ عیسوی تقویم شمسی تقویم ہے اور چوں کہ عیسوی تقویم میں آپ کا سال وفات بالاتفاق ۶۳۲ عیسوی جیولین ہے لہٰذا عیسوی تقویم میں آپ کا سال ولادت (۶۳۲۔۶۳)= ۵۶۹ عیسوی جیولین ہوا۔ ان مباحث میں بارہا ثابت ہو چکا ہے کہ دور جاہلیت اور دور نبوی کے عربوں کی قمریہ شمسی تقویم کے مہینے محرم کی پہلی تاریخ عیسوی تقویم کی ۲۷ اگست سے ۲۶ ستمبر کی تواریخ کے درمیان ہوا کرتی تھی یعنی محرم قمریہ شمسی کا بڑا حصہ اکثر و بیشتر سالوں میں عیسوی ستمبر کے مقابل ہوا کرتا تھا، بس صفر قمریہ شمسی کا بڑا حصہ عیسوی اکتوبر اور ربیع الاول قمریہ شمسی کا بڑا حصہ عیسوی نومبر کے مقابل ہوا کرتا تھا۔ سابقہ مباحث میں یہ بھی بارہا بیان ہو چکا ہے کہ دور جاہلیت کے عربوں کا حج ہمیشہ نسی پر مبنی قمریہ شمسی تقویم کے ذی الحجہ میں ہوا کرتا تھا اور بہ قول البیرونیؒ کوئی ۲۰۰ قبل ہجرت یعنی ہجرت سے دو سو سال پہلے سے یہ سلسلہ چلا آ رہا تھا۔ یہ بھی بتایا جا چکا ہے کہ متقدمین اہل سیر مثلاً ابن سعد وغیرہ اور علامہ سہیلیؒ نے یہ لکھا ہے کہ نسی پر مبنی تقویم کا یہ ذی الحجہ اصل قمری ذی الحجہ کے مقابل سال ہا سال کے بعد جا کر ہوا کرتا تھا ورنہ اکثر و بیشتر سالوں میں اس کے مقابل خالص قمری تقویم کے دوسرے مہینے ادل بدل کر آتے رہتے تھے۔ یہ بھی واضح کیا جا چکا ہے کہ ابرھہ نے مکہ پر ناکام لشکر کشی اس لئے کی تھی کہ عربوں نے اس کے فرمان کے مطابق اس کے تعمیر کرائے ہوئے کلیسا کا نہ صرف یہ کہ حج نہیں کیا تھا بل کہ نسی کا تیرہواں مہینہ بڑھانے والے قبیلے بنو کنانہ کے ایک فرد نے اسے نجاست سے آلودہ کر دیا تھا۔ جس ذی الحجہ میں ابرھہ یہ امید لگائے بیٹھا کہ عرب اس کے بنائے ہوئے کلیسا کا حج کریں گے تو یہ قمریہ شمسی تقویم کا ذی الحجہ تھا۔ اس سے متصلاً بعد جس محرم میں اس نے ناکام لشکر

کشی کی تو لامحالہ یہ محرم بھی قمریہ شمسی تقویم کا ہوا۔ اس کے حملے کے پچاس دنوں کے بعد جس ربیع الاول میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادتِ مبارکہ ہوئی تو لامحالہ یہ ربیع الاول بھی قمریہ شمسی تقویم کا ہی تھا۔ چوں کہ عیسوی تقویم میں آپ کا سال ولادت ۵۶۹ عیسوی جیولین ہے اور چوں کہ ربیع الاول قمریہ شمسی عیسوی نومبر کے مقابل ہوا کرتا تھا۔ لہٰذا عیسوی سال ۵۶۹ کے نومبر کے بالمقابل عربوں کا قمریہ شمسی ربیع الاول ہوا۔ اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ نومبر ۵۶۹ عیسوی میں خالص قمری تقویم کا مہینہ کون سا ہوسکتا ہے۔ وہی قمری مہینہ قمریہ شمسی ربیع الاول کے مقابل ٹھہرے گا۔ ہماری حسابی تخریج پر ممکن ہے کسی کو شک ہو۔ آپ تقویم پر معتبر کسی بھی کتاب مثلاً محترم ضیاء الدین لاہوری کی جوہر تقویم کی طرف مراجعت فرما سکتے ہیں۔ جوہر تقویم میں یکم نومبر ۵۶۹ عیسوی جیولین کے مقابل خالص قمری تقویم کی تاریخ ۵ رمضان المبارک ۵۵ قبل ہجرت اور دن جمعہ لکھا ہے۔ پس ۴ نومبر ۵۶۹ عیسوی جیولین کو خالص قمری تقویم کی تاریخ ۸ رمضان المبارک ۵۵ قبل ہجرت اور دن ٹھیک سوموار ہوا۔ مذکورہ بالا وضاحت کے مطابق اس کے مقابل قمریہ شمسی تاریخ ۸ ربیع الاول ۵۳ قبل ہجرت قمریہ شمسی ہوئی۔ قمریہ شمسی سال اور اسی طرح شمسی سال کی دنوں میں مدت خالص قمری سال کی دنوں میں مدت سے کوئی گیارہ دن زائد ہوتی ہے۔ اس لئے ۵۵ قمری سالوں کے قمریہ شمسی اور شمسی سال ۵۳ ہوتے ہیں۔ یکم محرم ۱ ہجری قمری کو عیسوی تاریخ ۱۶ جولائی ۶۲۲ عیسوی جیولین اور دن جمعہ تھا۔ یعنی ہجری قمری تقویم کے آغاز سے پہلے ۶۲۱ عیسوی سال گزر چکے تھے۔ لہٰذا قبل ہجرت سالوں سے ۶۲۲ سال اور بعد ہجرت عیسوی سالوں سے ۶۲۱ سال منہا کئے جائیں تو قمریہ شمسی ہجری سال برآمد ہوگا۔ چناں چہ ۵۶۹ عیسوی جیولین میں قمریہ شمسی ہجری سال (۶۲۲ ـ ۵۶۹) = ۵۳ قبل ہجرت قمریہ شمسی ہوا۔ یوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادتِ مبارکہ کی تاریخ ۸ ربیع الاول ۵۳ قبل ہجرت قمریہ شمسی مطابق ۸ رمضان المبارک ۵۵ قبل ہجرت قمری مطابق ۴ نومبر ۵۶۹ عیسوی بہ روز سوموار کی ہوئی۔

اب اگر کوئی صاحب ناحق یہ دعویٰ کریں کہ ولادت مبارکہ کا عیسوی سال ۵۶۹ عیسوی نہیں بل کہ ۵۷۰ عیسوی یا ۵۷۱ عیسوی ہے تو بھی انہیں کوئی مفاد حاصل نہ ہوگا۔ جوہر تقویم میں یکم نومبر ۵۷۰ عیسوی جیولین کے مقابل قمری تاریخ ۱۶ رمضان المبارک ۵۴ قبل ہجرت قمری اور یکم نومبر ۵۷۱ عیسوی جیولین کے مقابل تاریخ ۲۶ رمضان المبارک ۵۳ قبل ہجرت قمری ملے گی، یعنی کسی بھی صورت میں رمضان المبارک سے پیچھا نہیں چھڑایا جاسکتا۔ یہ صرف اسی صورت میں ممکن ہے کہ سال ولادت کو عیسوی تقویم میں ۵۷۱ عیسوی جیولین قرار دیا جائے اور ولادت مبارکہ کے مہینے ربیع الاول کو محض تحکم سے خالص قمری تقویم کا سمجھا جائے۔ لیکن کوئی بھی سلیم الطبع اور انصاف پسند شخص اس تحکم کو قبول نہیں کرسکتا، کیوں کہ جس ذی الحجہ میں

عربوں نے ابرھہ کے بنوائے ہوئے کلیسا کا حج نہیں کیا تھا وہ یقیناً قمریہ شمسی تقویم کا ذی الحجہ تھا ورنہ بتائیے کہ ابن ہشام کو کیا ضرورت تھی کہ ابرھہ کے حملے کے ضمن میں ان قلامسہ اور نُساۃ (ناسیوں) کا بھی تفصیل سے ذکر کرے جو مخصوص سالوں میں ایام حج میں نسی کا تیرہواں مہینہ بڑھانے کا اعلان کیا کرتے تھے، جن کا تعلق قبیلہ بنو کنانہ سے تھا۔ یہ بھی سوچئے کہ قبیلہ بنو کنانہ کے ہی ایک شخص نے ابرھہ کے تعمیر کرائے ہوئے کلیسا کی کیوں بے حرمتی کی تھی۔ یہ بھی خیال کیجیے کہ البیرونیؒ نے اگر لکھا ہے کہ دور جاہلیت کے عرب ہجرت سے دو سو سال پہلے سے اپنی خالص قمری تقویم کو قمریہ شمسی میں بدل چکے تھے، تاکہ ان کا حج خاص موسم میں متعین ہو جائے تو جھوٹ نہیں لکھا۔ اس پر بھی غور کیجیے کہ اگر امام رازیؒ نے تفسیر کبیر میں آیت نسی کی تفسیر اور اس کے متعلقات کے سلسلے میں یہ لکھا ہے کہ عربوں نے اپنے حج کے مہینوں کو خاص موسم میں متعین کرنے کے لئے یہودیوں کی پیروی کرتے ہوئے اپنی خالص قمری تقویم کو شمسی تقویم کی طرح (یعنی قمریہ شمسی تقویم) بنا دیا تھا تو انہوں نے (معاذ اللہ) کوئی گپ شپ نہیں لگائی۔ یہ بھی سوچئے کہ اگر ابن سعد، علامہ ابن کثیرؒ نے لکھا ہے کہ عربوں کا حج خالص قمری ذی الحجہ میں کبھی کبھار ہی ہوا کرتا تھا ورنہ اکثر سالوں میں وہ دوسرے قمری مہینوں میں حج کیا کرتے تھے اور یہ سب کچھ نسی کی رسم کی وجہ سے تھا تو انہوں نے غلط بیانی نہیں کی۔ یہ بھی سمجھ لیجیے کہ اگر مولانا عبدالقدوس ہاشمیؒ نے ''تقویم تاریخی'' میں لکھا ہے کہ دور جاہلیت کے عربوں کا حج صرف دو سال کے لئے خالص قمری ذی الحجہ میں اور پھر سال ہا سال تک باری باری دوسرے قمری مہینوں میں ہوا کرتا تھا تو کچھ سوچ سمجھ کر ہی لکھا ہوگا۔ الغرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادتِ مبارکہ کا ربیع الاول ہرگز (پھر دہرائیے) ہرگز خالص قمری تقویم کا صحیح اور خالص ربیع الاول نہیں بل کہ دورِ جاہلیت کے عربوں کی من گھڑت، خود ساختہ جعلی قمریہ شمسی تقویم کا جعلی اور من گھڑت ربیع الاول تھا۔ خالص قمری مہینہ رمضان المبارک کا تھا۔ جب یہ نسی کی رسم بالاتفاق حجۃ الوداع کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہ حکم الٰہی منسوخ فرما دی اور جب خالص قمری تقویم ہی محسوب ہونے لگی تو آپ کی وفات کا ربیع الاول یقیناً خالص قمری تقویم کا قمری ربیع الاول تھا۔ یعنی وہی ربیع الاول جو ہماری خالص قمری ہجری تقویم میں ہر سال آیا کرتا ہے۔ آئندہ مباحث میں ہم متعلقہ اجتماع شمس وقمر (ولادت قمر) کی تاریخ اور وقت کی روشنی میں یہ واضح کر دیں گے کہ آپ کی اس دار فانی سے عالم بقاء کی جانب رحلت کی تاریخ مدنی رویئت ہلال کے اعتبار سے ٹھیک ۱۲ ربیع الاول ۱۱ ہجری قمری بہ روز سوموار کی ہے تو ایمانداری سے بتائیے کہ جس مہینے میں آپ کی ولادت یعنی خالص قمری ربیع الاول میں سرے سے ہوئی ہی نہیں اور جو مہینہ یعنی خالص قمری ربیع الاول آپ کی وفات کا مہینہ ہے اور جو مہینہ اور جو تاریخ صحابہ کرام اور اہل

بیت رضی اللہ عنہم کے لئے انتہائی رنج والم کا باعث ہو تو عقیدت ومحبت کے دھوکے میں اس میں جشنِ ولادت منانا اور خوشی ومسرت کے اظہار کے روز افزوں طریقے ایجاد کرنا کیا معنی رکھتا ہے؟ ہم جو کچھ نادان دوستی سے کرتے رہے ہیں۔ اس پر ہمیں سچے دل سے اللہ تعالیٰ سے توبہ کرنی چاہیے۔ بے شک اللہ تعالیٰ بڑا ہی بخشنے والا اور نہایت ہی مہربان ہے۔ اگر جاننے پہچاننے کے باوجود ربیع الاول قمری میں یہ مشاغل جاری رکھے جائیں تو کیا یہ صحابہ کرامؓ اور اہل بیتؓ کی دل آزاری نہیں ہے؟ کیا ان حضرات کی دل آزاری خود (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا پہنچانے کے مترادف نہیں ہے؟ سورۂ احزاب کی اس آیت پر بھی غور فرمالیجیے: انّ الذین یؤذون اللہ ورسولہ لعنھم اللہ فی الدنیا والاٰخرۃ واعدّ لھم عذاباً مھیناً (۳۱/ الف) ''بے شک جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو تکلیف پہنچاتے ہیں اللہ نے ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت کی ہے اور ان کے لئے رسوا کن عذاب تیار کر رکھا ہے''۔ یاد رکھیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرامؓ اور اہل بیت عظامؓ کی محبت وعقیدت کے دھوکے میں غیر شعوری توہین اگر موجب گرفت ومواخذہ نہ بھی ہو تو بھی موجب برکت ہرگز (پھر دہرایئے) ہرگز نہیں ہوسکتی۔ ربیع الاول قمری میں جب سے ان محدثات نے زور پکڑا ہے عالم اسلام کے ادبار وزوال میں تسلسل سے اضافہ ہی ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہماری مغفرت فرمائے آمین یارب العالمین

الغرض ولادتِ مبارکہ کا قمری مہینہ ربیع الاول قمری ہرگز نہیں، بل کہ رمضان المبارک قمری ہے۔ چوں کہ دور جاہلیت میں مکے میں قمریہ شمسی تقویم ہی رائج تھی، اسی کے مطابق حج اور عمرہ ہوا کرتا تھا لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کا قمریہ شمسی مہینہ ربیع الاول جو مشہور ہوگیا تو ایسا ہونا عین قرین فہم ہے اس قمریہ شمسی ربیع الاول کی تاریخ ۸ ربیع الاول تھی۔ چناں چہ علامہ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں کہ ''ولادت کے متعلق ۸ ربیع الاول کا قول بھی ہے۔ اسے حمیدیؒ نے ابن حزمؒ سے روایت کیا ہے اور اسی کی روایت مالک، عقیل اور یونس بن یزید وغیرہ نے زہری سے اور زہری نے محمد بن جبیر بن مطعم سے کی ہے۔ ابن عبدالبر سے منقول ہے کہ اصحاب تاریخ نے اسی قول کو صحیح قرار دیا ہے اور حافظ کبیر محمد بن موسیٰ الخوارزمی نے تو اسے قطعی صحیح قرار دیا ہے اور اسی قول کو حافظ ابوالخطاب بن دحیہ نے ترجیح دی ہے'' (۳۱/ ب) ابن حبیب بغدادی نے بھی تاریخ ولادت ۸ ربیع الاول ہی قرار دی ہے اور لکھا ہے کہ سال ولادت میں یکم محرم کو جمعہ کا دن تھا۔ ابرھہ کا حملہ ۱۷ محرم کو ہوا تھا اور اس کے پچاس روز بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت ہوئی۔ (۳۱/ ج) اور بہ قول ابن کثیرؒ مشہور ترین قول کے مطابق آپ کی ولادتِ مبارکہ عام الفیل میں ابرھہ کے حملے کے پچاس دن بعد ہوئی تھی''۔ (۳۲/ الف) شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ لکھتے ہیں'' اور آٹھ

ربیع الاول کا قول بھی ہے۔ شیخ قطب الدین عسقلانیؒ کے بہ قول اکثر محدثین نے اسی قول کو اختیار کیا ہے اور یہی قول ابن عباسؓ اور جبیر بن مطعم سے منقول ہے اور اسے ان لوگوں نے اختیار کیا ہے جنہیں اس طرح کے امور کی معرفت حاصل ہے۔ اور اسی قول کو حمیدی اور ان کے شیخ ابن حزم نے اختیار کیا ہے اور قاضی نے عیون المعارف میں اس قول پر اہل سیر کا اجماع نقل کیا ہے اور اسی کی روایت زہری نے محمد بن جبیر بن مطعم سے کی ہے جو نسب اور ایام عرب کے ماہر تھے''۔ (۳۲/ب) ہم سال ۵۶۹ عیسوی جیولین کی متعلقہ عیسوی تواریخ کے مقابل قمریہ شمسی اور قمری تقاویم کے مہینوں کی تقابلی جدول پیش کرتے ہیں:

عیسوی جیولین	دن	قمریہ شمسی قبل ہجرت	قمری قبل ہجرت	تاریخ قران	وقت قران
۱۳۰ اگست ۵۶۹ عیسوی	جمعہ	یکم محرم ۵۳ قبل ہجرت	یکم رجب ۵۵ قبل ہجرت	۱۲۸ اگست	۳:۴۵
۲۸ ستمبر	ہفتہ	یکم صفر	یکم شعبان	۲۶ ستمبر	۱۲:۵۳
۱۲۸ اکتوبر	سوم وار	یکم ربیع الاول	یکم رمضان	۱۲۵ اکتوبر	۲۲:۴۰
۲۷ نومبر	بدھ	یکم ربیع الثانی	یکم شوال	۲۴ نومبر	۹:۳۱

دورِ جاہلیت اور دورِ رسالت کے عربوں کی قمریہ شمسی تقویم کے محرم کی پہلی تاریخ ۱۲۷ اگست سے ۲۶ ستمبر کی عیسوی تواریخ کے درمیان ہوا کرتی تھی۔ مذکورہ بالا جدول سے معلوم ہو رہا ہے کہ یکم محرم ۵۳ قبل ہجرت قمریہ شمسی کے مقابل عیسوی تاریخ ۱۳۰ اگست ۵۶۹ عیسوی جیولین تھی اور یکم محرم کا دن واقعی جمعہ ہی تھا، جیسا کہ ابن حبیب بغدادی نے لکھا ہے۔ اس محرم ۵۳ قبل ہجرت قمریہ شمسی کے مقابل خالص قمری تقویم کا مہینہ رجب ۵۵ قبل ہجرت قمری ہے۔ ابرھہ کے حملے کی تاریخ ابن حبیب بغدادی نے ۱۷ محرم لکھی ہے۔ جدول سے معلوم ہو رہا ہے کہ محرم قمریہ شمسی/ رجب قمری کا یہ مہینہ ۲۹ دن کا تھا۔ ۱۷ محرم سے ۲۹ محرم تک تیرہ دن ہوئے۔ اس کے بعد صفر قمریہ شمسی/ شعبان قمری کا مہینہ ۳۰ دن کا ہوا تو دنوں کی تعداد (۱۳+۳۰)= ۴۳ دن ہوئی۔ اس میں ربیع الاول قمریہ شمسی/ رمضان قمری کے سات دن جمع کرنے سے دنوں کی تعداد ۵۰ دن ہوئی اور ۵۰ دن کے بعد تاریخ ۸ ربیع الاول قمریہ شمسی/ ۸ رمضان المبارک قمری ہوئی۔ یکم ربیع الاول قمریہ شمسی کو سوم وار کا دن تھا، لہٰذا ۸ ربیع الاول قمریہ شمسی کو بھی ٹھیک سوم وار ہی کا دن ہوا۔ یعنی اہل سیر نے ولادتِ مبارکہ کی تاریخ جو ۸ ربیع الاول بہ روز سوم وار کی بیان کی ہے تو جدید تحقیق میں حسابی شواہد اور متعلقہ اوقاتِ قران سے بھی اس کی بھر پور تائید و توثیق ہو رہی ہے۔ تاہم یہ ربیع الاول ہماری ہجری تقویم والا قمری ربیع الاول ہرگز نہیں بل کہ عربوں کی خود ساختہ جعلی تقویم (قمریہ شمسی تقویم) کا

جعلی ربیع الاول یعنی قمریہ شمسی ربیع الاول ہے، جس کے مقابل خالص اور اصل قمری تقویم کی تاریخ ۸ رمضان المبارک ہے۔ پس ۱۲ ربیع الاول کو یوم ولادت قرار دینا یقینی اور قطعی حسابی شواہد کی بنا پر صریحاً غلط ٹھہرتا ہے۔ ضروری نہیں کہ کسی چیز کی شہرت اس کے صحیح ہونے کی بھی دلیل ہو۔ اکابر کے اقوال کا صحیح ہونا متعلقہ دلائل وشواہد کی بنا پر ہونا چاہیے، نہ کہ محض شخصیات کو معیارِ صحت گردانا جائے۔ حضرات انبیا علیہم السلام کے بعد کوئی بھی معصوم عن الخطا نہیں ہے۔

۱۴۔ سوال نمبر ۱۴:

آپ نے اہل سیر کے حوالے سے یہ جو بتایا ہے کہ خالص قمری تقویم کا ذی الحجہ، نسی پر مبنی قمریہ شمسی تقویم کے ذی الحجہ کے مقابل ۳۳ سال کے بعد اور وہ بھی صرف دو تین سال کے لئے ہی ہوا کرتا تھا، اس کی مزید وضاحت مطلوب ہے۔ اسی کی روشنی میں قمریہ شمسی ربیع الاول کی وضاحت بھی مطلوب ہے۔

جواب: ۔فرض کیجیے کہ کسی سال خالص قمری تقویم کا ذی الحجہ اور نسی پر مبنی قمریہ شمسی تقویم کا ذی الحجہ دونوں اکٹھے ہو گئے ہوں اور فرض کیجیے کہ وہ سال قمریہ شمسی تقویم کے اعتبار سے ۱۹ سالہ دور کا پہلا سال ہو تو ۳۳ سالوں تک خالص قمری ذی الحجہ کے مقابل قمریہ شمسی مہینوں کے چال یوں ہوگی۔ ان میں مکبوس (تیرہ مہینوں والے) سالوں کو ہم بین القوسین () کریں گے اور نسی کے تیرہویں مہینے کی وجہ سے مکبوس قمریہ شمسی سالوں میں ذی الحجہ قمریہ شمسی کے مقابل ایک ایک قمری مہینہ بڑھتا چلا جائے گا، یہاں تک کہ ۳۳ سالوں کے بعد قمریہ شمسی اور قمری ذی الحجہ پھر ایک دوسرے کے مقابل آ جائیں گے:

سال نمبر	قمریہ شمسی مہینہ	قمری مہینہ	سال نمبر	قمریہ شمسی مہینہ	قمری مہینہ
۱	ذی الحجہ	ذی الحجہ	۱۸	ذی الحجہ	جمادی الاخریٰ
۲	ذی الحجہ	ذی الحجہ	(۱۹)	ذی الحجہ	رجب (بہ وجہ نسی)
(۳)	ذی الحجہ	محرم (بہ وجہ نسی)	۲۰	ذی الحجہ	رجب
۴	ذی الحجہ	محرم	۲۱	ذی الحجہ	رجب
۵	ذی الحجہ	محرم	(۲۲)	ذی الحجہ	شعبان (بہ وجہ نسی)
(۶)	ذی الحجہ	صفر (بہ وجہ نسی)	۲۳	ذی الحجہ	شعبان
۷	ذی الحجہ	صفر	۲۴	ذی الحجہ	شعبان
(۸)	ذی الحجہ	ربیع الاول (بہ وجہ نسی)	(۲۵)	ذی الحجہ	رمضان (بہ وجہ نسی)

۹	ذی الحجہ	ربیع الاول	۲۶	ذی الحجہ	رمضان
۱۰	ذی الحجہ	ربیع الاول	(۲۷)	ذی الحجہ	شوال (بہ وجہ نسی)
(۱۱)	ذی الحجہ	ربیع الثانی (بہ وجہ نسی)	۲۸	ذی الحجہ	شوال
۱۲	ذی الحجہ	ربیع الثانی	۲۹	ذی الحجہ	شوال
۱۳	ذی الحجہ	ربیع الثانی	(۳۰)	ذی الحجہ	ذی قعدہ (بہ وجہ نسی)
(۱۴)	ذی الحجہ	جمادی الاولیٰ (بہ وجہ نسی)	۳۱	ذی الحجہ	ذی قعدہ
۱۵	ذی الحجہ	جمادی الاولیٰ	۳۲	ذی الحجہ	ذی قعدہ
۱۶	ذی الحجہ	جمادی الاولیٰ	(۳۳)	ذی الحجہ	ذی الحجہ (بہ وجہ نسی)
(۱۷)	ذی الحجہ	جمادی الاخریٰ (بہ وجہ نسی)			

مذکورہ بالا جدول سے واضح ہے کہ ۳۳ سالوں ؛ قمریہ شمسی ذی الحجہ کے مقابل خالص قمری تقویم کا ذی الحجہ صرف پہلے، دوسرے اور ۳۳ ویں سال میں ہوا ہے۔ باقی تیس سالوں میں قمریہ شمسی ذی الحجہ کے مقابلے میں دوسرے قمری مہینے بدل بدل کر باری باری آتے رہے ہیں۔ پس اہل سیر مثلاً ابن سعد وغیرہ کا لکھنا بالکل درست ہے کہ دور جاہلیت میں اکثر سالوں میں حج دراصل ذی الحجہ میں ہوا ہی نہیں کرتا تھا۔ یوں نسی کی وجہ سے تمام قمری مہینے قمریہ شمسی تقویم میں اپنی اصل جگہ سے تیتس سالوں میں کوئی تیس سال کے لئے ٹل جایا کرتے تھے۔ اسی لئے تو قرآن کریم میں نسی کی مذمت وارد ہے اور اسی لئے تو نسی پر مبنی قمریہ شمسی تقویم کو حجۃ الوداع کے موقع پر منسوخ کر کے اصل قمری تقویم کو بہ حال کیا گیا، جس سے قمری مہینے بھی اپنی اپنی اصل جگہ پر آ گئے۔ اب ہم ربیع الاول قمریہ شمسی کے مقابل قمری تقویم کے مہینوں کی جدول مذکورہ بالا طرز پر پیش کرتے ہیں:

سال نمبر	قمریہ شمسی مہینہ	قمری مہینہ	سال نمبر	قمریہ شمسی مہینہ	قمری مہینہ
۱	ربیع الاول	ربیع الاول	۱۸	ربیع الاول	رمضان
۲	ربیع الاول	ربیع الاول	(۱۹)	ربیع الاول	شوال (بہ وجہ نسی)
(۳)	ربیع الاول	ربیع الثانی (بہ وجہ نسی)	۲۰	ربیع الاول	شوال
۴	ربیع الاول	ربیع الثانی	۲۱	ربیع الاول	شوال
۵	ربیع الاول	ربیع الثانی	(۲۲)	ربیع الاول	ذی قعدہ (بہ وجہ نسی)
۶	ربیع الاول	جمادی الاولیٰ (بہ وجہ نسی)	۲۳	ربیع الاول	ذی قعدہ

۷	ربیع الاول	جمادی الاولیٰ	۲۴	ربیع الاول	ذی قعدہ
(۸)	ربیع الاول	جمادی الاخریٰ (بہ وجہ نسی)	(۲۵)	ربیع الاول	ذی الحجہ (بہ وجہ نسی)
۹	ربیع الاول	جمادی الاخریٰ	۲۶	ربیع الاول	ذی الحجہ
۱۰	ربیع الاول	جمادی الاخریٰ	(۲۷)	ربیع الاول	محرم (بہ وجہ نسی)
(۱۱)	ربیع الاول	رجب (بہ وجہ نسی)	۲۸	ربیع الاول	محرم
۱۲	ربیع الاول	رجب	۲۹	ربیع الاول	محرم
۱۳	ربیع الاول	رجب	(۳۰)	ربیع الاول	صفر (بہ وجہ نسی)
(۱۴)	ربیع الاول	شعبان (بہ وجہ نسی)	۳۱	ربیع الاول	صفر
۱۵	ربیع الاول	شعبان	۳۲	ربیع الاول	صفر
۱۶	ربیع الاول	شعبان	(۳۳)	ربیع الاول	ربیع الاول (بہ وجہ نسی)
(۱۷)	ربیع الاول	رمضان (بہ وجہ نسی)			

مذکورہ بالا جدول سے واضح ہورہا ہے کہ قمریہ شمسی ربیع الاول کے مقابل خالص قمری تقویم کا ربیع الاول صرف تین سالوں (سال ۱، ۲، ۳۳) میں ہی آیا ہے۔ باقی تمیں سالوں میں قمریہ شمسی ربیع الاول کے مقابل خالص قمری تقویم کا ربیع الاول آیا ہی نہیں بل کہ ادل بدل کر دوسرے گیارہ قمری مہینے آتے رہے ہیں۔ یہ بھی معلوم ہورہا ہے کہ سال نمبر ۱۷ میں ربیع الاول قمریہ شمسی کے مقابل خالص قمری تقویم کا مہینہ رمضان کا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عیسوی سال ولادت ۵۶۹ عیسوی جیولین ہے۔ قمریہ شمسی عبرانی تقویم کا سال حسب قواعد (۵۶۹ + ۳۷۶۱) = ۴۳۳۰ خلیقہ تھا۔ اسے ۱۹ پر تقسیم کرنے سے حاصل قسمت ۲۲۷، اور باقی ماندہ عدد ۱۷ ہوا۔ یعنی یہ انیس سالہ عبرانی دور کے اعتبار سے ۲۲۸ ویں دور کا سترہواں سال تھا۔ چناں چہ اس سال بھی ربیع الاول ۵۳ قبل ہجرت قمریہ شمسی کے مقابل خالص قمری تقویم کا مہینہ رمضان المبارک ۵۵ قبل ہجرت قمری تھا۔ اس سے ہم یہ حسابی کلیہ بھی اخذ کرتے ہیں کہ عبرانی تقویم کے کسی ۱۹ سالہ دور کے پہلے سال میں اگر ربیع الاول قمریہ شمسی اور ربیع الاول قمری اکٹھے ہو گئے ہوں تو اسی دور کے سترہویں سال میں قمریہ شمسی ربیع الاول کے مقابل خالص قمری تقویم کا مہینہ رمضان المبارک کا ہوا کرتا ہے۔

۱۵۔ سوال نمبر ۱۵:

عبرانی تقویم کے ایسے انیس سالہ ادوار کی کچھ مثالیں پیش کیجیے، جن کے پہلے سال میں ربیع الاول قمریہ شمسی اور ربیع الاول قمری ایک دوسرے کے مقابل آ گئے ہوں اور پھر ان ہی ادوار کے سترہویں سال میں ربیع الاول قمریہ شمسی کے مقابل خالص قمری تقویم کا رمضان المبارک آیا ہو۔

جواب:۔ ہم اس سلسلے میں متعلقہ جدول تیار کر کے اسے دو حصوں ''الف'' اور ''ب'' میں تقسیم کرتے ہیں۔ اور تقابل کے لئے ۸ ربیع الاول قمریہ شمسی کی تاریخ کو لیتے ہیں۔ اگر چہ قمریہ شمسی ہجری تقویم حجۃ الوداع کے موقع پر منسوخ کر دی گئی تھی، لیکن سہولتِ فہم کے لئے ہم اسے اس جدول میں قمری ہجری کے مقابل جاری رکھتے ہیں۔ قمریہ شمسی اور قمری دونوں تقاویم میں ہر مہینے کی پہلی تاریخ کا تعین چوں کہ رویتِ ہلال اور دورِ حاضر میں کئی ممالک میں ولادتِ قمر کے لحاظ سے ہوتا ہے، اس لئے اس کی تواریخ تو یک ساں ہوا کرتی ہیں لیکن نسی کی وجہ سے مہینے یک ساں ایک دوسرے کے مقابل ہر سال نہیں رہ سکتے۔ دونوں تقاویم کے سالوں کے اعداد بھی برابر نہیں ہو سکتے، کیوں کہ قمریہ شمسی سال، شمسی سال کے تقریباً برابر ہونے کی وجہ سے قمری سال سے کوئی گیارہ دن بڑا ہوتا ہے۔ قبل ہجرت قمریہ شمسی سال معلوم کرنے کے لئے متعلقہ عیسوی سال کو ۶۲۲ سے منہا کیا جاتا ہے اور بعد ہجرت قمریہ شمسی سال کا عدد معلوم کرنے کے لئے متعلقہ عیسوی سال سے ۶۲۱ سال کم کئے جاتے ہیں۔ مثلاً ۹۷ عیسوی جیولین میں قمریہ شمسی قبل ہجرت سال (۶۲۲ ۔ ۹۷) = ۵۲۵ قبل ہجرت ہوا۔ اور مثلاً ۵۶۹ عیسوی میں قمریہ شمسی قبل ہجرت سال (۶۲۲ ۔ ۵۶۹) = ۵۳ قبل ہجرت ہوا۔ اور مثلاً ۷۸۱ عیسوی کے مقابل قمریہ شمسی ہجری سال (۷۸۱ ۔ ۶۲۱) = ۱۶۰ ہجری قمریہ شمسی ہوا کیوں کہ یکم محرم ۱ ہجری قمری کو عیسوی تاریخ ۱۶ جولائی ۶۲۲ عیسوی جیولین تھی۔

(الف)

نمبر شمار	عبرانی سال	متعلقہ ۱۹ سالہ دور اور سال نمبر	عیسوی تاریخ	قمریہ شمسی ہجری تاریخ	قمری ہجری تاریخ
۱	۳۸۵۸ خلیقہ	۲۰۴ ویں دور کا پہلا سال	۳ نومبر ۹۷ عیسوی جیولین	۸ ربیع الاول ۵۲۵ قبل ہجرت	۸ ربیع الاول ۵۴۱ قبل ہجرت
۲	۴۰۸۶ خلیقہ	۲۱۶ ویں دور کا پہلا سال	۲ نومبر ۳۲۵ عیسوی جیولین	۸ ربیع الاول ۲۹۷ قبل ہجرت	۸ ربیع الاول ۳۰۶ قبل ہجرت

۳	۴۳۱۴خلیقہ	۲۲۸ویں دور کا پہلا سال	یکم نومبر ۵۵۳ عیسوی جیولین	۸ربیع الاول ۶۹ قبل ہجرت	۸ربیع الاول ۷۱ قبل ہجرت
۴	۴۵۴۲خلیقہ	۲۴۰ویں دور کا پہلا سال	۱۳۱کتوبر ۷۸۱ عیسوی جیولین	۸ربیع الاول ۱۶۰ ہجری	۸ربیع الاول ۱۶۵ہجری
۵	۴۷۷۰خلیقہ	۲۵۲ویں دور کا پہلا سال	۱۳۱کتوبر ۱۰۰۹ عیسوی جیولین	۸ربیع الاول ۳۸۸ ہجری	۸ربیع الاول ۴۰۰ہجری
۶	۴۹۹۸خلیقہ	۲۶۴ویں دور کا پہلا سال	۱۳۰کتوبر ۱۲۳۷ عیسوی جیولین	۸ربیع الاول ۶۱۶ ہجری	۸ربیع الاول ۶۳۵ہجری
۷	۵۲۲۶خلیقہ	۲۷۶ویں دور کا پہلا سال	۱۲۹کتوبر ۱۴۶۵ عیسوی جیولین	۸ربیع الاول ۸۴۴ ہجری	۸ربیع الاول ۸۷۰ہجری
۸	۵۴۵۴خلیقہ	۲۸۸ویں دور کا پہلا سال	۱۲۸کتوبر ۱۶۹۳ عیسوی جیولین	۸ربیع الاول ۱۰۷۲ ہجری	۸ربیع الاول ۱۱۰۵ہجری
۹	۵۶۸۲خلیقہ	۳۰۰ویں دور کا پہلا سال	۹نومبر ۱۹۲۱ عیسوی گریگورین	۸ربیع الاول ۱۳۰۰ ہجری	۸ربیع الاول ۱۳۴۰ہجری
۱۰	۵۹۱۰خلیقہ	۳۱۲ویں دور کا پہلا سال	۱۰نومبر ۲۱۴۹ عیسوی گریگورین	۸ربیع الاول ۱۵۲۸ہجری	۸ربیع الاول ۱۵۷۵ہجری

مذکورہ بالا جدول پر غور کیجئے ہم نے ۹۷ عیسوی جیولین سے ۲۱۴۹ عیسوی گریگورین تک کی طویل مدت میں بارہ بارہ انیس سالہ دور کے فرق سے ایسے دس ادوار لئے ہیں جن کے پہلے سال میں ربیع الاول قمریہ شمسی اور ربیع الاول قمری ایک دوسرے کے مقابل آ گئے ہیں۔ اب ہم ان ہی مذکورہ بالا دس ادوار کے سترہویں سال کو لیتے ہوئے اس جدول کا حصہ ''ب'' پیش کرتے ہیں۔ ہر دور کے ہر سترہویں سال میں ۸ ربیع الاول قمریہ شمسی کے مقابل قمری تاریخ ۸ رمضان المبارک ہوگی۔ اس جدول میں نمبر شمار ۳ کو ہم بین القوسین ( ) کریں گے، کیوں کہ اس کا تعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سال ولادت سے ہے:

(ب)

نمبر شمار	عبرانی سال	متعلقہ ۱۹ سالہ دور اور سال نمبر	عیسوی تاریخ	قمریہ شمسی ہجری تاریخ	قمری تاریخ
۱	۳۸۷۴ خلیقہ	۲۰۴ ویں دور کا سترہواں سال	۶ نومبر ۱۱۳ عیسوی جیولین	۸ ربیع الاول ۵۰۹ قبل ہجرت	۸ رمضان المبارک ۵۲۵ قبل ہجرت
۲	۴۱۰۲ خلیقہ	۲۱۶ ویں دور کا سترہواں سال	۵ نومبر ۳۴۱ عیسوی جیولین	۸ ربیع الاول ۲۸۱ قبل ہجرت	۸ رمضان المبارک ۲۹۰ قبل ہجرت
(۳)	۴۳۳۰ خلیقہ	۲۲۸ ویں دور کا سترہواں سال	۴ نومبر ۵۶۹ عیسوی جیولین	۸ ربیع الاول ۵۳ قبل ہجرت	۸ رمضان المبارک ۵۵ قبل ہجرت
۴	۴۵۵۸ خلیقہ	۲۴۰ ویں دور کا سترہواں سال	۳ نومبر ۷۹۷ عیسوی جیولین	۸ ربیع الاول ۱۷۶ ہجری	۸ رمضان المبارک ۱۸۱ ہجری
۵	۴۷۸۶ خلیقہ	۲۵۲ ویں دور کا سترہواں سال	۳ نومبر ۱۰۲۵ عیسوی جیولین	۸ ربیع الاول ۴۰۴ ہجری	۸ رمضان المبارک ۴۱۶ ہجری
۶	۵۰۱۴ خلیقہ	۲۶۴ ویں دور کا سترہواں سال	۲ نومبر ۱۲۵۳ عیسوی جیولین	۸ ربیع الاول ۶۳۲ ہجری	۸ رمضان المبارک ۶۵۱ ہجری
۷	۵۲۴۲ خلیقہ	۲۷۶ ویں دور کا سترہواں سال	یکم نومبر ۱۴۸۱ عیسوی جیولین	۸ ربیع الاول ۸۶۰ ہجری	۸ رمضان المبارک ۸۸۶ ہجری
۸	۵۴۷۰ خلیقہ	۲۸۸ ویں دور کا سترہواں سال	۳۱ اکتوبر ۱۷۰۹ عیسوی جیولین	۸ ربیع الاول ۱۰۸۸ ہجری	۸ رمضان المبارک ۱۱۲۱ ہجری
۹	۵۶۹۸ خلیقہ	۳۰۰ ویں دور کا سترہواں سال	۱۳ نومبر ۱۹۳۷ عیسوی گریگورین	۸ ربیع الاول ۱۳۱۶ ہجری	۸ رمضان المبارک ۱۳۵۶ ہجری
۱۰	۵۹۲۶ خلیقہ	۳۱۲ ویں دور کا سترہواں سال	۱۳ نومبر ۲۱۶۵ عیسوی گریگورین	۸ ربیع الاول ۱۵۴۴ ہجری	۸ رمضان المبارک ۱۵۹۱ ہجری

مذکورہ بالا جدول پر غور کیجیے۔ ہم نے ۱۱۳ عیسوی جیولین سے ۲۱۶۵ عیسوی گریگورین تک کی طویل مدت میں بارہ بارہ انیس سالہ ادوار کے فرق سے بالکل وہی ادوار لئے ہیں، جو جدول کے حصہ ''الف'' میں ہم نے پیش کئے تھے، لیکن ہر دور کا یہاں سترہواں سال لیا گیا ہے اور کبیسہ کا مہینہ محرم کے بعد نہیں بل کہ سال

کے آخر میں محسوب کیا گیا ہے۔ دیکھیے یہاں ہر متعلقہ سال کے مقابل قمریہ شمسی ہجری تاریخ ۸ ربیع الاول ہی ملے گی، لیکن خالص قمری تقویم کی تاریخ ۸ رمضان المبارک ہے۔ ہم نے نمبر شمار ۳ کو بین القوسین کر دیا ہے۔ اس کا تعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تاریخ ولادت سے ہے۔ ولادتِ مبارکہ ۴ نومبر ۵۶۹ عیسوی جیولین مطابق ۸ ربیع الاول ۵۳ قبل ہجرت قمریہ شمسی مطابق ۸ رمضان المبارک ۵۵ قبل ہجرت قمری کی ہے۔ عبرانی سال ۴۳۳۰ خلیقہ تھا۔ عبرانی سال کا تیسرا مہینہ ''کسلیو'' ہوتا ہے یعنی عبرانی تاریخ ۸ کسلیو ۴۳۳۰ خلیقہ تھی اور دن سوموار تھا۔ اس سے یہ بھی اچھی طرح واضح ہوگیا کہ ولادتِ مبارکہ کے عیسوی سال ۵۶۹ عیسوی میں ربیع الاول قمریہ شمسی (قبل ہجرت) کے مقابل خالص قمری تقویم کے ربیع الاول قمری (قبل ہجرت) کا ہونا ایسے ہی محال ہے جیسے دو اور دو کا پانچ ہونا محال ہے۔ البتہ جیسا کہ جدول کے حصہ ''الف'' کے نمبر شمار ۳ سے معلوم ہو رہا ہے، ۵۵۳ عیسوی جیولین میں قمریہ شمسی اور قمری ربیع الاول ایک دوسرے کے مقابل تھے۔ اب اگر کوئی شخص ناحق یہ دعویٰ کرے کہ ولادتِ مبارکہ کے سال میں قمریہ شمسی اور قمری دونوں تقاویم کے ربیع الاول ایک دوسرے کے مقابل ہو کر یک جا ہو گئے تھے تو اسے لازماً یہ بھی ماننا پڑے گا کہ ولادتِ مبارکہ کا عیسوی سال ۵۵۳ عیسوی جیولین تھا۔ آپ کا عیسوی سال وفات بالاتفاق ۶۳۲ عیسوی جیولین ہے۔ اس صورت میں یہ بھی ماننا پڑے گا کہ شمسی سالوں میں آپ کی عمر مبارک (۶۳۲-۵۵۳)=۷۹ برس اور قمری سالوں میں (۷۹+۲)=۸۱ برس ہوئی۔ حال آں کہ سلف و خلف میں سے کوئی بھی اس کا قائل نہیں ہے۔ لہٰذا یہ مفروضہ قطعاً غلط ہے کہ شاید ولادتِ مبارکہ کے سال میں قمریہ شمسی اور قمری دونوں تقاویم کے ربیع الاول یک جا ہو گئے ہوں۔ مذکورہ بالا جدول کی بنیاد ان امور پر ہے کہ ۲۲۸ شمسی مہینوں کی دنوں میں مدت ۲۳۵ قمری مہینوں کی دنوں میں مدت کے برابر ہوا کرتی ہے۔ فرق صرف کوئی ڈیڑھ گھنٹے کا ہوتا ہے۔ اس لئے کوئی ایک دن کے فرق سے ۲۲۸ شمسی سالوں اور ۲۳۵ قمری سالوں کے بعد دونوں تقاویم کے مہینے پھر حسب سابق ایک دوسرے کے مقابل ہو جاتے ہیں۔ الغرض اس جدول سے یہ بھی بہ خوبی ثابت ہوگیا کہ ۱۹ سالہ دور کے پہلے سال میں اگر ربیع الاول قمریہ شمسی اور ربیع الاول قمری دونوں ایک دوسرے کے مقابل آ گئے ہوں تو اسی دور کے سترہویں سال میں قمریہ شمسی ربیع الاول کے مقابل خالص قمری تقویم کا مہینہ ربیع الاول ہرگز نہیں ہو سکتا۔ بل کہ قمری مہینہ رمضان المبارک ہی ہو سکتا ہے چناں چہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سال ولادت عبرانی تقویم کے اعتبار سے ۲۲۸ ویں ۱۹ سلسلہ دور کا ٹھیک سترہواں سال ہی ہے، اور یہ بارہا بتایا جا چکا ہے کہ عربوں کی قمریہ شمسی تقویم یہودیوں کی عبرانی تقویم کی طرز پر اور اس سے ہم آہنگ تھی۔

۱۶۔سوال نمبر ۱۶:

سال ۵۶۹ عیسوی کے مقابل عبرانی سال ۴۳۳۰ خلیقہ تھا جو انیس سالہ دور کا ستر ہواں سال ہونے کی بنا پر مکبوس (تیرہ مہینوں والا) سال تھا۔ حسب قواعد کبیسہ کا تیرہواں مہینہ اگر محرم کو مکرر لا کر ڈالا جائے تو قمریہ شمسی ربیع الاول عیسوی مہینے دسمبر کے مقابل ہونا چاہیے۔ آپ نے عیسوی تقویم میں ولادت مبارکہ کی تاریخ ۴ نومبر ۵۶۹ عیسوی جیولین کیسے برآمد کی ہے؟

جواب:۔ دور جاہلیت کی قمریہ شمسی تقویم کے مکبوس سالوں میں بعض اوقات حسب موقع وضرورت کبیسہ کا تیرہواں مہینہ محرم کو مکرر لا کر ڈالنے کی بجائے ذی الحجہ قمریہ شمسی کے بعد ذی الحجہ کو مکرر لا کر بھی ڈالا جاتا تھا۔ ہم نے ان مباحث میں سوال نمبر ۱۱ کے جواب میں واضح کیا ہے کہ سال ۲ ہجری مکبوس سال تھا۔ اس میں پہلے تو کبیسہ کا مہینہ محرم کو ہی مکرر لا کر ڈالا گیا تھا، لیکن سریہ عبداللہ بن جحش کے بعد مسلمانوں نے اسے شوال قمریہ شمسی کے بعد شوال کو مکرر لا کر ڈال دیا، تاکہ مسلمانوں پر قریش مکہ کا یہ الزام باقی نہ رہے کہ مسلمانوں نے حرمت والے مہینے رجب کی حرمت کو پامال کیا ہے۔ اس کے جواب میں قریش مکہ نے کبیسہ کا مہینہ ذی الحجہ قمریہ شمسی کے بعد ذی الحجہ ہی کو مکرر لا کر ڈالا، تاکہ کبیسہ والے ذی الحجہ میں ان کے لئے مسلمانوں کے خلاف جنگ وجدال کا جواز پیدا ہو جائے۔ غزوۂ سویق اسی ذی الحجہ میں ہوا تھا جس کا سبب ابوسفیان سردارِ مکہ نے ہی پیدا کیا تھا۔ ایام حج میں کبیسہ کے مہینے کا اعلان بنو کنانہ قبیلے کا سردار کیا کرتا تھا جسے قلمّس اور ناسی کہا جاتا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادتِ مبارکہ جس قمریہ شمسی ربیع الاول میں ہوئی۔ اس سے پہلے والا قمریہ شمسی ذی الحجہ وہی ہے، جس میں یمن کا عیسائی حکمران ابرھہ یہ امید لگائے بیٹھا تھا کہ اس کے فرمان کی تعمیل میں عرب اس کے بنائے ہوئے کلیسا کا حج کریں گے۔ لیکن کسی نے بھی اس کے کلیسا کا حج نہ کیا بلکہ بنو کنانہ کے ہی ایک فرد نے اس کلب کو نجاست سے آلودہ کر دیا۔ ابرھہ نے طیش میں آکر اگلے مہینے محرم قمریہ شمسی میں مکہ پر ناکام لشکر کشی کی۔ عربوں کو اس حملے کا پہلے سے ہی شدید خوف اور خطرہ لاحق تھا۔ ان حالات میں ناسی کے لئے یہ موقع نہیں تھا کہ وہ ایام حج میں محرم کو مکرر لا کر کبیسہ کا مہینہ ڈالنے کا اعلان کرے۔ یہ غالباً اس کے بعد ذی الحجہ کو مکرر لا کر ڈالا گیا۔ اس کا بیّن ثبوت یہ ہے کہ دسمبر ۵۶۹ عیسوی جیولین کی ابتدائی قمری تواریخ کے لئے اجتماع شمس وقمر (ولادت قمر) کی تاریخ ۲۴ نومبر بہ وقت ۹:۳۱ تھی۔ خالص قمری تقویم کے اعتبار سے یکم شوال ۵۵ قبل ہجرت قمری کے مقابل عیسوی تاریخ ۲۶ نومبر ہوئی، لہٰذا یکم دسمبر ۵۶۹ عیسوی جیولین بہ روز اتوار قمری تاریخ ۶ شوال تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم کی ولادتِ مبارکہ کا دن بالاتفاق سوموار ہے۔ لہٰذا سوموار کا دن ۲ دسمبر اور ۹ دسمبر ۵۶۹ عیسوی جیولین کو ہوا جس کے مقابل خالص قمری تقویم کی تاریخ بالترتیب ۷ شوال اور ۱۴ شوال ہوئی۔ اگر اس سال قمریہ شمسی تقویم کے کبیسہ کا تیرہواں مہینہ محرم کو مکرر لاکر ڈالا جاتا تو مذکورہ قمری تواریخ کے مقابل قمریہ شمسی ربیع الاول کی تاریخ بالترتیب ۷ ربیع الاول اور ۱۴ ربیع الاول ہوتی۔ لیکن سلف وخلف میں سے کسی نے بھی ولادتِ مبارکہ کی تاریخ ۷، ۱۴ ربیع الاول یا ۷، ۱۴ شوال بیان نہیں کی بل کہ ۸ ربیع الاول بیان کی ہے، اور بعض متقدمین نے ولادت مبارکہ کا مہینہ رمضان المبارک بیان کیا ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ ۵۶۹ عیسوی جیولین میں کبیسہ کا مہینہ محرم کو مکرر لاکر نہیں ڈالا گیا تھا۔

تقویم تاریخی مؤلفہ مولانا عبدالقدوس ہاشمیؒ کے ابتدائی صفحات میں ''چند یادگار تاریخیں'' کے عنوان کے تحت ولادت باسعادت کی تاریخ ''حسب حساب کبیسہ ۹ دسمبر ۵۶۹ عیسوی'' لکھی ہے۔ ہاشمی صاحب عربوں کی قمریہ شمسی تقویم سے تو باخبر ہیں، لیکن متعلقہ حسابی قواعد اور تقویمی جزئیات سے قطعاً متعارف نظر نہیں آتے۔ اس لئے خیال ہے کہ ۹ دسمبر ۵۶۹ عیسوی کی تاریخ کی تخریج اہل مغرب میں سے کسی شرق شناس نے کی ہوگی جسے ہاشمی صاحب نے نقل کر دیا ہے۔ لیکن تقویم تاریخی میں ۹ دسمبر ۵۶۹ عیسوی کے مقابل یہودیوں کی عبرانی تقویم کی تاریخ ہاشمی صاحب نے ۲۰ نیساں ۴۳۳۲ خلیقہ اور سن سکندری کی تاریخ ۲۰ نیساں ۸۸۲ سکندری لکھی ہے۔ حال آں کہ یہودی تقویم میں نیساں کا مہینہ کبھی بھی عیسوی دسمبر کے مقابل نہیں ہوا کرتا، بل کہ مارچ اپریل کے مقابل ہوا کرتا ہے اور سال ۵۶۹ عیسوی میں عبرانی سال ۴۳۳۲ خلیقہ نہیں تھا بل کہ (۵۶۹ + ۳۷۶۱) = ۴۳۳۰ خلیقہ تھا جو ۲۲۸ ویں ۱۹ سالہ دور کا سترہواں سال تھا۔ سن سکندری میں نیساں کا مہینہ ہمیشہ اپریل کے مقابل ہوا کرتا ہے۔ سن سکندری سے ۳۱۱ منہا کرنے سے سن عیسوی برآمد ہوتا ہے۔ پس ۲۰ نیساں ۸۸۲ سکندری کے مقابل عیسوی تاریخ ۲۰ اپریل ۵۷۱ عیسوی برآمد ہوتی ہے نہ کہ ۹ دسمبر ۵۶۹ عیسوی جیسا کہ ہاشمی صاحب نے لکھا ہے۔ سخت حیرت ہے کہ قمری ہجری تقویم کے اعتبار سے یہاں ولادتِ مبارکہ کی تاریخ ''دوشنبہ ۱۲ ربیع الاول ۵۳ قبل ہجرت'' لکھ ڈالی۔ حال آں کہ حسابی شواہد سے ۱۲ ربیع الاول ۵۳ قبل ہجرت کو ہرگز سوموار کا دن نہیں بل کہ جمعرات کا برآمد ہوتا ہے۔ سوموار کا دن ۹ ربیع الاول ۵۳ قبل ہجرت قمری مطابق ۲۰ اپریل ۵۷۱ عیسوی جیولین کو ہوتا ہے۔ تاہم ولادتِ مبارکہ کی یہ تاریخ ہرگز نہیں۔ ہم اس کی وضاحت اگلے سوال کے جواب میں کر رہے ہیں۔ صحیح تاریخ ولادت ۸ ربیع الاول ۵۳ قبل ہجرت قمریہ شمسی مطابق ۸ رمضان المبارک ۵۵ قبل ہجرت قمری مطابق ۴ نومبر ۵۶۹ عیسوی جیولین بروز سوموار کی ہے۔ ہم بارہا بیان کر چکے ہیں کہ عربوں کی قمریہ شمسی تقویم ان

کی خود ساختہ، من گھڑت اور جعلی تقویم تھی۔ یہ ہرگز قمری تقویم نہیں بل کہ نسی پر مبنی قمریہ شمسی تقویم تھی۔ اسی لئے نسی کی مذمت سورہ توبہ میں کی گئی ہے اور اسی لئے حجۃ الوداع کے موقع پر اس مذموم جعلی اور خود ساختہ تقویم کو ہمیشہ کے لئے منسوخ کر دیا گیا اور خالص ہجری تقویم کا باقاعدہ نفاذ ہوا۔ اس حقیقی اور اصلی قمری تقویم کے مطابق ولادتِ مبارکہ کا مہینہ رمضان المبارک ہے۔ ولادتِ مبارکہ کا ربیع الاول تو جعلی یعنی قمریہ شمسی تقویم کا جعلی یعنی قمریہ شمسی ربیع الاول ہے جس کا خالص قمری تقویم کے حقیقی ربیع الاول سے دور دور کا بھی کوئی تعلق نہیں ہے۔ *فھل من مدّ کر؟*

۱۷۔ سوال نمبر ۱۷:

مصری ماہر فلکیات محمود پاشا (محمود آفندی) کا خیال یہ ہے کہ عربوں میں ہمیشہ خالص قمری تقویم ہی زیرِ استعمال رہی ہے۔ انہوں نے اپنے حساب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادتِ مبارکہ کی تاریخ ۹ ربیع الاول ۵۳ قبل ہجرت قمری مطابق ۲۰ اپریل ۵۷۱ عیسوی جیولین بہ روز سوموار کی نکالی ہے۔ اسی کی پیروی دور جدید کے علامہ شبلیؒ، قاضی منصور پوریؒ مولانا صفی الرحمٰن مبارک پوریؒ اور دیگر بہت سے فاضل سیرت نگاروں نے کی ہے۔ ان جلیل القدر، عظیم المرتبت اور عالم وفاضل اساطین واکابر کے سامنے آپ کی حیثیت ہی کیا ہے کہ آپ کی ان نئی اور عجیب وغریب باتوں کو ہم قبول کر لیں، جب کہ دوسرے اکابر حضرات نے ان کی طرف کوئی اشارہ تک نہیں کیا ہے؟

جواب:۔ بہ ظاہر آپ کا اعتراض خاصا وزنی نظر آتا ہے، لیکن حقیقت میں پرکاہ کی بھی حیثیت نہیں رکھتا۔ ہم گزشتہ مباحث میں یہ واضح کر چکے ہیں کہ رمضان المبارک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادتِ مبارکہ کا ہمارا دعویٰ اور قول کوئی نیا قول نہیں ہے۔ تیسری صدی ہجری کے نامور ماہر ایام وانساب زبیر بن بکّار نے بجا طور پر ولادتِ مبارکہ کا مہینہ رمضان المبارک بیان کیا ہے۔ دیگر اہل سیر بھی یہ مہینہ بیان کرتے چلے آئے ہیں۔ (۳۲/ ج) چوں کہ دور جاہلیت اور دور نبوی میں اہل مکہ کی خصوصاً اور دیگر قبائل عرب کی عموماً رسمی تقویم نسی پر مبنی قمریہ شمسی تقویم تھی، قمری ہرگز نہیں تھی اور اسی قمریہ شمسی تقاویم کے قمریہ شمسی ذی الحجہ میں ان کا حج اکبر اور اسی قمریہ شمسی تقویم کے رجب قمریہ شمسی میں ان کا حج اصغر (عمرہ) ہوا کرتا تھا، اور چوں کہ ولادتِ مبارکہ کے قمریہ شمسی سال میں خالص قمری رمضان کے مقابل قمریہ شمسی مہینہ ربیع الاول کا تھا اور چوں کہ آپ کا تعلق مکہ مکرمہ سے ہے اور آپ کی ولادتِ مبارکہ اسی شہر کی ہے، لہٰذا ربیع الاول کا مشہور ہو جانا عین قرینِ فہم ہے۔ جن حضرات کو اس دور کے عربوں کے دو تقویمی نظام کا علم نہ

ہو سکا یا علم کے باوجود وہ ان دونوں تقاویم کا تقابل کر کے واقعات کی صحیح توقیت نہ کر سکے انہوں نے رمضان المبارک میں آپ کی ولادتِ مبارکہ کے قول کو غریب اور شاذ قرار دے کر اپنے آپ کو اور دوسروں کو مطمئن کر دیا۔ حال آں کہ یہ محض دو تقویمی التباس ہے۔ اہل سیر نے تو کوئی درجن بھر کے قریب واقعات کی توقیت قمریہ شمسی اور قمری دونوں تقاویم میں ہم تک منتقل کی ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ ان حضرات کو یہ علم نہ ہو کہ ان تک پہنچنے والی یہ توقیت قمریہ شمسی تقویم کی ہے یا خالص قمری تقویم سے اس کا تعلق ہے۔ تاہم یہ خارجی حقیقت اپنی جگہ پر موجود اور قائم و دائم ہے کہ ان کی بیان کردہ توقیت میں مہینوں کا بل کہ بعض اوقات سالوں کا بھی فرق موجود ہے۔ ہم نے سوال نمبر ۸ کے جواب میں ایسے واقعات کی سات مثالیں پیش کی ہیں۔ آخر ایسے تمام واقعات کے متعلق کون سی توقیت کو کس دلیل کی بنا پر صحیح اور راجح اور کون سی توقیت کو غلط یا مرجوح قرار دے کر اسے ''غریب اور شاذ'' کے خانے میں ڈالا جائے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادتِ مبارکہ بھی ایسے ہی واقعات میں شامل ہے جس کی توقیت قمریہ شمسی اور قمری دونوں ہی تقویم میں ہوئی ہے۔ ان میں سے کوئی بھی توقیت غلط، مرجوح، شاذ اور غریب نہیں ہے۔ یہ توقیتی اختلاف و تضاد ہرگز حقیقی نہیں بل کہ محض ظاہری اور صوری ہے، جسے غلطی سے بعض حضرات نے حقیقی سمجھ لیا اور ولادتِ مبارکہ کے قمری مہینے رمضان المبارک کو تو غریب اور شاذ قرار دے کر سرد خانے میں ڈال دیا اور قمریہ شمسی مہینے ربیع الاول کو محض اس کی شہرت کی بنا پر گلے لگا لیا۔ اگر عربوں کے اس دور کی قمریہ شمسی اور قمری دونوں تقاویم کی موجودگی سے انکار کیا جائے اور ان کے دو تقویمی نظام کو قبول نہ کیا جائے تو متعدد غزوات و سرایا اور واقعات و حوادث کی جو توقیت اہل سیر و مغازی نے کی ہے، اس پر سنگین اور لاینحل اشکالات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اس سلسلے میں سابقہ مباحث میں جو کچھ بیان کیا جا چکا ہے، ہم ان میں سے بعض امور کی تکرار اور یاد دہانی کے ساتھ متعدد نئی مثالیں بھی پیش کریں گے۔

اوّلاً سب سے زیادہ پریشان کن بات یہی تو ہے کہ متقدمین اہل سیر نے متعدد واقعات کے مہینے بل کہ بعض اوقات سال بھی مختلف بیان کئے ہیں۔ اگر عربوں میں صرف قمری تقویم ہی کارفرما ہوتی تو اس طرح کا اختلاف ہرگز سامنے نہ آتا۔

ثانیاً بسا اوقات یہ توقیت موسمی صراحتوں کا ساتھ نہیں دیتی۔ مثلاً ہجرتِ مدینہ کے موقع پر حضرت علیؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر پر چادر اوڑھ کر لیٹے تھے۔ ہجرت کا مہینہ ربیع الاول ا ہجری بیان کیا جاتا ہے جس کے مقابل عیسوی تقویم کا مہینہ ستمبر ۶۲۲ عیسوی کا تھا۔ مکہ مکرمہ کی گرم آب و ہوا میں ستمبر کے مہینے میں کمرے کے اندر چادر اوڑھ کر لیٹنا موسمی تقاضے سے ہم آہنگ نہیں ہے بل کہ اس سے تو مکان کا محاصرہ

کرنے والے مزید ہوشیار اور چوکنے ہو جاتے، لہٰذا حفاظتی نقطۂ نگاہ سے بھی یہ اقدام نامناسب دکھائی دیتا ہے۔ اور مثلاً سریہ زید بن حارثہ بہ قول ابن خلدون غزوۂ بدر سے چھ ماہ بعد موسم سرما کا واقعہ ہے چناں چہ ابن اسحاق نے اسے ربیع الاول ۳ ہجری کا سریہ قرار دیا ہے۔ (۳۲/د) لیکن یکم ربیع الاول ۳ ہجری قمری کے مقابل عیسوی تاریخ ۲۲ اگست ۶۲۴ عیسوی جیولین تھی۔ یہ تو موسم گرما کا مہینہ ہے۔ اور مثلاً سریہ ذات السلاسل جمادی الاخریٰ ۸ ہجری میں ہوا۔ (۳۳/الف) اہل سیر کی تصریح کے مطابق یہ شدید ترین سردی کا موسم تھا اور امیر لشکر حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو غسل کی حاجت ہوئی تو انہوں نے تیمم کر کے لوگوں کو نماز پڑھائی۔ (۳۳/ب) حال آں کہ یکم جمادی الاخریٰ ۸ ہجری قمری کے مقابل عیسوی تاریخ ۲۵ ستمبر ۶۲۹ عیسوی جیولین کی برآمد ہوتی ہے۔ یہ شدید سردی کا نہیں بل کہ خزاں کا معتدل موسم ہے۔ اور مثلاً غزوۂ حنین کے لئے روانگی ۶ شوال ۸ ہجری کو ہوئی (۳۳/ج) اور بہ قول ابن سعد یہ موسم گرما کا شدید ترین گرم دن تھا۔ (۳۴/الف) لیکن ۶ شوال ۸ ہجری قمری کے مقابل عیسوی تاریخ ۲۶ جنوری ۶۳۰ عیسوی جیولین کی برآمد ہوتی ہے۔ یہ تو موسم سرما کا مہینہ ہے۔ ہم نے اس طرح کے متعدد اشکالات کو سوال نمبر ۹ کے جواب میں دور کیا ہے۔ لیکن جن حضرات نے غلطی سے ان واقعات کو خالص قمری تقویم کا سمجھ رکھا ہے انہوں نے ان اشکالات کا کوئی حل پیش نہیں فرمایا ہے۔ مثلاً علامہ شبلیؒ نے سیرۃ النبی میں غزوۂ حنین کا مہینہ شوال ۸ ہجری قمری مطابق جنوری/فروری ۶۳۰ عیسوی بیان کیا ہے۔ (۳۴/ب) لیکن اس تاریخی جزیئے کا ذکر تک نہیں فرمایا کہ اس کے لئے روانگی سخت گرم دن میں ہوئی تھی۔ طبقات ابن سعد میں بہ روایت عبدالرحمٰن فہری مذکور ہے کہ ہم اس غزوے میں سخت گرم موسم کے سخت گرم دن میں روانہ ہوئے اور ہم درختوں کے سایوں کے نیچے اترے۔ (۳۴/ج) سریہ ذات السلاسل کا تذکرہ بھی علامہ نے چھوڑ دیا ہے۔ اور مثلاً غزوۂ تبوک کا موسم گرم تھا، کھجور کی فصل پکنے کے مراحل میں تھی اور قحط سالی کا سماں تھا۔ (۳۵/الف) اس غزوے کے لئے روانگی رجب ۹ ہجری کی اور مراجعت رمضان ۹ ہجری کی اور بہ قول ابن حبیب بغدادی شوال ۹ ہجری کی بیان کی گئی ہے۔ (۳۵/ب) خالص قمری تقویم کے اعتبار سے مذکورہ قمری مہینوں کے مقابل عیسوی تقویم کے مہینے اکتوبر، نومبر، دسمبر ۶۳۰ عیسوی اور جنوری ۶۳۱ عیسوی کے تھے۔ یہ تو موسم سرما کے مہینے ہیں۔ ان میں کھجور کی فصل نہیں پکا کرتی بل کہ یہ فصل جولائی اور اگست کے مہینوں تک گھروں میں آ چکی ہوتی ہے لہٰذا قحط سالی کا بھی کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا۔ دراصل غزوۂ تبوک کے مذکورہ مہینے قمریہ شمسی تقویم کے ہیں۔ محرم قمریہ شمسی کے مقابل عیسوی ستمبر کو رکھا جائے تو رجب سے شوال تک کے قمریہ شمسی مہینے عیسوی مہینوں مارچ سے جون تک کے مقابل ہوتے ہیں۔ یہ واقعی موسم بہار اور پھر شدید گرمی کے مہینے ہیں۔ کھجور کی فصل واقعی

ان مہینوں میں پک رہی ہوتی ہے اور فصل چوں کہ ابھی گھروں میں نہیں آئی ہوتی لہٰذا ان مہینوں میں کسی سال قحط سالی کا ہونا خارج از امکان نہیں ہے۔لیکن جن حضرات نے انہیں قمری تقویم کے مہینے سمجھ لیا، انہوں نے اشکالات دور تو کیا کرنے تھے، الٹا ان میں کچھ اضافہ ہی کر دیا۔مثلاً علامہ شبلیؒ نے غزوۂ تبوک کے لئے روانگی رجب ۹ ہجری مطابق نومبر ۶۳۰ عیسوی کی لکھی ہے۔(۳۵/ج) یہ بھی لکھا ہے ''سوئے اتفاق یہ کہ سخت قحط اور شدت کی گرمیاں تھیں''۔لیکن یہ وضاحت نہیں فرمائی کہ نومبر کے مہینے میں یہ شدت کی گرمیاں کہاں سے آ گئی تھیں۔اگست/ستمبر تک تو کھجور کی فصل گھروں میں پہنچ چکی ہوتی ہے تو یہ سخت قحط کہاں سے آ ٹپکا تھا؟ نیز آپ نے غزوۂ تبوک کے ایام سے متعلق اس تاریخی جزیئے کا ذکر تک نہیں فرمایا کہ ان دنوں کھجور کی فصل پکنے کے مراحل میں تھی۔سوال پیدا ہوتا ہے کہ نومبر/دسمبر میں کھجور کی کون سی فصل پکتی ہے؟ ادھر مولانا صفی الرحمٰن مبارک پوریؒ نے سیرت طیبہ پر اپنی کتاب ''الرحیق المختوم'' میں سریہ نخلہ تک اہل سیر کی بیان کردہ توقیت کے مقابل عیسوی تقویم کے مہینے اور سال صحیح یا غلط نہایت اہتمام سے بیان فرمائے ہیں لیکن سریہ نخلہ کے بعد کے واقعات میں یہ سلسلہ کوئی وجہ بتائے بغیر اچانک چھوڑ دیا۔آخر کیوں؟

ثالثاً اگر دور جاہلیت اور دور نبوی میں صرف قمری تقویم ہی چل رہی تھی تو اہل سیر و مغازی نے مختلف واقعات کی ایسی توقیت بھی کی ہے جو متعدد صورتوں میں محال عادی اور بعض صورتوں میں محال عقلی نظر آتی ہے۔مثلاً سانحہ رجیع اور سانحہ بئر معونہ دونوں صفر ۴ ہجری کے واقعات ہیں۔(۳۶/الف) سانحہ رجیع میں حضرت خبیبؓ قریش مکہ کی قید میں رہے۔پھر جب حرمت والے مہینے ختم ہوئے تو انہوں نے آپ کو مصلوب کر کے شہید کر دیا۔(۳۶/ب) سانحہ بئر معونہ بھی سانحۂ رجیع کے بعد صفر ۴ ہجری میں ہوا۔اس میں دشمنوں نے معونہ کے کنویں پر اس سریے میں شامل صحابہ کرامؓ کو شہید کر ڈالا تھا۔صرف ایک صاحب زندہ بچے تھے۔اہل سیر کی تصریح کے مطابق حضرت خبیبؓ کے مصلوب ہونے اور بئر معونہ کے شہداء کی خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک ہی رات میں پہنچی تھی۔(۳۶/ج) یہاں لازماً سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ قریش مکہ نے حضرت خبیبؓ کو صفر ۴ ہجری میں اشہر حُرم کی وجہ سے قید رکھا ہو، حال آں کہ صفر سے جمادی الاخریٰ تک پانچوں مہینے حرمت والے مہینوں میں شامل ہی نہیں تو قریش نے کون سے حرمت والے مہینوں میں انہیں قید میں رکھا تھا؟ وہ تو صفر سے جمادی الاخریٰ تک کے کسی بھی مہینے میں آپ کو سولی دے سکتے تھے۔حرمت والا مہینہ رجب تو کئی مہینوں کے بعد آیا تھا۔نیز یہ کیسے ممکن ہے کہ صفر ۴ ہجری میں حضرت خبیبؓ کو قید کیا گیا ہو پھر حرمت والے مہینے پورے ہونے پر جب انہیں مصلوب کیا گیا تو مہینہ وہی صفر ۴ ہجری ہی رہے۔اور یہ بھی کیسے ممکن ہے کہ حضرت خبیبؓ کی مصلوبیت اور شہدائے بئر معونہ کے

حادثے کی خبریں صفر ۴ ہجری میں ہی ایک ہی رات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینے میں پہنچی ہوں؟ ان اشکالات کو دور کرنے کی بہ جائے مثلاً مولانا صفی الرحمٰن مبارک پوریؒ نے الرحیق المختوم میں لکھا ہے کہ صفر ۴ ہجری میں رجیع کے بعد ٹھیک اسی صفر کے مہینے میں سانحہ بئر معونہ بھی پیش آیا اور یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت خبیبؓ کو کچھ عرصے کے لئے قریش مکہ نے قید میں رکھا تھا، حال آں کہ متقدمین اہل سیر نے تو صاف صاف لکھا ہے کہ حضرت خبیبؓ کو حرمت والے مہینوں میں قید میں رکھا تھا اور جب یہ حرمت والے مہینے ختم ہوئے تو انہیں مصلوب کیا گیا۔ مبارک پوریؒ نے اس اہم تاریخی جزیئے میں اپنی طرف سے تبدیلی کرتے ہوئے حرمت والے مہینوں کا ذکر تک نہیں کیا اور یہ لکھ دیا کہ صرف کچھ عرصے کے لئے وہ قید میں رہے تھے۔ (۳۷/ الف) قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوریؒ نے بھی سانحہ رجیع کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے ''ظالم قریش والوں نے چند روز کے بعد خبیبؓ کو صلیب کے نیچے لے جا کر کھڑا کر دیا''۔ (۳۷/ ب) حال آں کہ بہ قول متقدمین اہل سیر حضرت خبیبؓ چند روز کے لئے نہیں بل کہ حرمت والے مہینوں کے لئے قید میں رہے تھے۔ علامہ شبلیؒ نے بھی اس سلسلے میں یہ لکھا ہے'' ...... ان کو حارث کے لڑکوں نے خریدا کہ باپ کے بدلہ میں قتل کریں گے، چند روز انہیں کے گھر میں رہے''۔ (۳۷/ ج) ہم پر اعتراض کرنے والے حضرات اس کی وضاحت فرمائیں کہ متقدمین اہل سیر کی بیان کردہ تاریخی جزئیات اور تصریحات کو اپنی طرف سے یوں بدل ڈالنے کا حق دور حاضر کے ہمارے سیرت نگاروں کو کہاں سے حاصل ہو گیا کہ قارئین تک بھی اس تصرف و تغیر سے بالکل بے خبر رہیں؟ مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ نے سیرۃ المصطفیٰ میں سانحہ رجیع کا مہینہ صفر لکھا ہے اور ساتھ ہی یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت خبیبؓ تا انقضائے ماہ حرام ان کی قید میں رہے۔ (۳۸/ الف) یہاں آپ نے اس کی وضاحت نہ فرمائی کہ صفر کا مہینہ تو حرمت والا نہیں تو حضرت خبیبؓ کون سے حرمت والے مہینے میں قریش مکہ کی قید میں رہے تھے۔ نیز متقدمین اہل سیر نے صرف ایک مہینے کا نہیں بل کہ حرمت والے مہینوں کا ذکر کیا ہے۔ ہم نے اس اشکال کو بھی سوال نمبر ۸ کے جواب میں دور کیا ہے کہ سانحہ رجیع کی توقیت قمریہ شمسی اور قمری دونوں ہی تقاویم میں ہوئی ہے۔ سانحہ رجیع کا صفر ۴ ہجری خالص قمری تقویم کا ہے۔ جس کے مقابل قمریہ شمسی تقویم کا مہینہ ذی قعدہ ۳ ہجری قمریہ شمسی تھا چناں چہ ابن حبیب بغدادی نے سانحہ رجیع کا یہی مہینہ بیان کیا ہے۔ ذی قعدہ، ذی الحجہ ۳ ہجری قمریہ شمسی اور محرم ۴ ہجری قمریہ شمسی کے مہینوں میں حضرت خبیبؓ قید میں رہے پھر صفر ۴ ہجری قمریہ شمسی میں قریش مکہ نے انہیں مصلوب کیا۔ پھر اسی صفر ۴ ہجری قمریہ شمسی میں سانحہ بئر معونہ پیش آیا۔ یوں تمام اشکالات دور ہو جاتے ہیں۔ جس طرح صفر ۴ ہجری قمریہ شمسی اور صفر ۴ ہجری قمری میں زمین و آسمان کا فرق ہے، صرف نام

کے اشتراک سے دھوکہ لگ رہا ہے تو اسی طرح یہ بات بھی ذہن میں رکھنی چاہیے کہ ربیع الاول قمریہ شمسی اور ربیع الاول قمری میں بھی زمین وآسمان کا فرق ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادتِ مبارکہ کا ربیع الاول منسوخ شدہ قمریہ شمسی تقویم کا منسوخ شدہ ربیع الاول ہے، ہماری موجودہ ہجری تقویم جو حجۃ الوداع کے ایام سے چلی آرہی ہے، خالص قمری تقویم ہے اور اس کا ربیع الاول خالص قمری ربیع الاول ہے۔ جس طرح صفر ۴ ہجری قمری میں قمریہ شمسی مہینہ ذی قعدہ ۳ ہجری قمریہ شمسی کا تھا، اسی طرح ولادتِ مبارکہ کے قمری مہینے رمضان المبارک ۵۵ قبل ہجرت کے مقابل ان دنوں قمریہ شمسی مہینہ ربیع الاول تھا۔

خیر ہم سلسلۂ کلام کو آگے بڑھاتے ہیں۔ اور مثلاً اہل سیر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحب زادی اور حضرت عثمان ذوالنورینؓ کی اہلیہ محترمہ حضرت ام کلثومؓ کی وفات کا مہینہ شعبان ۹ ہجری لکھا ہے۔ (۳۸/ ب) حال آں کہ یہی اہل سیر یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ غزوۂ تبوک کے لئے روانگی رجب ۹ ہجری میں اور مراجعت رمضان ۹ ہجری میں ہوئی تھی۔ یعنی شعبان ۹ ہجری کا پورا مہینہ تبوک کی مہم میں مدینے سے باہر گزرا۔ ادھر شعبان ۹ ہجری میں حضرت ام کلثومؓ مدینے میں فوت ہوئیں تو ان کی تجہیز وتکفین کا اہتمام خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور نماز جنازہ آپ نے ہی پڑھائی۔ اب اگر ان دنوں خالص قمری تقویم ہی کارفرما تھی تو تبوک کی مہم میں مدینے سے باہر موجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شعبان ۹ ہجری میں حضرت ام کلثومؓ کا جنازہ مدینے میں کیسے پڑھا سکتے تھے؟ غالباً اسی اشکال سے بچنے کے لئے قاضی منصور پوریؒ نے رحمۃ للعالمین میں اور مولانا صفی الرحمن مبارک پوریؒ نے الرحیق المختوم میں ۹ ہجری میں حضرت ام کلثومؓ کی وفات کا تو ذکر کیا ہے، لیکن اہل سیر کے بیان کردہ مہینے شعبان ۹ ہجری کو چھوڑ دیا ہے۔ (۳۸/ ج) یہاں بھی غزوۂ تبوک کا شعبان قمریہ شمسی تقویم کا اور حضرت ام کلثومؓ کے انتقال کا شعبان خالص قمری تقویم کا ہے۔

رابعاً اگر دورِ جاہلیت اور دورِ نبوی میں صرف قمری تقویم ہی چل رہی تھی تو اہل سیر ومغازی نے بعض واقعات کے جو ایام ہفتہ بیان کئے ہیں، وہ حسابی اور تقویمی شواہد سے قطعاً مطابقت نہیں رکھتے۔ مثلاً متقدمین اہل سیر ابن سعد اور واقدی نے ہجرت کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبا میں تشریف آواری کی تاریخ ۱۲ ربیع الاول اہجری بہ روز سوموار کی لکھی ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ ۱۲ ربیع الاول اہجری کی تاریخ پر اہل سیر کا اجماع ہے۔ (۳۹/ الف) لیکن حسابی قواعد سے ۱۲ ربیع الاول اہجری قمری کو دن جمعہ بنتا ہے۔ چناں چہ محمد بن موسیٰ خوارزمی، شاہ ولی اللہ دہلویؒ اور دورِ حاضر کے مستند سیرت نگار حضرات علامہ شبلیؒ، قاضی منصور پوریؒ، مولانا صفی الرحمن مبارک پوریؒ اور تقویم نگار مولانا عبدالقدوس ہاشمیؒ نے تاریخ ۸ ربیع

الاولیٰ ا ہجری کر دی، تاکہ سوم وار کے دن سے مطابقت ہو جائے۔ اور مثلاً غزوۂ بدر کی تاریخ ۱۷ رمضان ۲ ہجری بیان کی گئی ہے، دن جمعہ تھا۔ (۳۹/ ب) لیکن حسابی قواعد سے دن منگل برآمد ہوتا ہے۔ چناں چہ مولانا عبدالقدوس ہاشمیؒ نے تقویم تاریخی میں غزوہ بدر کی تاریخ ۲۰ رمضان ۲ ہجری قمری لکھ دی ہے، تاکہ جمعہ کے دن سے مطابقت ہو جائے اور قاضی منصور پوریؒ نے ''جدول واقعاتِ عظیمہ'' کے تحت دن سہ شنبہ (منگل) لکھا ہے (۳۹/ ج) حال آں کہ متقدمین اہل سیر نے دن جمعہ ہی بیان کیا ہے۔ اور مثلاً یہ قول ابن حبیب بغدادی غزوہ قرقرۃ الکدر یکم شوال ۲ ہجری بہ روز جمعہ کا واقعہ ہے۔ (۴۰/ الف) لیکن حسابی تخریج سے دن منگل برآمد ہوتا ہے۔ یہاں بھی اصل حقیقت یہ ہے کہ مذکورہ بالا واقعات کی توقیت قمری تقویم میں نہیں بل کہ قمریہ شمسی تقویم میں ہوئی ہے۔ متعلقہ سالوں کی قمریہ شمسی اور قمری مہینوں کی تقابلی جداول تیار کی جائیں تو ثابت ہو جاتا ہے کہ ہجرت کے موقع پر ورودِ قباء کی تاریخ ۱۲ ربیع الاول ا ہجری قمریہ شمسی مطابق ۱۲ جمادی الاولیٰ ا ہجری قمری مطابق ۲۲ نومبر ۶۲۲ عیسوی جیولین ہے۔ دن ٹھیک سوم وار ہی تھا۔ غزوۂ بدر کی تاریخ ۱۷ رمضان ۲ ہجری قمریہ شمسی مطابق ۱۷ ذی قعدہ ۲ ہجری قمری مطابق ۱۱ مئی ۶۲۴ عیسوی جیولین ہے۔ دن ٹھیک جمعہ ہی تھا۔ غزوۂ قرقرۃ الکدر کی تاریخ یکم شوال ۲ ہجری قمریہ شمسی مطابق یکم ذی الحجہ ۲ ہجری قمری مطابق ۲۵ مئی ۶۲۴ عیسوی جیولین ہے۔ دن ٹھیک جمعہ ہی تھا۔ یہاں بھی ہم پر اعتراض کرنے والے حضرات یہ وضاحت فرمائیں کہ متقدمین کی بیان کردہ تواریخ کو اپنے قارئین کو باخبر کیے بغیر اور کوئی معقول توجیہہ پیش کیے بغیر متاخرین کو اپنی طرف سے بدل ڈالنے کا حق کہاں سے حاصل ہو گیا؟ مذکورہ بالا توضیحات سے یہ اچھی طرح معلوم ہو گیا کہ ہمارے جن اکابر نے سیرت طیبہ کے تمام کے تمام واقعات وحوادث اور غزوات وسرایا کی تواریخ اور توقیت کو خالص قمری تقویم کا سمجھ لیا وہ غلطی پر ہیں۔ حضرات انبیا علیہم السلام کے بعد مخلوق میں کوئی بھی معصوم عن الخطا نہیں ہے۔ اگر معترضین حضرات ہمیں ان اکابر کے مقابلے میں ادنیٰ سے ادنیٰ طفل مکتب کی بھی حیثیت نہ دیں تو ہمیں ہرگز کوئی شکایت نہیں۔ ان اکابر کے احترام اور ان کے علمی مقام ومرتبہ کی پہچان میں ہم کسی سے پیچھے نہیں ہیں۔ ان اکابر کی عظیم الشان علمی ودینی خدمات کو پیش نظر رکھا جائے تو اگر ان سے کچھ فکری لغزشیں عموماً اور توقیت کے سلسلے میں خصوصاً سرزد ہوئی ہوں تو ان سے ان کے مقام ومرتبے میں بہ حمد اللہ کوئی خلل پیدا نہیں ہوتا۔ دین کے لئے نیک نیتی سے کام کرنے والے کو اس کی خطا پر بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے اکہرا اجر ملتا ہے اور اگر وہ خطا سے محفوظ رہے تو اسے دہرا اجر ملتا ہے۔ بلاشبہ ہمارے نزدیک مثلاً علامہ شبلیؒ دور حاضر میں فن سیرت نگاری کے امام ہیں۔ ان کے تسامحات یا بعض دیگر حضرات کی توقیتی لغزشوں کا ہم نے اگر علمی ضرورت کے تحت

تذکرہ کیا ہے تو حاشا وکلّا اس سے ہرگز ان کی توہین وتنقیص مقصود نہیں۔ اللہ ان پر بے حد وحساب رحمتیں نازل فرمائے۔ ہمارا واحد مقصد یہ ہے کہ ہم علوم سیرت کے ارتقا میں بہتر سے بہترین راستے پر گام زن ہوتے چلے جائیں۔ یہاں مقصود اعانت ہے، اہانت نہیں۔ تکمیل ہے، تنقیص نہیں۔ واللہ ولی الامور۔ تاہم معترضین حضرات کو یہ حقیقت ہمیشہ ذہن میں رکھنی چاہیے کہ اگر کسی موقف، قول اور دعویٰ پر نا قابل تردید اور یقینی دلائل قائم ہو جائیں تو ان کے انکار اور ان سے راہ فرار اختیار کرنے کے لئے غیر معصوم اکابرین کی فکری لغزشوں میں پناہ تلاش کرنے کو ہرگز علمی روش قرار نہیں دیا جاسکتا اور نہ ہی اس طرز عمل اور اس انداز فکر کا کوئی اخلاقی وشرعی جواز پیش کیا جاسکتا ہے۔

جب براہین قاطعہ سے ثابت ہو چکا کہ اہل مکہ کی تقویم رسمِ نسی پر مبنی (قمریہ شمسی تقویم) تھی اور نہ صرف قریش مکہ بل کہ تمام قبائلِ عرب کا حج ذی الحجہ قمری میں ہرگز نہیں بل کہ ذی الحجہ قمریہ شمسی میں ہوا کرتا تھا اور جب یہ بھی واضح ہو چکا کہ ذی الحجہ قمریہ شمسی کی طرح اس قمریہ شمسی تقویم کے دوسرے تمام مہینے بھی اپنے ہم نام خالص قمری تقویم کے مہینوں کے مقابل ۳۳ سالوں میں صرف دو تین سالوں کے لئے ہی ہوا کرتے تھے اور بقیہ ۲۹، ۳۰ سالوں میں ان کے مقابل دوسرے قمری مہینے ادل بدل کر آیا کرتے تھے، اور جب یہ بھی ثابت ہو گیا کہ ابرھہ کے حملے والے محرم سے پہلے کا ذی الحجہ قمریہ شمسی تھا لہٰذا متصلاً اس کے بعد کے محرم، صفر اور ربیع الاول کے مہینے بھی قمریہ شمسی تقویم کے تھے اور جب اوپر سوال نمبر ۱۳ اور نمبر ۱۵ کے جواب میں خوب واضح ہو چکا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادتِ مبارکہ کا ربیع الاول قمریہ شمسی تقویم کا تھا اور اس کے مقابل خالص قمری تقویم کا مہینہ رمضان المبارک کا تھا، تو ان تمام حقائقِ ثابتہ سے انکار و فرار اور اپنی غلط بات پر اصرار لازماً ضد، تعصّب اور تحکّم ہی قرار پائے گا۔ تاہم محمود پاشا فلکی جیسے جن حضرات کو عربوں کی قمریہ شمسی تقویم کی کما حقہ معرفت حاصل نہ ہو سکی، تو انہوں نے ولادتِ مبارکہ کے ربیع الاول کو غلطی سے خالص قمری تقویم کا سمجھ لیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک کے ۶۳ سالوں کو خالص قمری سال سمجھ لیا۔ جس کے شمسی سال ۶۱ ہوتے ہیں۔ اس لئے انہوں نے آپ کے عیسوی سال وفات ۶۳۲ عیسوی سے ۶۱ سال کم کرکے ولادتِ مبارکہ کا سال ۵۷۱ عیسوی برآمد کیا۔ سال ۵۷۱ عیسوی کے مقابل خالص قمری تقویم کا سال ۵۳ قبل ہجرت قمری تھا۔ اس سال کے قمری ربیع الاول کے قِران شمس وقمر (ولادتِ قمر) کی عیسوی تاریخ ۱۰ اپریل ۵۷۱ عیسوی جیولین بہ وقت ۱۲:۱۰ تھی۔ لہٰذا حسبِ قواعد چاند ۱۱ اپریل کو غروب شمس کے بعد نظر آیا اور ۱۲ اپریل ۵۷۱ عیسوی جیولین کو قمری تاریخ یکم ربیع الاول اور ۲۰ اپریل ۵۷۱ عیسوی جیولین کو ۹ ربیع الاول ۵۳ قبل ہجرت ہوئی۔ دن سوموار تھا لہٰذا اسی کو محمود پاشا فلکیؒ نے

غلطی سے ولادتِ مبارکہ کی تاریخ سمجھ لیا، اور اسی غلطی کی پیروی علامہ شبلیؒ وغیرہ دور جدید کے سیرت نگاروں نے کی۔ بل کہ قاضی محمد سلیمان منصور پوریؒ نے بھی اسی کو ولادتِ مبارکہ کی تاریخ سمجھتے ہوئے دنیا کی دیگر اقوام کی قدیم و جدید تقاویم سے اس کا تقابل کرنے میں سخت محنت کی۔ اللہ تعالیٰ انہیں اس کا اجر عظیم عطا فرمائے۔ لیکن صاف ظاہر ہے کہ یہ ساری محنت غلط سمت میں ہوئی۔ ۹ ربیع الاول ۵۳ قبل ہجرت قمری ہر گز ولادتِ مبارکہ کی تاریخ نہیں ہے۔ یہاں سنگین لغزش یہی ہوئی ہے کہ ولادتِ مبارکہ کے ربیع الاول کو قمری تقویم کا سمجھ لیا گیا۔ جب ابرھہ کے حملے والے محرم سے پہلے کا ذی الحجہ یقیناً قمریہ شمسی تقویم کا ہی تھا، قمری تقویم کا ہرگز نہیں تھا، کیوں کہ عرب قمریہ شمسی تقویم کے ذی الحجہ میں ہی حج کیا کرتے تھے، تو اس کے متصلاً بعد کے محرم، صفر اور ربیع الاول کے مہینے بھلا یک خالص قمری تقویم کے کیسے ہو گئے؟

نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک سے متعلق ۶۳ سال کے علاوہ ۶۵ اور ساڑھے باسٹھ سال کے اقوال بھی ہیں۔ (۴۰/ب) عیسوی تقویم میں، پ کی ولادتِ مبارکہ کی صحیح تاریخ ۴ نومبر ۵۶۹ عیسوی جیولین اور وفات کی تاریخ ۸ جون ۶۳۲ عیسوی جیولین ہے۔ لہٰذا شمسی سالوں میں عمر مبارک ۶۲ سال ۷ ماہ اور کوئی پانچ دن ہوئی، جسے تقریباً ساڑھے باسٹھ سال اور بہ تکمیل کسر ۶۳ سال قرار دیا جاتا ہے۔ شمسی اور قمریہ شمسی سال کی دنوں میں مدت نہایت ہی معمولی فرق کے ساتھ برابر ہوتی ہے۔ دور نبوی میں حجۃ الوداع تک قمریہ شمسی تقویم کو ہی عربوں میں رسمی حیثیت حاصل رہی، لہٰذا یہ ۶۳ سال قمریہ شمسی تقویم کے ہیں، اور خالص قمری تقویم میں یہ ۶۵ سال ہوتے ہیں۔ یوں ۶۳، ۶۵ اور ساڑھے باسٹھ سال کے تینوں اقوال میں بہ خوبی تطبیق ہو جاتی ہے۔ یہ تو بارہا مذکور ہو چکا کہ اہل مکہ کی تقویم چوں کہ قمریہ شمسی تھی اس لئے ولادتِ مبارکہ کا قمریہ شمسی مہینہ ربیع الاول جو مشہور ہوا اسے دو تقویمی التباس کی وجہ سے خالص قمری تقویم کا سمجھتے ہوئے متقدمین میں سے کچھ حضرات نے تاریخ ۸ ربیع الاول اور کچھ نے ۱۲ ربیع الاول بیان کر دی۔ ہمارے علم کے مطابق ۹ ربیع الاول کی تاریخ کسی نے نہیں بیان کی۔ لیکن اگر بالفرض ولادتِ مبارکہ کے ربیع الاول کو خالص قمری تقویم کا ہی سمجھ لیا جائے تو صحیح تاریخ ۹ ربیع الاول اور چاند کی رویئت کے ایک دن مؤخر ہونے سے ۸ ربیع الاول تو ہو سکتی ہے، لیکن ۱۲ ربیع الاول کسی بھی تقویم میں خواہ قمریہ شمسی ہو یا قمری ہو، ہرگز نہیں ہو سکتی۔ مادی اور سائنسی علوم کی اس روز افزوں ترقی کے دور میں بھی ۱۲ ربیع الاول کو تاریخ ولادت قرار دینا اور اس کے حق میں بعض متقدمین کے اقوال کا انبار لگانے کی کوشش کرنا محض ضد، تعصب اور تحکم تو ہو سکتا ہے، اسے ہرگز علمی یا تحقیقی کارنامہ قرار نہیں دیا جا سکتا۔ جہاں بھی نقلی و سمعی دلیل ظنی ہو اور عقلی دلیل قطعی اور یقینی ہو تو تعارض کی صورت میں عقلی دلیل کو ہی ترجیح

حاصل ہوگی، خصوصاً جب کہ متعدد نقلی شواہد بھی اس کی تائید و توثیق میں موجود ہوں تو کج بحثی کے تمام دروازے ہمیشہ کے لئے مسدود ہو جاتے ہیں۔ الغرض خالص قمری تقویم کے حساب سے بھی ولادتِ مبارکہ کی تاریخ ۱۲ ربیع الاول اس لئے عقلاً محال ہے کہ ۱۲ ربیع الاول ۵۳ قبل ہجرت کو سوموار کا دن نہیں بل کہ جمعرات کا دن تھا۔ حال آں کہ اس پر تو سب کا اتفاق ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سوموار کے دن پیدا ہوئے تھے۔ محترم ضیاء الدین لاہوری کی کتاب جوہر تقویم میں یکم اپریل ۵۷۱ عیسوی کے مقابل قمری تاریخ ''۱۸ صفر ۵۳ قبل ہجرت بہ روز بدھ'' لکھی ہے اور یکم مئی کے مقابل قمری تاریخ ۱۹ ربیع الاول ۵۳ قبل ہجرت اور دن جمعہ لکھا ہے۔ پس ۲۰ اپریل ۵۷۱ عیسوی جیولین کو قمری تاریخ ۸ ربیع الاول ۵۳ قبل ہجرت قمری ہوئی اور دن سوموار کا ہوا وقتِ قِران کے لحاظ سے صحیح تاریخ ۹ ربیع الاول ہوتی ہے، رویتِ ہلال مؤخر ہونے سے ۸ ربیع الاول بھی ہوسکتی ہے) گو یہ تاریخ ولادت صحیح نہیں ہے جیسا کہ ہم اوپر اچھی طرح واضح کر چکے ہیں، تاہم یہ تو ثابت ہو ہی رہا ہے کہ خالص قمری تقویم کو ملحوظ رکھا جائے اور ولادتِ مبارکہ کے ربیع الاول کے قمری ہونے پر ناحق اصرار جاری رکھا جائے تو بھی ۱۲ ربیع الاول ۵۳ قبل ہجرت قمری کو ہرگز صحیح تاریخ ولادت قرار نہیں دیا جا سکتا۔ اور اسی جوہر تقویم میں سال وفات ۶۳۲ عیسوی جیولین میں یکم جون ۶۳۲ عیسوی جیولین کے مقابل خالص قمری تقویم کی تاریخ ۶ ربیع الاول ۱۱ ہجری اور دن سوموار لکھا ہے۔ چوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال بالاتفاق سوموار کو ہوا تھا، لہٰذا یکم اور دو ربیع الاول ۱۱ ہجری قمری کو یوم وفات قرار دینا ایسے ہی عقلاً محال ہے جیسے دو اور دو کا پانچ ہونا محال ہے۔ سوموار کا دن ۱۳ ربیع الاول ۱۱ ہجری قمری کا بنتا ہے اور اگر چاند ایک دن تاخیر سے نظر آیا ہو تو یہ ہرگز خارج از امکان نہیں۔ اس لئے ۱۲ ربیع الاول ۱۱ ہجری قمری بہ روز سوموار بہ مطابق مدنی رؤیت ہلال یقیناً آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے یوم وفات کی صحیح تاریخ ہے۔ اس دن صحابہ کرامؓ اور اہل بیت عظام کو جس پریشانی اور جس رنج والم اور جس غم واندوہ سے واسطہ پڑا تو کوئی بھی سلیم الطبع اور عقل سلیم رکھنے والا مسلمان اسے جشن ومسرت کا دن قرار نہیں دے سکتا۔ ۱۲ ربیع الاول ۱۱ ہجری قمری بہ روز سوموار کسے شدید غم لاحق ہوا تھا اور کسے بہت خوشی ہوئی تھی، اسے سمجھنے کے لئے زیادہ عقل کی ضرورت نہیں۔ **واللہ یھدی من یشاء الیٰ صراط مستقیم وماعلینا الاالبلاغ المبین** رہا یہ خیال کہ چلئے ربیع الاول آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کا بھی تو مہینہ ہے تو پھر سمجھ لیجئے کہ ہماری موجودہ ہجری تقویم خالص قمری تقویم ہے اور اسی خالص قمری تقویم کے خالص قمری ربیع الاول میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دار فانی سے دار بقا کی جانب رحلت تو یقیناً ہوئی لیکن خالص قمری ربیع الاول میں ولادت ہرگز نہیں

ہوئی۔ ولادت کا ربیع الاول قمریہ شمسی تقویم کا تھا جس کے مقابل خالص قمری تقویم کا مہینہ رمضان المبارک کا تھا۔ رمضان المبارک میں کوئی آپ کا جشن ولادت منانا چاہتا ہے تو کم از کم یہ تو ہوگا کہ اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام اور اہل بیت عظام رضی اللہ عنھم وارضاھم اجمعین کی توہین اور دل آزاری نہیں ہوگی۔ فھل من مدکر؟

سوال نمبر ۱۸:

واقعۂ معراج کی قمریہ شمسی اور قمری تواریخ بیان کیجئے۔

جواب:۔ معراج النبی بہ قول ابن سعد بہ روایت ابوبکر عبداللہ ۱۷ رمضان بہ روز ہفتہ کا واقعہ ہے، جو ہجرت مدینہ سے کوئی ڈیڑھ سال پہلے کا ہے۔ (۴۰/ ج) لیکن معراج کی مشہور تاریخ ۲۷ رجب ہے۔ سال ۱ ہجری قمری سے ڈیڑھ سال پیچھے کو جائیں تو قبل ہجرت سال ''۲ قبل ہجرت'' برآمد ہوگا۔ محترم ضیاء الدین لاہوری کی جوہر تقویم میں یکم اپریل ۶۲۱ عیسوی جیولین کے مقابل قمری تقویم کی تاریخ ۳ رمضان المبارک ۲ قبل ہجرت اور دن بدھ لکھا ہے۔ پس ۲۷ رمضان المبارک ۲ قبل ہجرت قمری کو عیسوی تاریخ ۲۵ اپریل ۶۲۱ عیسوی اور دن ہفتہ ہوا۔ عبرانی سال حسب قواعد (۶۲۰ + ۳۷۶۱) = ۴۳۸۱ خلیقہ ہوا عبرانی سال عیسوی سال کے ستمبر ۶۲۰ عیسوی سے اگست ۶۲۱ عیسوی کے مقابل رہا اسے ۱۹ پر تقسیم کرنے سے حاصل قسمت ۲۳۰، اور باقی ماندہ عدد ۱۱ حاصل ہوتا ہے۔ یعنی یہ ۲۳۱ ویں ۱۹ سالہ عبرانی دور کا گیارھواں سال ہوا جو مکبوس (تیرہ مہینوں والا) سال ہوا کرتا ہے۔ اگر ہم محرم قمریہ شمسی کو ستمبر کے مقابل لاکر اور اکتوبر کے مقابل محرم کبیسہ ڈال کر چلیں تو اپریل کے مقابل قمریہ شمسی تقویم کا مہینہ ٹھیک رجب ہی کا برآمد ہوتا ہے۔ یوں واقعۂ معراج ہماری اس تحقیق کے مطابق ۲۷ رجب ۲ قبل ہجرت قمریہ شمسی مطابق ۲۷ رمضان ۲ قبل ہجرت قمری مطابق ۲۵ اپریل ۶۲۱ عیسوی جیولین بہ روز ہفتہ کا ہے۔

سوال نمبر ۱۹:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تاریخ وفات پر اہل علم میں اختلاف کا سبب کیا ہے اور کیا اس اختلاف کا واقعی کوئی حقیقی جواز موجود ہے؟

جواب:۔ اس اہم سوال کے جواب اور اس کے متعلقات کو سمجھنے کے لئے ہم ذی قعدہ ۱۰ ہجری قمری سے جمادی الاولی ۱۱ ہجری قمری تک کی تقابلی جدول پیش کرتے ہیں:

عیسوی تاریخ اور دن بہ حساب مکی رویئت	عیسوی تاریخ اور دن بہ حساب مدنی رویئت	قمری ہجری	تاریخ قران	وقت قران
۲۹ جنوری ۶۳۲ء۔ بدھ	۲۹ جنوری ۶۳۲ء۔ بدھ	یکم ذی قعدہ ۱۰ ہجری	۲۷ جنوری	9:43
۲۷ فروری، جمعرات	۲۸ فروری، جمعہ	یکم ذی الحجہ	۲۶ فروری	0:06
۲۸ مارچ، ہفتہ	۲۹ مارچ، اتوار	یکم محرم ۱۱ ہجری	۲۶ مارچ	15:10
۲۷ اپریل، سوموار	۲۸ اپریل، منگل	یکم صفر	۲۵ اپریل	6:30
۲۷ مئی، بدھ	۲۸ مئی، جمعرات	یکم ربیع الاول	۲۴ مئی	21:46
۲۵ جون، جمعرات	۲۶ جون، جمعہ	یکم ربیع الثانی	۲۳ جون	12:34
۲۵ جولائی، ہفتہ	۲۵ جولائی، ہفتہ	یکم جمادی الاولیٰ	۲۳ جولائی	2:38

مذکورہ بالا جدول کے مطابق ربیع الاول ۱۱ ہجری قمری کے مہینے کے قران شمس وقمر (ولادتِ قمر) کی عیسوی تاریخ بغداد کے معیاری وقت کے مطابق ۲۴ مئی ۶۳۲ عیسوی جیولین بہ وقت ۲۱:۴۶ تھی۔ اہل ہیئت کے قواعد کے مطابق رؤیت ہلال ۲۶ مئی کو غروب شمس سے پہلے قطعاً ممکن نہیں، لہٰذا یکم ربیع الاول ۱۱ ہجری قمری کی عیسوی تاریخ ۲۷ مئی ۶۳۲ عیسوی جیولین بہ روز بدھ کی ہونی چاہیے۔ چناں چہ مکی رویئت ہلال کے مطابق یکم ربیع الاول کو بدھ اور ۱۳ ربیع الاول کو سوموار کا دن ہوتا ہے۔ اس لئے ''اے شارٹر انسائیکلو پیڈیا آف اسلام'' میں تاریخ وفات ۱۳ ربیع الاول ۱۱ ہجری بیان کی گئی ہے۔ اس سے پہلے حجۃ الوداع کے موقع پر قمریہ شمسی تقویم ہمیشہ کے لئے منسوخ کردی گئی تھی، لہٰذا مذکورہ بالا جدول میں قمری مہینوں کے مقابل قمریہ شمسی تقویم کے مہینے نہیں دیے گئے ہیں۔ متقدمین اہل سیر نے یوم وفات کی تاریخ جو ۱۲ ربیع الاول ۱۱ ہجری بہ روز سوموار کی بیان کی ہے تو یہ خالص قمری تقویم کا ربیع الاول ہے۔ (۴۰/ د) اس سے صاف معلوم ہو رہا ہے کہ مدینہ منورہ میں چاند ایک دن کی تاخیر سے نظر آیا، لہٰذا یوم وفات ۱۲ ربیع الاول ۱۱ ہجری قمری مطابق ۸ جون ۶۳۲ عیسوی جیولین مدنی رویئت ہلال کے اعتبار سے ہے۔ دن سوموار تھا۔ اس تاریخ پر جو اشکالات پیش کئے جاتے ہیں ا نہیں فرداً فرداً زیر بحث لایا جاتا ہے:

ا۔ بعض اہل سیر مثلاً علامہ سہیلیؒ کو یہ اشکال پیش آیا کہ حجۃ الوداع میں یوم عرفہ ۹ ذی الحجہ ۱۰ ہجری قمری کو بالاتفاق جمعہ کا دن تھا۔ اس کے بعد ذی الحجہ، محرم، صفر کے مہینے خواہ ۲۹ یا ۳۰ دن کے یا ملا جلا کر ۲۹، اور ۳۰ دن کے لئے جائیں تو کسی بھی صورت میں ۱۲ ربیع الاول ۱۱ ہجری قمری کو سوموار کا دن نہیں ہوسکتا، حال آں کہ وفات کا دن بالاتفاق سوموار ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے غلط خیال قائم فرمالیا کہ قدیم مسودات میں تاریخ

رحلت ثانی شہر ربیع الاول ہوگی، جسے غلطی سے ثانی عشر ربیع الاول پڑھ لیا گیا۔ (۴۱/ الف) مثل مشہور ہے زَلّۃ العالِم زَلّۃ العالَم کہ ایک عالِم کی لغزش پورے جہاں کی لغزش کا سبب بن جایا کرتی ہے۔ سخت حیرت ہے کہ جن اہل علم نے علامہ سہیلیؒ اور حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کی ان باتوں کو قبول کرلیا، انہوں نے یہ بھی سوچنے کی زحمت نہ فرمائی کہ کیا کوئی ایک لاکھ سے اوپر صحابۂ کرامؓ کا حافظہ (معاذ اللہ) اس قدر خستہ حال تھا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جیسی عظیم ترین، محبوب ترین اور عزیز ترین، بعد از خدا بزرگ توئی کی حقیقی مصداق ہستی کی تاریخ وفات کو بھی بھول گئے؟۔ اس (مفروضہ) ضعفِ حافظہ کو تسلیم کرلیا جائے تو عربوں کے حافظے کے قوی ہونے کی جن روایات کو معنوی تواتر حاصل ہے، ان سب کو (معاذ اللہ) کالعدم قرار دینا ہوگا اور اس مشکل سوال کا بھی معقول جواب دینا ہوگا کہ جن کا حافظہ اس قدر کمزور ہو کہ وہ آپ کی صحیح تاریخ وفات تک کو بھی آئندہ نسلوں تک منتقل نہ کر سکے ہوں تو انہوں نے قرآن وسنت کو کیسے صحیح منتقل کیا ہوگا؟ نیز کیا بعد کے لوگوں کا حافظہ بھی اس قدر قابل رحم حد تک کمزور تھا کہ وہ آپ کی وفات کی صحیح تاریخ تک کو بھی اپنے ذہنوں میں محفوظ نہ رکھ سکے اور اس کے لئے وہ مسوّدات کے اس قدر محتاج ہو کر رہ گئے تھے کہ ثانی شہر ربیع الاول کو ثانی عشر ربیع الاول سمجھ بیٹھے۔ ان حضرات پر سخت تعجب ہے جنہوں نے اس طرح کے مفروضات کو بلا تحقیق صحیح قرار دے کر آپ کی تاریخ وفات تک کو بھی اختلافی قرار دے ڈالا۔ حال آں کہ آپ نے حج میں مکی رویت ہلال کو ملحوظ فرمایا جب کہ آپ کے انتقال کی تاریخ مدنی رویت ہلال پر مبنی ہے۔ بہ روایت حضرت عائشہؓ مدینے سے حجۃ الوداع کے لئے روانگی کے دن، ذی قعدہ کے ختم ہونے میں پانچ دن باقی تھے اور بہ روایت حضرت انسؓ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ظہر کی چار رکعت نماز پڑھ کر مدینہ سے روانہ ہوئے تھے۔ (۴۱/ ب) اس سے معلوم ہوا کہ ۲۵ ذی قعدہ ۱۰ ہجری قمری کو جمعہ کا دن نہیں تھا ورنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کی نماز پڑھاتے۔ جمعرات کا دن بھی نہیں ہوسکتا کیوں کہ اس صورت میں اگر ذی قعدہ کا مہینہ ۳۰ دن کا لیا جائے تو یکم ذی الحجہ کو بدھ کا اور اگر ذی قعدہ کو ۲۹ دن کا لیا جائے تو یکم ذی الحجہ کو منگل کا دن بنے گا۔ دونوں صورتوں میں ۹ ذی الحجہ کو جمعہ کا دن نہیں ہو سکتا۔ پس ۲۵ ذی قعدہ ۱۰ ہجری قمری کو لامحالہ ہفتہ کا دن تھا۔ مذکورہ بالا جدول کے مطابق ذی قعدہ ۱۰ ہجری قمری کے مہینے کے لئے قِران شمس وقمر کی تاریخ ۲۷ جنوری ۶۳۲ عیسوی جیولین بہ وقت ۹:۴۳ تھی۔ قواعدِ ہیئت کے مطابق رویت ہلال ۲۸ جنوری کو بہ روز منگل غروب شمس کے وقت ہوئی لہٰذا یکم ذی قعدہ ۱۰ ہجری قمری مطابق ۲۹ جنوری بہ روز بدھ ہوئی۔ اگر پہلی تاریخ کو بدھ ہو تو ۲۵ تاریخ کو ٹھیک ہفتہ کا دن ہی برآمد ہوتا ہے۔

حضرت جابر بن عبداللہؓ کی روایت کے مطابق حجۃ الوداع کے لئے جب روانگی ہوئی تو ذی قعدہ کے چار یا پانچ دن باقی تھے۔ (۴۱/ ج) اس سے یہ معلوم ہوا کہ مدنی مطلع کے مطابق ذی قعدہ ۱۰ ہجری کا مہینہ ۳۰ دن کا ہوا

اور مکی مطلع کے مطابق ۲۹ دن کا ہوا۔ یعنی مدنی مطلع کے مطابق اگلے مہینے ذی الحجہ ۱۰ ہجری قمری کی پہلی تاریخ کو جمعہ اور مکی مطلع کے مطابق جمعرات کا دن تھا۔ چناں بہ قول ابن سعد آپ ۴ ذی الحجہ کو بہ روز سوموار مکہ میں داخل ہوئے تھے۔ (۴۲/ الف) ابن سعد نے مدنی رویت ہلال کے مطابق تاریخ بیان کی ہے۔ واقدی نے بھی لکھا ہے کہ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یوم ترویہ (یعنی ۸ ذی الحجہ) کو جمعہ کا دن تھا۔ (۴۲/ ب) اس سے بھی مدنی رویت ہلال کا ایک دن مؤخر ہونا ثابت ہوا۔ پس یوم عرفہ ۹ ذی الحجہ ۱۰ ہجری قمری کو جو بالاتفاق جمعہ کا دن تھا تو یہ مکی رویت ہلال کے اعتبار سے ہے ورنہ جیسا کہ حضرت عائشہؓ اور حضرت جابرؓ کی روایات سے اور جیسا کہ ابن سعد اور واقدی کے بیانات سے روز روشن کی طرح واضح ہو رہا ہے، مدنی رویت ہلال کے مطابق ۹ ذی الحجہ ۱۰ ہجری قمری کو جمعہ کا نہیں بل کہ ہفتہ کا دن تھا۔ ذی الحجہ ۱۰ ہجری قمری کے مہینے کے لئے قرآن شمس و قمر کی تاریخ ۲۶ فروری ۶۳۲ عیسوی جیولین بہ وقت ۰۶:۰۰ ہے۔ یعنی مکی مطلع کے مطابق کوئی اٹھارہ گھنٹے کی عمر کا چاند مکہ مکرمہ میں دکھائی دے گیا لیکن مدینے میں ایک دن تاخیر سے نظر آیا۔ گو اٹھارہ گھنٹے کی عمر کے چاند کا دکھائی دینا نادر الوقوع ہے لیکن بہترین فلکی کیفیات میں ممکن ہے۔ جب مدنی مطلع کے مطابق یکم ذی الحجہ ۱۰ ہجری کو جمعے کا دن تھا اور ذی الحجہ کے علاوہ اگلے محرم اور صفر ۱۱ ہجری کے مہینے بھی ۳۰، ۳۰ دن کے ہوئے تو ۱۲ ربیع الاول ۱۱ ہجری کو ٹھیک سوموار کا ہی دن ہوا۔ الغرض مدنی مطلع کے اعتبار سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کی تاریخ بلاشبہ ۱۲ ربیع الاول ۱۱ ہجری قمری مطابق ۸ جون ۶۳۲ عیسوی جیولین بہ روز سوموار کی ہے۔ قران شمس و قمر کی متعلقہ تاریخ اور وقتِ قران کی روشنی میں یکم، دو، دس ربیع الاول ۱۱ ہجری کو سوموار کا دن ہونا ایسے ہی عقلاً محال ہے جیسے دو اور دو کا پانچ ہونا محال ہے۔ جدید تحقیق اور معلومات کی رو سے بھی علامہ سہیلیؒ اور ابن حجر عسقلانیؒ کا یہ خیال قطعاً غلط ہے کہ وفات کی تاریخ ۲ ربیع الاول ہو سکتی ہے۔ بعض جید اہل علم بھی اوقاتِ قران اور قطعی یقینی حسابی شواہد کو نظر انداز کرتے ہوئے ابن حجر عسقلانیؒ کی پیروی میں ۱۲ ربیع الاول کو جو یوم وفات قرار نہیں دیتے تو اپنی افسوس ناک بے خبری سے ان لوگوں کی خاموش حمایت فرما رہے ہیں، جنہوں نے بے خبری اور لاعلمی ہی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے یوم وفات کو آپ کا یوم ولادت سمجھ رکھا ہے۔

۲۔ ایک اشکال یہ پیش کیا جاتا ہے کہ مذکورہ بالا جدول کی رو سے مدنی رویت ہلال کے اعتبار سے ذی قعدہ ۱۰ ہجری قمری سے صفر ۱۱ ہجری قمری تک لگاتار چار مہینے تیس تیس دن کے ہوئے۔ حال آں کہ قواعدِ ہیئت کی رو سے تیس تیس دن کے لگاتار مہینے زیادہ سے زیادہ تین اور انتیس انتیس دن کے لگاتار مہینے زیادہ سے زیادہ دو ہو سکتے ہیں۔ اس اشکال کا نہایت اطمینان بخش جواب موجود ہے۔ مطلع کے غبار آلود ہونے یا کسی بھی وجہ سے چاند نظر نہ آنے کی صورت میں چار قمری مہینے مسلسل تیس تیس دن کے اور ان کے

متصل بعد تین قمری مہینے انتیس انتیس دن کے ہو سکتے ہیں۔ گو یہ نادر الوقوع ہے لیکن خارج میں ایسا ہونا محال نہیں ہے۔ ماضی کے برعکس جدید سائنسی دور میں ہمیں مواصلات اور ذرائع رسل و رسائل کی جدید ترین سہولتیں حاصل ہیں۔ رویت ہلال کے لئے (مثلاً اسلامی جمہوریہ پاکستان) میں کمیٹیاں قائم کی جاتی ہیں جو رویت ہلال کی شہادتیں جمع کرتی ہیں۔ پھر ان پر غور و فکر کے بعد رویت یا عدم رویت کے فیصلے صادر کرتی ہیں۔ پاکستان میں ذی الحجہ ۱۴۱۵ ہجری، محرم تا ربیع الاول ۱۴۱۶ ہجری چار مہینے لگاتار تیس تیس دنوں کے ہوئے۔ ان قمری مہینوں کی پہلی تاریخ کے مقابل عیسوی تواریخ بالترتیب یکم مئی، ۳۱ مئی ۳۰ جون اور ۳۰ جولائی ۱۹۹۵ عیسوی گریگورین کی تھیں۔ اس کے بعد ربیع الثانی سے جمادی الاخریٰ ۱۴۱۶ ہجری کے تین قمری مہینے لگاتار انتیس انتیس دنوں کے ہوئے۔ ان قمری مہینوں کی پہلی تاریخ کے مقابل عیسوی تواریخ بالترتیب ۲۹ اگست، ۲۷ ستمبر اور ۲۶ اکتوبر کی تھیں۔ اسی طرح پاکستانی روایت ہلال کمیٹی کے فیصلوں کی روشنی میں ذی قعدہ، ذی الحجہ ۱۴۰۸ ہجری، محرم اور صفر ۱۴۰۹ ہجری کے لگاتار چار مہینے تیس تیس دنوں کے ہوئے۔ ان قمری مہینوں کی پہلی تاریخ کے مقابل عیسوی تواریخ بالترتیب ۱۶ اجون، ۱۶ جولائی، ۱۵ اگست اور ۱۴ ستمبر ۱۹۸۸ عیسوی تھیں۔ یکم ربیع الاول ۱۴۰۹ ہجری کے مقابل عیسوی تاریخ ۱۴ اکتوبر ۱۹۸۸ عیسوی گریگورین تھی۔ یعنی صفر ۱۴۰۹ ہجری کا مہینہ تیس دن کا ہی تھا۔

۳۔ ایک اشکال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مدنی رویت ہلال کے مطابق ذی الحجہ ۱۰ ہجری قمری سے ربیع الثانی ۱۱ ہجری قمری تک لگاتار پانچ مہینوں میں رویت ہلال قواعد ہیئت کی رو سے مقررہ دن پر ہونے کی بہ جائے ایک دن مؤخر ہوئی۔ اس اشکال کو رفع کرنے کے لئے ہم پاکستانی رویت ہلال کمیٹی کے فیصلوں کی روشنی میں سال ۱۴۰۹ ہجری قمری کے پانچ مہینوں کی جدول پیش کر رہے ہیں۔ ان میں اوقاتِ قرآن پاکستان کے معیاری وقت کے مطابق ہیں:

عیسوی گریگورین	دن	قمری ہجری	تاریخ قِران	وقت قِران
۱۵ اگست ۱۹۸۸ء	سوموار	یکم محرم ۱۴۰۹ ہجری	۱۲ اگست	17:31
۱۴ ستمبر	بدھ	یکم صفر	۱۱ ستمبر	9:49
۱۴ اکتوبر	جمعہ	یکم ربیع الاول	۱۱ اکتوبر	2:49
۱۲ نومبر	ہفتہ	یکم ربیع الثانی	۹ نومبر	19:20
۱۲ دسمبر	سوموار	یکم جمادی الاولیٰ	۹ دسمبر	10:36

مذکورہ بالا قمری مہینوں میں اگر اوقاتِ قرآن کو دیکھا جائے تو بہ ظاہر رویت ہلال ایک دن پہلے

ہونی چاہیے تھی۔ غور کیا جائے تو مدنی رویئت پر یہ اشکال اس لئے بھی وارد نہیں ہوتا کہ مدینہ منورہ میں ذی الحجہ ۱۰ ہجری قمری کا چاند بہ ظاہر معمول کے مطابق نظر آیا البتہ مکہ مکرمہ میں صرف اٹھارہ گھنٹے کی عمر کا چاند نظر آ گیا، لہٰذا حیرت مکی رویئت بلال پر تو ہوسکتی ہے مدنی پر نہیں۔ لیکن مکی رویئت کا انکار اس لئے ممکن نہیں کہ مکی رویئت کے اعتبار سے ۹ ذی الحجہ ۱۰ ہجری یوم عرفہ کو کا بالاتفاق جمعہ ہی کا دن تھا۔

۴۔ ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ بعض حضرات مشہور تواریخ کو درست ثابت کرنے کے لئے محض تخیل کے زور پر تین تین چار چار مہینوں کو کبھی مسلسل ۲۹ دنوں کا اور کبھی ۳۰ دنوں کا شمار کر لیتے ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ہم نے یہاں ایسا ہرگز نہیں کیا ہے بل کہ قران شمس وقمر کے اوقات اور تواریخ پیش کردی ہیں۔ پاکستانی رویئت ہلال کمیٹی کے فیصلوں کی روشنی میں تواریخ رویئت ہلال کے مطابق قمری مہینوں کی پہلی تاریخ کے مقابل عیسوی تواریخ پیش کر کے یہ واضح کر دیا ہے کہ کسی وجہ سے چاند نظر نہ آنے کی صورت میں چار قمری مہینوں کا مسلسل تیس تیس دنوں کا اور ان کے متصلاً بعد تین قمری مہینوں کا مسلسل انتیس انتیس دنوں کا ہونا خارجی حقائق کی روشنی میں محال نہیں ہے۔ یہ سب کچھ تخیل کے زور پر نہیں ہوا ہے بل کہ ناقابل انکار خارجی شواہد یعنی خارج میں نمودار ہونے والے حقائق ثابتہ ہیں۔

۵۔ ایک شبہ یہ پیش کیا جاتا ہے کہ مکے اور مدینے کا فاصلہ اتنا زیادہ نہیں کہ ان کا مطلع مختلف ہو لہٰذا دونوں شہروں میں رویئت ہلال کا اختلاف نہیں ہوسکتا۔ یہ شبہ بالکل لغو ہے۔ جن علاقوں کا مطلع ایک ہو اگر ان میں رویئت ہلال کا اختلاف کبھی ہوا ہی نہ کرے تو رویئت ہلال کمیٹیاں قائم کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ ممکن ہے کہ ایک مقام پر مطلع صاف اور دوسرے پر ابر آلود یا غبار آلود ہو۔ ممکن ہے کہ ایک مقام پر رویئت ہلال کا خاص اہتمام کیا گیا ہو اور دوسرے پر ایسا اہتمام نہ ہوا ہو، وغیرہ ایسے امور ہیں کہ ایک ہی مطلع والے علاقوں میں رویئت ہلال کی تواریخ میں اختلاف واقع ہوتا رہتا ہے۔ مثلاً غزوہ فتح مکہ کے لئے روانگی ۱۰ رمضان ۸ ہجری (قمریہ شمسی) بہ روز بدھ کی اور فتح مکہ کی تاریخ ۲۰ رمضان ۸ ہجری (قمریہ شمسی) بہ روز جمعہ کی بیان کی جاتی ہے۔ (۴۲/ج)۔ اگر ۱۰ تاریخ کو بدھ ہو تو ۲۰ تاریخ کو جمعہ کا نہیں بل کہ ہفتے کا دن ہونا چاہیے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ان دنوں بھی مدینہ منورہ میں رمضان قمریہ شمسی کا چاند ایک دن تاخیر سے نظر آیا تھا۔ ہم اوپر نکتہ نمبر ا کے تحت وہ روایات پیش کر چکے ہیں جن سے بہ خوبی ثابت ہوتا ہے کہ حجۃ الوداع کے ذی الحجہ ۱۰ ہجری قمری کا چاند بھی مدینہ منورہ میں ایک دن کی تاخیر سے نظر آیا تھا اور مدنی رویئت ہلال کی بنا پر ۹ ذی ۱۰ ہجری قمری کو جمعہ کا نہیں بل کہ ہفتے کا دن تھا۔

۶۔ ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ اگر مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کی رویئت ہلال میں لگا تار چار ماہ تک

ایک دن کا فرق رہا ہو تو فرض کیجیے کہ اس دوران سکے میں کوئی مہینہ ۳۰ کی بہ جائے ۲۹ دن کا ہو تو یہ فرق ایک دن کی بہ جائے دو دن کا ہو گیا۔ اور اگر دو مہینے ۲۹ دن کے ہوں تو تین دن کا فرق پڑ گیا۔ ماہرین فلکیات طویل سے طویل فاصلے کے دو شہروں کی رویئت ہلال میں اس طرح کئی مہینوں تک ایک دن کے مسلسل فرق کو تسلیم نہیں کرتے چہ جائے کہ یہ دو تین دن تک بڑھ جائے۔ اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ اوقات قران کی روشنی میں جب کسی مہینے کا تیس دن کا ہونا یقینی طور پر ثابت ہو جائے تو مذکورہ طرز کے مفروضات قائم کرنے کی کوئی گنجائش ہی نہیں رہتی۔ البتہ قواعد کے مطابق کوئی مہینہ ۲۹ دن کا ہو تو کسی وجہ سے چاند نظر نہ آنے کی صورت میں وہ تیس دن کا ہوسکتا ہے۔ اب اگر اگلا مہینہ بھی ۲۹ دن کا ہو اور چاند فی الواقع بروقت نظر آ جائے تو یہ مہینہ ۲۸ دن کا رہ جائے گا لہٰذا لوگ از خود حساب درست کر لیں گے۔ یہاں بھی مفروضات کی گنجائش نہیں ہے۔ ابو ریحان البیرونیؒ نے لکھا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ایک مرتبہ شعبان ۲۹ دن کا تھا لیکن چاند نظر نہ آنے کی وجہ سے ۳۰ دن کا شمار کر لیا گیا۔ اگلا مہینہ رمضان بھی ۲۹ دن کا تھا اور چاند بروقت نظر آ گیا تو پتہ چلا کہ لوگوں نے رمضان کے اٹھائیس روزے ہی رکھے ہیں کہ شوال کا چاند نظر آ گیا ہے۔ حضرت علیؓ نے عید الفطر کے بعد ایک اور روزہ رکھ کر انتیس روزے پورے کرنے کا حکم دیا۔ (۴۳/ الف)

دور حاضر ہی کو لیجیے۔ بارہا ایسا ہوا ہے کہ پاکستانی رویئت ہلال کمیٹی نے پورے ملک میں صرف دو چار مقامات میں چاند نظر آنے کی شہادتوں کو معتبر سمجھتے ہوئے پورے ملک کے لئے رویئت ہلال کا اعلان کر دیا۔ نیز رمضان المبارک اور عیدین کے لئے رویئت ہلال کا عوام وخواص بڑی حد تک اہتمام کرتے ہیں جب کہ دوسرے قمری مہینوں کے لئے ایسا اہتمام عام لوگ کرتے ہی نہیں۔ اگر ہر علاقے میں ہر ماہ کی رویئت ہلال کو خصوصی طور پر ملحوظ رکھتے ہوئے بین الاضلاعی رویئت اور عدم رویئت ہلال کا تقابل کیا جائے تو ایک ہی مطلع کے مختلف علاقوں میں لگاتار چند ماہ تک ایک دن کا فرق اس سائنسی دور میں بھی عین ممکن ہے۔

۷۔ ایک شبہ یہ پیش کیا جاتا ہے کہ کسی نہ کسی وجہ سے انتہائی اہم اور مشہور واقعات کی صحیح تاریخ کو مقدم و موخر کر دیا جاتا ہے۔ مثلاً قیام پاکستان کی اصل تاریخ ۱۵ اگست ۱۹۴۷ عیسوی ہے جو ۲۷ رمضان ۱۳۶۶ ہجری کے مقابل ہے لیکن بعد میں اسے ۱۴ اگست ۱۹۴۷ عیسوی کر دیا گیا جو ۲۶ رمضان کے مقابل ہے۔ یہ شبہ اس لئے درست نہیں کہ دور حاضر میں عیسوی تقویم میں اگلے دن اور اگلی تاریخ کا آغاز رات بارہ بجے کے بعد ہوتا ہے۔ لیکن قمری تقویم میں اگلے دن اور اگلی تاریخ کا آغاز سورج غروب ہونے کے بعد فوراً ہو جاتا ہے۔ ۱۴ اگست ۱۹۴۷ عیسوی کو سورج غروب ہوتے ہی قمری تاریخ ۲۷ رمضان اور اگلا دن

جمعۃ المبارک شروع ہوگیا تھا لیکن عیسوی تقویم کے مطابق تاریخ ۱۴ اگست اور دن جمعرات ہی رہا، رات کو بارہ بجے کے بعد اگلی تاریخ ۱۵ اگست اور اگلا دن جمعہ شروع ہوا۔ یعنی قمری تاریخ ۲۷ رمضان المبارک ۱۳۶۶ ہجری ۱۴ اگست ۱۹۴۷ عیسوی کو سورج غروب ہونے کے بعد شروع ہو کر ۱۵ اگست کو سورج غروب ہونے تک برقرار رہی۔ اس لئے تقویم پر لکھی گئی کتب میں ۲۷ رمضان کو ۱۵ اگست کے مقابل اور ۲۶ رمضان کو ۱۴ اگست کے مقابل رکھا گیا ہے۔ اگر قیام پاکستان کا اعلان مورخہ ۱۴ اگست ۱۹۴۷ عیسوی گریگورین کو رات کے بارہ بجے سے مثلاً ایک منٹ بھی پہلے ہوا ہوتو عیسوی تاریخ ۱۴ اگست ہی رہے گی اور قمری تاریخ ۲۷ رمضان ہی قرار پائے گی۔ لہٰذا یہ مثال دور نبوی کے زیر بحث مکی اور مدنی رویئت ہلال کے فرق پر چسپاں نہیں ہوتی۔

۸۔ ایک شبہ یہ پیش کیا جاتا ہے کہ عربوں میں تعلیم وتعلّم کا رواج بہت کم تھا۔ اس لئے قمری تواریخ کو یادرکھنے میں وہ کوتاہی کرتے تھے لہٰذا ایک دن کی تقدیم وتاخیر ایسی غیر معمولی نہیں کہ ۱۲ ربیع الاول ۱۱ ہجری کو یوم وفات قرار دینے پر اصرار کیا جائے۔ یہ مفروضہ اس لئے قابل قبول نہیں ہے کہ ۲۳ سالہ دور رسالت میں دس سالہ مدنی دور ایک منظم اسلامی ریاست کا سیاسی وتمدنی دور ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس دور کے غزوات وسرایا اور واقعات وحوادث کی توقیت (تواریخ، مہینے اور سال بیان کرنے) کا جو اہتمام ہوا ہے، مکی دور میں اس کا عشر عشیر بھی نہیں ہوا۔ اس توقیت میں التباس دوتقویمی نظام کی وجہ سے ہے۔ احکام شرعیہ کا دارومدار چوں کہ قمری مہینوں اور قمری تواریخ پر ہے لہٰذا قمری تواریخ کو یادرکھنا فرض عین نہ سہی، فرض کفایہ تو یقیناً ہے۔ صحابہ کرامؓ کے بارے میں یہ تصور بھی نہیں کیا جاسکتا کہ وہ اس اہم فریضے کی ادائیگی میں تساہل سے کام لیتے ہوں۔ البتہ مختلف علاقوں میں چاند نظر آنے یا نہ آنے کی وجہ سے قمری تواریخ میں ایک دن کے فرق کا جواز ہر دور میں مسلّم رہا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال مدینہ منورہ میں ہوا تھا لہٰذا مدنی رویئت ہلال ہی معتبر ہوگی آپ کا انتقال کوئی معمولی سانحہ نہیں ہے کہ سب ہی صحابہ کرامؓ اس کی قمری تاریخ بھول جاتے۔

۹۔ ایک شبہ یہ پیش کیا جاتا ہے کہ بعض تفسیری روایات مثلاً تفسیر طبریؒ میں مذکور ہے کہ آیت الیوم اکملت لکم دینکم تا آخر یوم عرفہ ۹ ذی الحجہ ۱۰ ہجری قمری کو نازل ہوئی تھی اور اس کے نزول کے بعد صرف ۸۱ دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا میں رہے۔ اس روایت کو درست ماننے کی صورت میں یوم وفات یکم ربیع الاول ۱۱ ہجری قمری برآمد ہوتا ہے۔ یہ شبہ اس لئے غلط ہے کہ قران شمس وقمر کی متعلقہ تاریخ اور وقت کے لحاظ سے اور یقینی وقطعی حسابی شواہد کے اعتبار سے یکم ربیع الاول ۱۱ ہجری کا دن بدھ سے

پہلے ہونا عقلاً محال ہے۔ پس اس روایت میں روای کو یقیناً وہم ہوا ہے۔ یہ تب درست ہو سکتی ہے کہ حجۃ الوداع سے مدینہ منورہ میں آپ کی مراجعت کے بعد سے یہ مدت شمار کی جائے۔ حجۃ الوداع کے لئے روانگی کا سفر دسویں دن مکمل ہوا تھا۔ حجۃ الوداع سے واپسی کا سفر ۱۴ ذی الحجہ ۱۰ ہجری کو شروع ہوا ہو تو دسواں دن ۲۳ ذی الحجہ بروز جمعہ کا بنتا ہے۔ مدینہ میں ذی الحجہ کا چاند ایک دن تاخیر سے نظر آیا تھا لہٰذا مدنی رویئت کے اعتبار سے تاریخ ۲۲ ذی الحجہ ہوئی۔ ذی الحجہ، محرم اور صفر کے مہینوں کو تیس تیس دنوں کا لیا جائے تو ۳۰ صفر تک دنوں کی تعداد (۹ + ۳۰ + ۳۰) = ۶۹ دن ہوئی۔ ان میں ربیع الاول ۱۱ ہجری کے بارہ دن جمع کریں تو (۶۹ + ۱۲) = ۸۱ واں دن ٹھیک آپ کا یوم وفات بنتا ہے۔ اسی سے سمجھ لیجئے کہ کتب تفسیر، حدیث اور سیر میں موجود تاریخی روایات تا حال عمیق تحقیق کی محتاج ہیں اور یہ بھی سمجھ لیجیے کہ تاریخی واقعات سے تعلق رکھنے والی کوئی روایت لوگوں میں مشہور ہو جائے تو اس سے ہر موقع پر خبر کے سو فیصد صحیح ہونے کا یقین حاصل ہونا ضروری نہیں۔

۱۰۔ ایک شبہ یہ پیش کیا جاتا ہے کہ مصنف ابن ابی شیبہ میں حضرت جابرؓ اور حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ۱۲ ربیع الاول کو پیدا ہوئے اور اسی تاریخ کو آپ پر وحی نازل ہوئی اور اسی میں معراج ہوئی اور اسی تاریخ کو آپ کا انتقال ہوا۔ (۴۳/ ب) یہ روایت یقینی اور قطعی حسابی شواہد کی بنا پر ہرگز صحیح نہیں۔ ان مباحث میں بتایا جا چکا ہے کہ خالص قمری تقویم کے اعتبار سے بھی ۱۲ ربیع الاول ۵۳ قبل ہجرت قمری کو ہرگز سوموار کا دن نہیں ہوتا۔ آپ پر پہلی وحی کا نزول رمضان المبارک میں ہوا۔ معراج کی مشہور تاریخ ۲۷ رجب قمر یہ شمسی ہے جس کے مقابل خالص قمری تقویم کی تاریخ ۲۷ رمضان ہے جیسا کہ سوال نمبر ۱۸ کے جواب میں واضح کیا جا چکا ہے۔ مذکورہ بالا روایت میں صرف یہی بات درست ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ۱۲ ربیع الاول کو ہوا تھا۔ ولادت مبارکہ کی تاریخ جو ۱۲ ربیع الاول مشہور ہوگئی تو اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ ہجرت کے موقع پر ورودِ قباء کی تاریخ بھی ۱۲ ربیع الاول ہے لیکن یہ ربیع الاول قمر یہ شمسی تقویم کا تھا، قمری کا ہرگز نہیں۔ ہجرت کا خالص قمری تقویم میں مہینہ جمادی الاولیٰ کا تھا۔ اسی طرح آپ کی ولادتِ مبارکہ کا مشہور مہینہ بلا شک وشبہہ قمر یہ شمسی تقویم کا تھا۔ خالص قمری تقویم کا مہینہ رمضان کا تھا۔ البتہ وفات کا مہینہ اور تاریخ ٹھیک قمری تقویم کے اعتبار سے ۱۲ ربیع الاول ۱۱ ہجری قمری ہے۔

۱۱۔ ایک اشکال یہ پیدا ہوتا ہے کہ بعض محققین کے نزدیک اسلامی ہجری تقویم ہی قدیم ترین تقویم ہے۔ دیگر اہل مذاہب یہود ونصاریٰ وغیرہ کی دور حاضر کی تقاویم بعد کی پیداوار ہیں لیکن انہیں مؤثر بہ ماضی

(Operative with retrospective effect) کیا گیا ہے، لہٰذا دور جاہلیت اور دور رسالت کی یہودیوں اور عربوں کی تقاویم کا تقابل موجودہ عیسوی اور عبرانی تقویم سے کیسے درست ہوا اور اس سے صحیح نتائج کیسے برآمد ہو سکتے ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جب بھی کسی تقویم کو مؤثر بہ ماضی کیا جاتا ہے تو حسابی قواعد کے تحت اس امر کو نہایت احتیاط سے ملحوظ رکھا جاتا ہے کہ واقعات کے زمنی تسلسل اور مہینوں کی متعلقہ تواریخ میں کوئی خلل پیدا نہ ہو۔ مثلاً دور جاہلیت اور دور نبوی میں جو شمسی تقویم ملحوظ رکھی جاتی تھی۔ اسے سکندری سن کہا جاتا ہے جس کا پہلا مہینہ تشرین اول، جیولین عیسوی تقویم کے مہینے اکتوبر کے عین مقابل ہوتا ہے۔ اسی طرح یہودیوں نے اگر اپنی موجودہ قمریہ شمسی تقویم کو مؤثر بہ ماضی کیا ہے تو اس سے ۱۹ سالہ ادوار اور ہر دور کے مکبوس اور غیر مکبوس سالوں کی ترتیب خلل پذیر نہیں ہوتی۔ لہٰذا تقابلی نتائج یک ساں رہتے ہیں۔ جس کا بین ثبوت یہ ہے کہ اس تقابل سے تمام توقیتی تضادات، اختلافات اور اشکالات بہ طریق احسن دور ہو جاتے ہیں لہٰذا یہ شبہ کالعدم ہے۔ اگر دور جاہلیت اور دور نبوی کے عربوں کی قمریہ شمسی اور قمری تقاویم کا تقابل دور حاضر میں کسی غیر مانوس شمسی تقویم سے کیا جائے تو ان دقیق مباحث کا سمجھنا تو مزید دشوار ہو جائے گا۔

الغرض دور نبوی کے مکی و مدنی رویت ہلال کے زیر بحث مسئلے میں خواہ کتنے ہی اشکالات پیش آئیں تو یہ حقیقت تو بہ ہر حال اپنی جگہ پر قائم و دائم ہی رہے گی کہ قران شمس و قمر کی تاریخ اور وقت کے اعتبار سے ربیع الاول ۱۱ ہجری قمری میں یکم، دو اور دس ربیع الاول کو کسی بھی صورت میں اور کسی بھی حساب سے سوموار کا دن ہونا عقلاً محال ہے بل کہ یہ پانچ یا چھ اور اس کے بعد بارہ یا تیرہ ربیع الاول ہی کو ممکن ہے۔ چوں کہ یوم وفات کے متعلق پانچ، چھ اور تیرہ ربیع الاول کا قول کسی کا بھی نہیں ہے لہٰذا مدنی رویت ہلال کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ٹھیک ۱۲ ربیع الاول ۱۱ ہجری قمری مطابق ۸ جون ۶۳۲ عیسوی جیولین کو بہ روز سوموار ہوا۔ یہ صحابہ کرامؓ اور اہل بیت رضی اللہ عنہم کے لئے (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ) کسی جشن اور عید کا دن نہیں بل کہ نہایت ہی رنج والم اور شدید ترین غم واندوہ کا دن تھا۔

سوال نمبر ۲۰:

سیرت طیبہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے بعض نہایت ہی اہم واقعات ایسے بھی ہیں کہ بہ ظاہر ہر سال یاد دہانی کے لئے انہیں عید کے طور پر منایا جانا چاہیے تھا لیکن حیرت ہے کہ صرف دو ہی عیدوں عید الفطر اور عید الاضحیٰ کو ہی شرعی حیثیت حاصل ہے اور خیر القرون میں ان کے علاوہ کسی اور عید کا نام تک نہیں

سنا گیا۔ اس کی کیا وجہ ہے؟

جواب: ہم مذکورہ بالا تقویمی اور توقیتی مباحث میں بہ حمد اللہ نا قابلِ تردید انداز میں ثابت کر چکے ہیں کہ بعد از خدا بزرگ تو ئی کے حقیقی مصداق سیدنا و مولانا وحبینا و مقتدانا سید المرسلین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم فداہ آباء نا وامہاتنا کی ولادت باسعادت کا مہینہ خالص قمری تقویم کی رو سے رمضان المبارک ہے، جس کے مقابل اس دور میں مکہ مکرمہ میں کوئی دو سو سال قبل ہجرت سے چلی آ رہی قمریہ شمسی تقویم کا مہینہ ربیع الاول قمریہ شمسی تھا۔ قمریہ شمسی تقویم حجۃ الوداع کے موقع پر ہمیشہ کے لئے منسوخ کر دی گئی۔ آپ کی رحلت کا مہینہ اور تاریخ یقیناً ۱۲ ربیع الاول ۱۱ ہجری قمری بہ روز سوموار بہ مطابق مدنی رویتِ ہلال ہے۔ خالص قمری تقویم کا ربیع الاول دورِ نبوی میں کبھی بھی کسی بڑی خوشی اور مسرت کا مہینہ نہیں رہا۔ آپ رمضان المبارک میں پیدا ہوئے، اس لئے رمضان کے بعد یکم شوال کی عید الفطر نے ولادتِ مبارکہ کی عید کو بھی اپنے اندر بہ خوبی سمو لیا۔ ہم سوال نمبر ۱۸ کے جواب میں واضح کر چکے ہیں کہ معراج کی قمری تقویم کے مطابق تاریخ ۲۷ رمضان المبارک ۲ قبل ہجرت قمری مطابق ۲۷ رجب ۲ قبل ہجرت قمریہ شمسی مطابق ۲۵ اپریل ۶۲۱ عیسوی جیولین ہے۔ دن ہفتہ تھا۔ یعنی معراج شریف کا مہینہ بھی رمضان المبارک کا ہے اس لئے یکم شوال کی عید الفطر نے معراج کی عید کو بھی اپنے اندر سمو لیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر غارِ حرا میں پہلی وحی کا نزول رمضان المبارک میں ہوا لہٰذا یکم شوال کی عید الفطر نے نزولِ قرآن کے آغاز کی عید کو بھی اپنے اندر سمو لیا۔ مدنی دور میں غزوۂ بدر کفر و اسلام کا پہلا زبردست معرکہ تھا، جس میں مسلمانوں کو خرقِ عادت کے طور پر نہایت ہی فقید المثال کامیابی حاصل ہوئی۔ غزوۂ بدر کی تاریخ ۱۷ رمضان ۲ ہجری قمریہ شمسی ہے۔ گویہ رمضان قمریہ شمسی تقویم کا تھا، لیکن اللہ تعالیٰ نے حکمتِ بالغہ کے تحت ان دونوں قمریہ شمسی رمضان کو خالص قمری رمضان کے قائم مقام رکھا، غزوۂ بدر میں اس شاندار کامیابی کی عید رمضان کے روزوں میں نہیں منائی جا سکتی تھی۔ دورِ نبوی میں حجۃ الوداع سے پہلے تک روزے قمریہ شمسی رمضان میں رکھے گئے تھے، جیسا کہ ہم سوال نمبر ۱۰ کے جواب میں اس کی وضاحت کر چکے ہیں۔ ۲۵ مئی ۶۲۴ عیسوی جیولین (۲۸ مئی ۶۲۴ عیسوی گریگورین) کو مدینہ منورہ میں پہلی عید الفطر یکم شوال ۲ ہجری قمریہ شمسی کو بہ روز جمعۃ المبارک منائی گئی۔ یوں یکم شوال کی عید الفطر نے غزوہ بدر میں کامیابی کی عید کو بھی اپنے اندر سمو لیا۔ مدینہ منورہ میں اس پہلی عید الفطر کے ٹھیک ۱۳۷۴ شمسی سالوں کے بعد وطنِ عزیز اسلامی جمہوریہ پاکستان مؤرخہ ۲۸ مئی ۱۹۹۸ عیسوی گریگورین کو جوہری قوت بنا۔ ۲۸ مئی ۶۲۴ عیسوی گریگورین کو قمری مہینے کی پہلی تاریخ تھی، اسی طرح ۲۸ مئی ۱۹۹۸ عیسوی گریگورین کو بھی قمری مہینے کی پہلی تاریخ تھی۔ اس بابرکت

موافقت ومشابہت نے ہمارے جوہری دھماکوں کی عید کو بھی عید الفطر نے اپنے اندر سمولیا ہے۔ فتح مکہ کی تاریخ ۲۰ رمضان ۸ ہجری قمریہ شمسی بہ روز جمعہ کی ہے۔ یہ قمریہ شمسی رمضان بھی ان دنوں قمری رمضان کے قائم مقام تھا اس لئے یکم شوال کی عید الفطر نے فتح مکہ کی عید کو بھی اپنے اندر سمولیا۔ غزوۂ تبوک آخری غزوہ تھا۔ اس دور کی عالمی قوت مملکت روم کا طاقت ور ترین حکم ران ہرقل مسلمانوں کا مقابلہ کرنے کے لئے باہر نکلنے کی ہی ہمت نہ کرسکا۔ اس غزوے سے کام یاب مراجعت بھی رمضان ۹ ہجری قمریہ شمسی میں ہوئی، اس لئے یکم شوال ۹ ہجری قمریہ شمسی کی عید الفطر نے اس غزوے میں کام یابی کی عید کو بھی اپنے اندر سمولیا۔ حجۃ الوداع میں یوم عرفہ ۹ ذی الحجہ ۱۰ ہجری قمری کو آیت تکمیل دین واتمامِ نعمت **الیوم اکملت لکم دینکم و آلتمت علیکم بنعمتی** تا آخر کا نزول ہوا۔ تو اگلے ہی دن ۱۰ ذی الحجہ ۱۰ ہجری قمری کی عید الاضحیٰ نے تکمیل دین کی اس عید کو بھی اپنے اندر سمولیا۔ حسن اتفاق سے اسلامی جمہوریہ پاکستان کا قیام بھی ۲۷ رمضان ۱۳۶۶ ہجری مطابق ۱۴ اگست ۱۹۴۷ عیسوی گریگورین کو ہوا۔ اس سے بہ خوبی معلوم ہوا کہ علیم و حکیم اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے عیدین (عید الفطر اور عید الاضحیٰ) میں ہی سب خوشیوں کے اسباب جمع فرما دیئے۔ اللہ تعالیٰ کے کسی حکم کی حکمت ہمیں معلوم نہ بھی ہوسکے تو بھی اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ہمارا کام اطاعت وفرماں برداری ہے، حکمتوں کے پیچھے پڑنا نہیں ہے۔ تاہم اگر کسی شرعی حکم کی حکمت تک رسائی کے اسباب اللہ تعالیٰ مہیا فرمادے تو یہ اس کا ہم پر انتہائی فضل وکرم ہے۔

جہاں تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادتِ مبارکہ کے دن ۸ رمضان المبارک قمری کو بہ طور خاص الگ منانے کا تعلق ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خلفائے راشدینؓ، تابعین وتبع تابعینؒ نے اس کا اہتمام نہیں فرمایا۔ وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ذکر مبارک کو اس قدر بلند وبالا فرمادیا ہے کہ دنیا بھر میں اگر اربوں مرتبہ نہیں تو بھی کروڑوں مرتبہ روزانہ نہایت ہی عزت واحترام کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم مبارک زبانوں پر آتا ہے۔ کروڑوں مرتبہ روزانہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام بھیجا جاتا ہے۔ یوں آپ کے اسم مبارک کی برکت سے ہر سچے مسلمان کے لئے ہر روز، روزِ عید اور ہر شب، شب برات ہے۔ چناں چہ اس کے لئے سال کے بعد الگ کسی اہتمام کی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی۔ اگر میلاد کے نام سے کوئی عید شرعاً مطلوب ہوتی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقیناً اس کا اہتمام فرماتے۔ اللہ کا دین کامل ہوچکا اس میں کسی کمی وبیشی کی کوئی گنجائش ہی نہیں رہی۔ دین کے علمی نفاذ کے لئے زمانے کے تقاضوں کے مطابق نئی تدابیر اختیار کرنے، نئے ذرائع اور اسباب کو بروئے کار لانے یعنی احداث للدین (دین کے لئے کوئی نیا کام کرنے) کی اہمیت کو تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں اور ان

کے شرعی جواز بل کہ بعض صورتوں میں شرعی وجوب کا انکار کوئی احمق ہی کر سکتا ہے، لیکن خود دین کے اندر اضافہ کرنے (احداث فی الدین) کی کسی بھی زمانے اور کسی بھی دور میں کسی بھی بہانے مثلاً ''بدعت حسنہ'' کی آڑ میں ہرگز کوئی گنجائش نہیں۔ اگر اس کے باوجود بدعتِ حسنہ کی آڑ میں کسی کو عید میلاد کی گنجائش نظر آتی ہو تو اس کے لئے ۸ رمضان المبارک کو سب کچھ ہونا چاہیے، نہ یہ کہ آپ کے یوم وفات ۱۲ ربیع الاول کو (معاذ اللہ) یوم جشن کی حیثیت دی جائے۔ قمری تقویم میں تواریخ کے سو فیصد صحیح تعین کے ابہام میں بھی حکمت یہی ہے کہ دینی شخصیات کے حوالے سے قمری تواریخ کو خوشی یا ماتم کے دن قرار نہ دیا جا سکے۔ چناں چہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادتِ مبارکہ کی تاریخ ۸ رمضان المبارک قمری بھی مکی رویت ہلال کے مطابق ہے۔ یہ ہرگز ضروری نہیں کہ اس روز دنیا بھر میں یہی قمری تاریخ ہو بل کہ ایک دن کا فرق عین ممکن ہے۔

سوال نمبر ۲۱:

آپ نے دور جاہلیت اور دور نبوی کے عربوں کے دو تقویمی نظام اور اہم حوادث و واقعات کی تقویمی و توقیتی جزئیات کے متعلق جو معلومات بہم پہنچائی ہیں، ان سے امتِ مسلمہ من حیث المجموع کیوں بے خبر رہی ہے؟

جواب: اس کی متعدد وجوہات حسب ذیل ہیں:

۱۔ متقدمین اہل سیر و مغازی کو ابتدائی مسودات یا زبانی روایات کے ذریعہ مختلف واقعات کی جو تواریخ، مہینے اور سال معلوم ہوئے وہ انہوں نے آئندہ نسلوں تک منتقل کر دیے۔ بعد میں جب بعض اہل علم نے مختلف واقعات اور حوادث کی توقیت میں بہ ظاہر اختلاف و تضاد محسوس کیا تو یہ سمجھنے میں انہیں دقت پیش نہ آئی کہ یہ اس دور میں عربوں میں رائج رسم نسی کی وجہ سے ہوا ہے جس کی رو سے وہ بعض مخصوص سالوں میں ایک اور قمری مہینے کا اضافہ کر کے سال کو بارہ کی بہ جائے تیرہ ماہ کا کر لیا کرتے تھے۔ لیکن ملکبوس (تیرہ مہینوں والے) سالوں کا ٹھیک ٹھیک معلوم کر لینا اور توقیتی تضادات اور اختلافات کو کما حقہ دور کر پانا ان کے لئے نہایت مشکل بل کہ تقریباً ناممکن تھا۔ قرون وسطی کی بات تو الگ رہی، دور حاضر میں بھی ماضیِ قریب تک ہمیں ایسے ذرائع اور وسائل میسر نہ تھے کہ ایک ہی موضوع پر ساری اہم کتب تک رسائی حاصل ہو سکے۔

۲۔ ان توقیتی تضادات کو دور کرنے کے لئے شمسی، قمریہ شمسی اور قمری تقاویم کا صحیح تقابل ناگزیر ضرورت ہے۔ سیرت طیبہ پر جو کتب لکھی گئیں ان میں قمری سالوں، مہینوں اور تواریخ کا کسی شمسی تقویم

کے سالوں، مہینوں اور تواریخ سے تقابل کیا ہی نہیں گیا تھا۔ اس تقابل کے لئے قمری تقویم کی شمسی تقویم میں اور شمسی تقویم کی قمری تقویم میں تحویل کے مرتب شدہ قواعد موجود نہ تھے۔ اگر ہوتے بھی تو بھی تحویل کے اس عمل میں صحیح اعداد کے ساتھ کسور سے بھی واسطہ پڑتا ہے۔ نیز لمبی چوڑی ضرب وتقسیم اور جمع وتفریق کے عمل سے بھی گزرنا پڑتا ہے اور پھر ہر واقعے کے لئے اس عمل کو فرداً فرداً دہرانے کی ضرورت پیش آتی ہے۔ اور دور حاضر میں دستیاب کیلکو لیٹر اور کمپیوٹر کی سہولتیں اس دور میں تو کیا موجود ہوتیں، ماضیِ قریب میں بھی موجود نہ تھیں۔ قران شمس وقمر یعنی ولادتِ قمر کے صحیح اوقات کو معلوم کرنے کے وسائل اُس دور میں معدوم نہ سہی لیکن کم یاب ضرور تھے اور کام نہایت ہی مشکل بل کہ تقریباً ناممکن تھا۔

۳۔ بعد کے ادوار حتیٰ کہ دور حاضر میں بھی اس نہایت ہی اہم کام کی طرف توجہ اس لئے مبذول نہ کی گئی کہ دینی مدارس میں سیرت کے موضوع پر جو کتب پڑھائی جاتی ہیں وہ توقیتی مباحث سے خالی ہیں۔ اسکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں ہر مذہب اور ہر مسلک کے لاتعداد اساتذہ، طلبہ اور طالبات ریاضی پڑھاتے اور پڑھتے چلے آرہے ہیں لیکن ان کے نصاب میں سیرت طیبہ کے متعلقہ توقیتی وتقویمی مباحث اور متعلقہ توقیتی اختلافات وتضادات کو کبھی شامل ہی نہیں کیا گیا۔

۴۔ مشہور مسلم ریاضی دان ابوریحان البیرونی نے اپنی کتاب ''الآثار الباقیۃ'' میں یہودیوں کی عبرانی تقویم پر نہایت مفصل بحث کی ہے اور اس کی چھوٹی سے چھوٹی جزئیات پر بھی اظہار خیال کیا ہے۔ انیس سالہ میطونی دور پر بھی خوب بحث کی ہے، لیکن قمری اور قمریہ شمسی تقویم کے تقابل اور متعلقہ قواعد کو کماحقہ زیر بحث نہیں لایا گیا۔ نیز اس زمانے میں اور اس سے پہلے بھی ریاستی اور نجی سطح پر خالص قمری تقویم ہی مستعمل تھی۔ سیرت کی کتب میں مذکور قمری مہینوں کے ساتھ متعلقہ موسموں کی مطابقت کی طرف بھی انہوں نے اس لئے توجہ نہ دی کہ قمری تقویم کے مہینے ۳۳ سالوں میں سارے ہی موسموں سے گزر جاتے ہیں۔ اسلامی ریاست میں سکونت پذیر عیسائی سن سکندری استعمال کرتے تھے لیکن اس شمسی تقویم کے ساتھ قمری تقویم کا کماحقہ تقابلی مطالعہ نہیں کیا گیا اور کتب سیرت میں ایسا کوئی تقابل پیش نہیں کیا گیا، جس کی بڑی وجہ اوپر نکات نمبر ا اور نمبر ۲ میں بیان کردی گئی ہے۔ چناں چہ جن حضرات کو عربوں کی قمریہ شمسی تقویم کا علم ہوا بھی تو انہوں نے غلطی سے یہ سمجھ لیا کہ حجۃ الوداع کے موقع پر قمریہ شمسی اور قمری ذی الحجہ اکٹھے ہوگئے تھے۔

۵۔ جیسا کہ اوپر مذکور ہو چکا ہے، دور حاضر میں مواصلات کی جو سہولتیں ہمیں حاصل ہیں وہ قرون اولیٰ اور وسطیٰ میں بل کہ ماضی قریب تک میں بھی اہل علم کو حاصل نہ تھیں کہ وہ متقدمین کے علمی ذخائر کو یک

جا کر کے ان کا باہم تقابل باریک بینی سے کرتے۔ مثلاً ابن اسحاق اور ابن ہشام نے اگر غزوہ خیبر کو محرم ۷ ہجری کا غزوہ قرار دیا تو قطعاً یہ ضروری نہیں کہ ابن سعد اور واقدی کو بھی اس کا علم ہو۔ ابن سعد اور واقدی تک جو تاریخی روایات پہنچیں تو ان کے مطابق انہوں نے غزوۂ خیبر کا مہینہ جمادی الاولیٰ ۷ ہجری بیان کیا۔ ہم نے ان مباحث میں سوال نمبر ۸ کے جواب میں ایسی متعدد مثالیں پیش کی ہیں کہ اہل سیر و مغازی نے کئی ایک واقعات غزوات و سرایا وغیرہ کی توقیت قمریہ شمسی اور قمری دونوں تقاویم میں کر دی ہے، جس سے دور حاضر میں عربوں کے اس دو تقویمی نظام کی جزئیات کو سمجھنے میں بڑی مدد ملتی ہے، لیکن ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہو رہا ہے کہ متقدمین میں سے اگر کسی نے کسی واقعے کی توقیت قمریہ شمسی تقویم میں کی تو اس نے غلطی سے اسے خالص قمری تقویم ہی سمجھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اگر کسی دوسرے سیرت نگار نے اسی واقعے کی توقیت خالص قمری تقویم میں کی تو قمریہ شمسی تقویم میں اس کی توقیت کرنے والے کو رابطوں میں فقدان کی وجہ سے اس کا علم ہی نہیں ہو سکا۔ آج جب درجن بھر کے قریب واقعات و حوادث کی دونوں تقاویم میں متقدمین کی طرف سے بیان کردہ توقیت ہمارے سامنے ہے تو ہم کس توقیت کو کس دلیل کی بنا پر راجح اور کس توقیت کو مرجوح قرار دے کر ''شاذ'' اور ''غریب'' کے سرد خانے میں ڈالتے جائیں گے؟ صحیح خارجی حقائق کو کھلے دل سے تسلیم کرنا ہوگا۔

۶۔ سیرت طیبہ کے اہم واقعات اور غزوات و سرایا کی توقیت پر ابن حبیب بغدادی کی کتاب ''المحبر'' نہایت اہم ہے۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اپنے وقت میں اس کتاب کو نامعلوم وجوہ کی بنا پر زیادہ شہرت حاصل نہ ہو سکی۔ مثلاً علامہ ابن کثیرؒ کی کتاب البدایہ والنہایۃ میں ہمیں مغازی موسیٰ بن عقبہ، عروہ بن زبیر، ابن اسحاق، ابن ہشام، ابن سعد اور واقدی وغیرہ کے حوالے تو بہ کثرت ملتے ہیں لیکن ابن حبیب کا کوئی حوالہ دیا ہو تو ہماری نظر سے نہیں گزرا۔ دور حاضر کے عالم اسلام کے نامور محقق ڈاکٹر حمید اللہؒ نے ایسی متعدد کتب کو یورپی ممالک کی لائبریریوں سے ڈھونڈ نکالا ہے جو عالم اسلام میں تقریباً نایاب ہو چکی تھیں۔ ان میں ابن حبیب بغدادی کی یہ کتاب المحبر بھی شامل ہے۔ اس کتاب میں سیرت طیبہ کے اہم واقعات و حوادث اور غزوات و سرایا کی توقیت کا خاص اہتمام کیا گیا ہے۔ سال مہینے اور متعلقہ تواریخ و ایام ہفتہ بیان کئے گئے ہیں اور جب ان کا تقابل ابن اسحاق، ابن ہشام، ابن سعد اور واقدی وغیرہ کی کتب میں اہم واقعات کے متعلق پائی جانے والی توقیت سے کیا جاتا ہے تو دور جاہلیت اور دور رسالت کے عربوں کے دو تقویمی نظام اور اس سے پیدا ہونے والے دو تقویمی التباس کا بہ خوبی علم ہوتا ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ متقدمین اہل سیر و مغازی کو خود اس کا علم نہیں ہوا کرتا تھا کہ جو توقیت ان تک مسودات یا

زبانی روایات سے پہنچی ہے اور جسے وہ آگے منتقل کر رہے ہیں، قمریہ شمسی تقویم کی ہے یا اس کا تعلق خالص قمری تقویم سے ہے۔ بل کہ کچھ یوں معلوم ہو رہا ہے کہ انہیں اس حقیقت کا بھی علم نہیں تھا کہ دور جاہلیت اور دور نبوی میں بیک وقت دو تقاویم قمریہ شمسی اور قمری کارفرما تھیں۔

۷۔ یہاں یہ بھی یاد رہے کہ بعد کے اہل سیر و مغازی تو ایک طرف رہے، خود نوجوان صحابہ کرامؓ کے لئے بھی بعض اوقات عربوں کا اس دور کا دو تقویمی نظام دونوں تقاویم کے مہینوں کے ہم نام ہونے کی وجہ سے پیچیدگی اور ابہام کا سبب بن جاتا تھا۔ مثلاً حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے قول کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چار عمرے کئے جن میں ایک عمرہ رجب میں ہوا تھا۔ حضرت عائشہؓ نے حضرت ابن عمرؓ کے اس قول کو خطا پر محمول فرماتے ہوئے واضح کیا کہ اللہ ابو عبدالرحمٰن (ابن عمرؓ) پر رحم فرمائے۔ آپ نے کوئی عمرہ رجب میں نہیں کیا بل کہ تمام عمرے ذی قعدہ میں ہوئے۔ (۴۳/ ج) حضرت عائشہ صدیقہؓ اور حضرت ابن عمرؓ کا اختلاف محض دو تقویمی التباس ہے۔ ذی قعدہ ۶ ہجری قمری میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ عمرے کے لئے روانہ ہوئے تھے تو مکہ مکرمہ میں قمریہ شمسی تقویم کا مہینہ واقعی رجب ۶ ہجری قمریہ شمسی ہی چل رہا تھا جو مشرکین کے لئے حج اصغر (عمرے) کا مہینہ ہوا کرتا تھا۔ ورنہ حج کے مہینوں میں عمرہ کرنے کو وہ بدترین گناہ تصور کرتے تھے۔ ہم نے اس کی وضاحت ان مباحث میں سوال نمبر ۹ کے جواب میں کر دی ہے۔ غزوۂ حنین اور اوطاس کے بعد آپ نے عمرۃ الجعرانہ جو ذی قعدہ ۸ ہجری میں کیا تھا تو یہ ذی قعدہ قمری تقویم کا نہیں بل کہ قمریہ شمسی تقویم کا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ عمرہ رات کی تاریکی میں خفیہ کیا، کیوں کہ قریش مکہ ابھی نئے نئے مسلمان ہوئے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں قمریہ شمسی ذی قعدہ میں علی الاعلان عمرہ کر کے پریشان نہیں کرنا چاہتے تھے۔ حجۃ الوداع کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے صرف حج کا احرام باندھا پھر اللہ کے حکم سے عمرے کو بھی اس کے ساتھ شامل فرمالیا تا کہ دور جاہلیت کے عربوں کے اس غلط خیال اور عقیدے کی اصلاح ہو سکے کہ اشہر حج میں عمرہ کرنا ممنوع ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عمرہ قمری ذی قعدہ میں نہیں بل کہ قمری ذی الحجہ میں ہوا تھا۔ ذی قعدہ ۱۰ ہجری قمری کے اواخر کی تواریخ تو سفرِ حج میں گزر گئیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں ۴ ذی الحجہ ۱۰ ہجری قمری کو پہنچے تھے البتہ اس عمرے کا احرام آپ نے ذی قعدہ ۱۰ ہجری میں باندھا تھا۔ سال ۶ ہجری میں عمرہ نہیں ہوا تھا۔ البتہ اگلے سال ذی قعدہ ۷ ہجری قمری میں عمرہ ہوا جسے عمرۃ القضاء کہا جاتا ہے اور اس ذی قعدہ ۷ ہجری کے مقابل اس سال قمریہ شمسی مہینہ جمادی الاخریٰ ۷ ہجری قمریہ شمسی کا تھا۔ سال ۶ ہجری کے ذی قعدہ قمری میں عمرہ نہ ہو پانے میں ایک

حکمت یہ بھی تھی کہ ذی قعدہ ۶ ہجری کے مقابل قمریہ شمسی مہینہ رجب کا تھا جس میں مشرکین عمرہ (حج اصغر) کیا کرتے تھے۔ ذی قعدہ ۶ ہجری قمری مطابق رجب ۶ ہجری قمریہ شمسی میں مسلمان اور مشرکین اکٹھے عمرہ کرتے تو یہ شدید خطرہ بہر حال موجود رہتا کہ کسی نہ کسی وجہ سے مسلمانوں اور مشرکین میں کوئی اشتعال پیدا ہو جائے اور جنگ وجدال تک نوبت آ پہنچے۔ ذی قعدہ ۷ ہجری قمری کے عمرۃ القضاء میں یہ خطرہ اس لئے ٹل گیا تھا کہ سال ۷ ہجری قمریہ شمسی ملکبوس (تیرہ مہینوں والا) سال تھا۔ کبیسہ کے تیرہویں مہینے کی وجہ سے اب ذی قعدہ ۷ ہجری قمری کے مقابل قمریہ شمسی تقویم کا مہینہ رجب کی بجائے جمادی الاخریٰ ۷ ہجری قمریہ شمسی آ چکا تھا۔ چناں چہ عمرۃ القضاء کے ایام میں قریش مکہ اپنے گھر چھوڑ کر ان دنوں کے لئے باہر چلے گئے تھے جب مسلمان بہ غرض عمرہ مکہ مکرمہ میں موجود تھے۔

۸۔ جیسا کہ اوپر مذکور ہو چکا ہے ہماری درس گاہوں میں تا حال سیرت طیبہ کے توقیتی مباحث کی طرف کوئی توجہ مبذول نہیں کی گئی ہے۔ تاہم برصغیر میں انفرادی سطح پر صحیح اور غلط سمت میں اس پر کچھ کام ضرور ہوا ہے۔ بعض حضرات کو اس کا اعتراف رہا ہے کہ دور جاہلیت اور دور نبوی میں عربوں میں قمریہ شمسی اور قمری دونوں تقاویم چل رہی تھیں لیکن ان حضرات نے غلطی سے یہ سمجھ لیا کہ مسلمان صرف قمری تقویم پر ہی عمل پیرا تھے۔ حال آں کہ حجۃ الوداع کے موقع پر قمریہ شمسی تقویم کی منسوخی سے پہلے مسلمان بھی مجبوراً اسی تقویم پر عمل پیرا تھے۔ ڈاکٹر حمید اللہؒ اور دیگر بعض حضرات نے بعض متقدمین کی اس غلطی کی پیروی کرتے ہوئے یہ سمجھ لیا کہ حجۃ الوداع کے موقع پر عربوں کی قمریہ شمسی اور قمری ہر دو تقاویم کا ذی الحجہ کا مہینہ ایک دوسرے کے مقابل ہو گیا تھا۔ اسی غلط خیال کے تحت انہوں نے یہ سمجھ لیا کہ عربوں کی قمریہ شمسی تقویم کے مہینے محرم قمریہ شمسی کا آغاز موسم بہار سے ہوا کرتا تھا۔ حال آں کہ اس کا آغاز موسم خزاں میں ہوا کرتا تھا۔ بعض حضرات مثلاً علی محمد خان مرحوم نے یہ غلط سمجھ لیا کہ اس دور کے عربوں میں کوئی شمسی خریفی تقویم موجود تھی۔ قمریہ شمسی پر شمسی کا اطلاق اصولاً درست نہیں بل کہ مغالطہ انگیز ہے۔ دونوں تقاویم کی نوعیت ایک دوسرے سے مختلف ہے۔ انہوں نے اپنی کتاب ''تقویم عہد نبوی'' میں فتح مکہ کی عیسوی تاریخ ۱۸ جون ۶۲۹ عیسوی لکھی ہے حال آں کہ صحیح تاریخ ۸ جون ۶۳۰ عیسوی جیولین ہے۔ قمریہ شمسی تاریخ ۲۰ رمضان ۸ ہجری قمریہ شمسی اور خالص قمری تقویم کی تاریخ ۲۰ صفر ۹ ہجری قمری ہے۔ دن جمعہ تھا۔ یہ محض ایک مثال ہے ورنہ اس طرح کی اور بہت سی توقیتی اغلاط اس کتاب میں پائی جاتی ہیں۔ اس سمت میں محترم اسحاق النبی علوی صاحب کا کام اقرب الی الصواب ہے۔ نقوش سیرت نمبر کی دوسری جلد میں توقیت السیرۃ النبویہ پر ان کا نہایت ہی قیمتی مقالہ ملتا ہے۔ تاہم اس میں صرف مدنی دور کے ہی نہایت اہم

واقعات وحوادث کی توقیت پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ مکی دور کے واقعات خصوصاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادتِ مبارکہ کی توقیت کو زیر بحث نہیں لایا گیا۔ اگر علوی صاحب مدنی دور کے تمام واقعات کو زیر بحث لاتے اور ان کی توقیت پر مزید گہری نظر ڈالتے تو مقالے میں پائی جانے والی بعض معمولی نوعیت کی فکری لغزشوں سے محفوظ رہتے۔ ہم من حیث المجموع ناقدر شناس لوگ ہیں۔ علوی صاحب کے کام کو مزید آگے بڑھانے کی ضرورت تھی لیکن اسے طاق نسیان کی نذر کر دیا گیا۔

تحدیث نعمت کے طور پر عرض ہے کہ ہم نے عالم اسلام میں پہلی مرتبہ اس اہم ضرورت کو پورا کیا ہے۔ قمری ہجری، قمریہ شمسی ہجری، اور عیسوی تقویم کا متعلقہ تقابل پیش کیا ہے۔ تحویلی قواعد مرتب کر کے دور نبوی کے تمام واقعات وحوادث کی توقیت پر شش ماہی مجلے السیرۃ عالمی کے متعلقہ شماروں میں فرداً فرداً تفصیلی بحث کی ہے اور تقویمی وتوقیتی جداول بھی پیش کر دی ہیں۔ لیکن خوب سے خوب تر کی تلاش میں ہماری مساعی جاری رہنی چاہئیں۔ اس سلسلے میں دینی مدارس پر خصوصاً اور کلیات وجامعات پر عموماً جو ذمے داری عائد ہوتی ہے وہ مزید محتاج بیان نہیں ہے۔ **لعل الله يحدث بعد ذالك امرا**

سوال نمبر۲۲:

دور جاہلیت کے عربوں کی رسم نسی کے متعلق متقدمین ومتاخرین میں جو غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں۔ ان کی مزید وضاحت مطلوب ہے۔

جواب: نسی کے متعلق غلط فہمیاں مختلف نوعیت کی ہیں۔ متاخرین حضرات میں خصوصاً اور متقدمین میں عموماً یہ غلط فہمی پائی جاتی ہے کہ نسی کا اصل محرک عربوں کی باہم خانہ جنگی تھی مثلاً مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ تحریر فرماتے ہیں ''جب کسی زور آور قبیلے کو ماہ محرم میں کسی سے لڑنے کی ضرورت پیش آتی تو ایک سردار یہ اعلان کر دیتا کہ امسال ہم نے محرم کو اشھر محرم سے نکال کر اس کی جگہ صفر کو ماہ حرام قرار دے دیا ہے''۔ (۴۴/ الف) مفتی محمد شفیع صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں ''اور کبھی زیادہ ضرورت پڑتی مثلاً لڑتے لڑتے دس مہینے لگ گئے اور سال کے صرف دو مہینے باقی رہ گئے تو ایسے مواقع پر سال کے مہینوں کی تعداد بڑھا دیتے اور کہتے کہ اب کے برس چودہ مہینوں کا ہوگا۔ اس طرح باقی ماندہ چار مہینوں کو اشھر حُرم بنا لیتے تھے'' (۴۴/ ب) یہی بات بعض مشہور عربی تفاسیر مثلاً تفسیر روح المعانی اور تفسیر ابو السعود میں بھی کہی گئی ہے۔ (۴۴/ ج) یہاں درج ذیل امور توجہ طلب ہیں:

۱۔ جنگ میں عموماً ایک فریق جارحیت کا مرتکب ہوتا ہے اور دوسرا فریق مدافعت پر مجبور ہوتا ہے۔

جنگ کی حیثیت کسی کھیل کی طرح نہیں کہ فریقین تفریح طبع کے طور پر جب چاہیں اسے شروع کر دیں اور جب چاہیں بند کر دیں۔ خود مفسرین کی تصریحات کے مطابق عرب قبائل دور جاہلیت میں بھی اشھر حُرم کا بے حد احترام کرتے تھے، حتیٰ کہ قدرت وغلبہ کے باوجود اپنے باپ کے قاتل کو بھی قتل نہیں کرتے تھے۔ (۴۵ الف) تو یہ مفروضہ کیسے درست ہوا کہ ان کے ہاں نسی کا اور نسی پر مبنی اشھر حُرم کا کوئی مربوط اور متفق علیہ نظام نہیں تھا بل کہ جس کا جی چاہتا اپنی مرضی اور صوابدید سے اشھر حُرم کو مقدم ومؤخر کر لیتا تھا۔ اگر اسے صحیح سمجھ لیا جائے تو کون عقل مند اسے تسلیم کرے گا کہ وہ واقعی اشہر محرم کا احترام کرتے تھے۔ کسی بھی زور آور اور خود سر قبیلے کو حرمت والے مہینے کو حلال ٹھہرا لینے اور حلال مہینے کو حرام قرار دینے کی یوں کھلی آزادی ہو تو اسے اشھر حُرم کا احترام قرار دینا کیسے درست ہوا۔ اس سے بڑھ کر اشھر حُرم کی بدترین توہین اور کیا ہو سکتی ہے؟

۲۔ اگر عرب بعض سالوں کے تیرہ بل کہ چودہ مہینے بغیر کسی منظم تقویم کے از خود کر لیتے تھے تو یہ معلوم کرنا قطعاً محال ہوگا کہ دور جاہلیت اور دور رسالت کے کون کون سے سالوں کو خود سر اور زور آور قبائل نے تیرہ اور چودہ ماہ کا کر لیا تھا۔ یوں غزوات وسرایا کی توقیت سراسر بے معنی ہو کر رہ جائے گی تو سیرت نگاروں نے اس کا تکلّف ہی کیوں کیا؟ اس کا یہ جواب کافی اور تسلی بخش نہیں ہوسکتا کہ مسلمان نسی والی تقویم پر عمل پیرا نہیں تھے۔ اگر ایسا ہوتا تو توقیتی تضادات اور اشکالات کا مسئلہ ہی سرے سے پیدا نہ ہوتا۔ مسلمانوں میں خالص قمری تقویم ہی چل رہی ہوتی تو مثلاً غزوۂ حنین کا شوال ۸ ہجری، جنوری ۶۳۰ عیسوی جیولین کے مقابل ہوتا حال آں کہ اہل سیر نے لکھا ہے کہ غزوہ حنین کے لئے روانگی کا دن شدید ترین گرم دن تھا اور مسلمان مجاہدین درختوں کے سایوں کے نیچے پناہ لینے پر مجبور تھے۔ (۴۶/ الف) اور مثلاً غزوۂ تبوک کے رجب سے رمضان ۹ ہجری تک کے مہینے، اکتوبر سے دسمبر ۶۳۰ عیسوی جیولین کے مہینوں کے مقابل ہوتے۔ یہ موسم سرما کے مہینے ہیں حال آں کہ غزوۂ تبوک کے مہینے موسم گرما کے ہیں۔ ان دنوں کھجور کی فصل پکنے کے مراحل میں تھی اور قحط سالی کا سماں تھا۔ (۴۶/ ب) اس طرح کی بیسیوں مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں۔

۳۔ اگر عربوں کی نسی والی تقویم کسی اصول اور قاعدے کی پابند نہیں تھی بل کہ روز افزوں خانہ جنگی میں وہ قمری مہینوں کو ادھر ادھر کر ڈالتے تھے تو سیرت نگاروں سے منقول توقیتی تضاوات اور اشکالات کو دور کرنا محال ہوتا۔ حال آں کہ ہم نے مثلاً سوال نمبر ۸، ۹ کے جوابات میں ان تضادات اور ابہامات کو بہ طریق احسن دور کیا ہے۔

۴۔ اگر عربوں کی رسم نسی پر مبنی تقویم ایسی ہی غیر مربوط اور غیر منظم تھی تو اہل علم حضرات نے یہ کیسے

یقین کرلیا کہ مثلاً جس ربیع الاول میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادتِ مبارکہ ہوئی تھی وہ ٹھیک اپنے مقام پر صحیح ربیع الاول تھا اور کسی دوسرے مہینے کی جگہ لئے ہوئے نہیں تھا؟ فرض کیجیے ولادتِ مبارکہ سے پہلے والے سال کے عربوں کے جنگ جو قبائل نے چودہ مہینے کر لئے ہوں تو سال ولادت والا ربیع الاول تو جمادی الاخریٰ کی جگہ پر آجائے گا، اور اگر اس سے بھی پہلے سال کے مثلاً انہوں نے تیرہ مہینے کر لئے ہوں تو سال ولادت والا ربیع الاول تو رجب کی جگہ پر ہوگا۔ بے شک مفروضات سے حقائق ثابت نہیں ہوا کرتے اور نہ ہی محض امکانِ وقوع سے کسی چیز کا حقیقی وقوع ثابت ہوتا ہے لیکن یہ قاعدہ تو عقلاً اور نقلاً معروف و مسلم ہے: **اذجاء الاحتمال بطل الاستدلال** کہ جہاں بھی احتمال نے سر اٹھایا تو استدلال سرے سے باطل ہو جائے گا۔ قرآن کریم میں بھی ہے: **ولا تقف مالیس لك به علم ان السمع والبصر والفوأ کل اولئك كان عنه مسؤلا** (۴۶/ج) ''اور تجھے جس بات کا یقین نہیں تو اس کے درپے مت ہو، بے شک کان، آنکھ اور دل سب کے متعلق (تجھ سے) پوچھا جائے گا''۔ خبرِ صادق کے بعد یقین و علم کے ذرائع حواس سلیمہ اور عقل ہیں۔ حواس میں سب سے زیادہ کام آنے والے سماعت اور بصارت کے حواس ہیں بل کہ خبر صادق کا تعلق بھی سننے کے حاسے (Sense) سے ہے۔ اسی طرح بعض صورتوں میں حواس کی مدد کے بغیر محض عقلی ادراک سے بھی علم حاصل ہو سکتا ہے۔ آیت کا مطلب واضح ہے کہ اگر خبر صادق تمہیں حاصل نہ ہو سکی ہو اور محض عقل و حواس کے ذریعہ کسی معاملے میں یقین حاصل کرنا ممکن نہ ہو تو ظنیات کو عقیدہ بنالینا یا ان کو یقین کا درجہ دے کر دین کا حصہ بنالینا یا لوگوں میں فساد اور اختلاف برپا کر دینا بہ جائے خود بڑا جرم ہے، چناں چہ تم سے کانوں، آنکھوں اور دل (عقل) کے بارے میں پوچھا جائے گا کہ ان اسبابِ علم سے کسی معاملے میں اگر تمہیں صحیح علم (یقین) حاصل نہیں ہو سکا تھا تو تم نے ظنیات کو کیوں یقینیات قرار دیا تھا؟ اب جب خود مفسرین حضرات یہ دعویٰ فرما رہے ہیں کہ عرب کسی اصول اور قاعدے کی پابندی کی بہ جائے محض جنگی مقاصد کی خاطر جب چاہتے تھے تو اپنے سال کے بارہ کی بہ جائے تیرہ اور چودہ مہینے بھی کرلیا کرتے تھے تو یہ امر قطعاً مشکوک و مشتبہ ہو کر رہ گیا کہ دورِ جاہلیت کے جس مہینہ ربیع الاول میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادتِ مبارکہ ہوئی تھی وہ ربیع الاول واقعی اپنے اصل اور صحیح مقام پر تھا تو ربیع الاول میں یہ عید کیسی اور یہ دھوم دھام کیا معنیٰ رکھتی ہے؟ ربیع الاول کی فضیلت میں صحیح نہ سہی تو ذخیرۂ احادیث میں کیا کوئی جھوٹی روایت بھی موجود ہے؟ کیا مذکورہ بالا قرآنی آیت کا یہاں اطلاق نہیں ہوتا؟ بل کہ مفسرین کی مذکورہ بالا تصریحات کو درست سمجھ لینے کی صورت میں آپ کی ولادتِ مبارکہ کے صحیح قمری مہینے کا تعین سرے سے محال ہونا چاہیے۔

۵۔اس نا قابل اعتبار اور غیر مربوط تقویم سے مفسرین کی ایک جماعت نے یہ قول کیسے قبول کرلیا کہ حج ابی بکر صدیق کے ذی الحجہ کے مقابل صحیح قمری مہینہ ذی قعدہ کا تھا اور یہ کہ اگلے سال حجۃ الوداع میں نسی کی تقویم والا ذی الحجہ اور خالص قمری تقویم والا ذی الحجہ دونوں اکٹھے ہوگئے تھے؟۔یہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبے کے الفاظ انّ الزمان قد استدار علیٰ ھیئتہ...... ‘‘ سے استدلال نہایت کمزور بل کہ صریحاً غلط ہے۔کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا تھا کہ بے شک زمانہ گھوم پھر کر اپنی اس دن کی حالت پر آ گیا ہے جس دن اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا تھا،آپ نے یہ تو نہیں فرمایا تھا کہ نسی کی تقویم والا ذی الحجہ اور قمری تقویم کا ذی الحجہ دونوں اکٹھے ہوگئے ہیں۔یہ غلط استدلال تو لوگوں نے اپنے طور پر کرلیا۔

۶۔اگر لڑتے لڑتے عربوں کو دس مہینے ہوجاتے تھے اور پھر اشھر حُرم کی تعداد کو پورا رکھنے کے لئے وہ کبھی کبھی سال کو چودہ مہینوں کا بھی ٹھہرا لیتے تھے تو اس امکان کی نفی کیسے کی جاسکتی ہے کہ کبھی لڑتے لڑتے مثلاً گیارہ یا بارہ مہینے ہوجاتے ہوں تو اگلے چار ماہ کو اشھر حُرم قرار دے کر وہ سال کو پندرہ یا سولہ ماہ کا نہ کرتے ہوں؟

۷۔اگر جنگ وجدال میں مصروف کچھ قبائل اپنے طور پر حرمت والے مہینوں کو مقدم ومؤخر کرکے کبھی سال کو چودہ ماہ تک کا بھی کر لیتے ہوں تو دیگر عرب قبائل،جنگ میں مصروف ان قبائل کے ناروا فیصلے کے کیسے پابند ہو سکتے تھے اور قلمّس یا ناسی کے منصب کا وقار ہی کیا رہا ہوگا؟اس صورت میں تو عربوں کا تقویمی نظام اور اس پر مبنی کسی بھی واقعے کی توقیت سراسر غیر معتبر اور نا قابل تسلیم ہوگی۔

نسی کا صحیح اصطلاحی مفہوم

یہاں اصل حقیقت یہ ہے کہ عربوں کی نسی پر مبنی (قمریہ شمسی) تقویم کے اولیں محرکات ہرگز عسکری نہیں بل کہ سراسر معاشی تھے۔آیت نسی اور اس کے متعلقات کے ضمن میں امام رازیؒ اپنی تفسیر میں بجا طور پر تحریر فرماتے ہیں’’والسنة القمرية اقل من السنة الشمسية بمقدار معلوم وبسبب ذالك النقصان تنتقل الشهور القمريه من فصل الىٰ فصل ويكون البحح واقعافى الشتاء مرة وفى الصيف أُخرىٰ وكان يشق الامر عليهم بهٰذا السبب وايضاً اذاحضرو اللحج حضرو اللتجارة فربما كان ذالك الوقت غير موافق لحضور التجارات من الأطراف فكان يخل اسباب تجارا تهم بهٰذا السبب. فلهذا اقدموا علىٰ عمل الكبسية(۴۷/الف)

''اور قمری سال شمسی سال سے ایک معینہ حد تک چھوٹا ہوتا ہے اور اس کی کی وجہ سے قمری مہینے ایک موسم سے دوسرے موسم میں آتے جاتے رہتے ہیں اور حج کبھی موسم سرما میں ہوتا ہے تو کبھی (ایک خاص مدت کے بعد) موسم گرما میں جا پڑتا ہے۔ اس وجہ سے صورتِ حال ان (عربوں) کے لئے بارگراں تھی۔ نیز جب وہ حج کے لئے آتے تھے تو تجارت بھی کرتے تھے۔ بسا اوقات حج کا یہ وقت اور زمانہ ان حالات کے مطابق نہیں ہوا کرتا تھا کہ اطراف واکناف سے سامان تجارت موقع پر پہنچ سکے۔ اس لئے اس (صورتِ حال) سے ان کے اسباب تجارت خلل پذیر ہوتے تھے۔ اسی لئے وہ کبیسہ (بعض سالوں میں تیرہواں مہینہ ڈالنے) پر اتر آئے''۔ اسی سلسلے میں امام رازیؒ نے مزید وضاحت یوں فرمائی ہے: انّ القوم علموا انهم لورتّبو احسا بهم على السنة القمرية فانّه يقع حجهم تارة فى الصيف و تارة فى الشتاء وكان يشق عليهم الاسفار ولم ينتفعوا بهافى المرابحات و التجارات لانّ سائرالناس من سائرا لبلاد ماكانوا يحضرون الاّ فى الاوقات الا ئقة الموافقة، فعلموا انّ بناالامر علىٰ رعاية السنة القمرية يخل بمصالح الدينا، فتركوا ذالك واعتبروا السنة الشمسية، ولماكانت السنة الشمسية زائدة على السنة القمرية بمقدار معيّن احتاجوا الى الكبيسة وحصل لهم بسبب تلك الكبيسة امران: احد هما انهم كانوا يجعلون بعض السنين ثلثة عشرشهرا بسبب اجتماع تلك الزيادات والثانى: انّه كان يسنتقل الحج من بعض شهور القمرية الىٰ غيره. فكان الحج يقع فى بعض السنين فى ذى الحجة وبعده فى المحرم وبعده فى صفر و هكذا فى الدور حتىّٰ ينتهى بعد مدة مخصوصة مرة اُخرىٰ فى ذى الحجة. (۴۷/ب) ''بے شک جب (عرب) قوم نے یہ جانا کہ اگر وہ قمری سالوں کو محسوب کریں تو ان کا حج کبھی موسم گرما اور کبھی موسم سرما میں جا پڑتا ہے۔ ان کے لئے (ان مختلف موسموں میں) سفر کرتے رہنا اور اور اس کے ذریعے اپنے کاروبار اور تجارت میں نفع اٹھانا دشوار تھا کیوں کہ سب علاقوں کے سب ہی لوگ صرف ان ہی موسموں میں سفر کر سکتے تھے جو ان کے حالات (اور کاروبار) کے موافق ہوں۔ انہوں نے یہ محسوس کیا کہ قمری سال کو ملحوظ رکھنے سے ان کے دینوی مفادات خلل پذیر ہوتے ہیں تو انہوں نے اسے چھوڑ دیا اور شمسی سال کو اختیار کر لیا۔ چوں کہ شمسی سال قمری سال سے کچھ (دن) بڑا ہوتا ہے تو وہ کبیسہ (بعض سالوں میں تیرہواں مہینہ ڈالنے) کے محتاج ہوئے اور اس سے انہیں دو چیزیں حاصل ہوئیں۔ ایک تو یہ کہ وہ بعض سالوں کو تیرہ ماہ کا کرنے لگے اور دوسرے یہ کہ حج بعض قمری مہینوں سے دوسرے مہینوں میں منتقل ہونے لگا۔ چناں چہ بعض سالوں میں حج ذی الحجہ میں ہوتا اور اس کے

بعد محرم اور پھر صفر اور اسی طرح (دوسرے قمری مہینوں کا پورا) دور مکمل کرتا اور ایک مخصوص مدت کے بعد پھر ذی الحجہ میں آجاتا''۔ امام رازیؒ نے یہ واضح کر دیا ہے کہ عرب قبائل نے خالص قمری تقویم کو اپنے معاشی اور تجارتی مفادات کے تحفظ کے لئے شمسی میں بدل ڈالا تھا اور وہ بعض قمری سالوں کو تیرہ ماہ کا کیا کرتے تھے تا کہ قمری مہینے مخصوص موسموں میں متعین رہیں۔ اس تقویم کو اگرچہ امام رازیؒ نے شمسی قرار دیا ہے لیکن دور حاضر میں ماہرین اسے قمریہ شمسی تقویم کا اصطلاحی نام دیتے ہیں۔ قمریہ شمسی اور شمسی تقاویم میں سال کی مدت نہایت ہی معمولی فرق کے ساتھ یک ساں رہتی ہے۔ بعض سالوں میں تیرہواں مہینہ یعنی کبیسہ (لیپ) کا مہینہ بڑھانے کے عمل کو ہی ''نسی'' کہا جاتا ہے۔ نسی کے عمل کی ذمے داری قبیلہ بنو کنانہ پر تھی۔ نسی کا یہ نظام مربوط تھا۔ ایام حج میں نسی کا اعلان کرنے والا سردار یعنی ناسی یہ اعلان کیا کرتا تھا کہ اس سال فلاں مہینے کے بعد کبیسہ (لیپ) کا تیرہواں مہینہ بڑھایا گیا ہے۔ وہ ہرگز اس طرح کا اعلان نہیں کیا کرتا تھا کہ اگلے سال حج مثلاً محرم یا صفر میں ہوگا۔ وہ قمریہ شمسی تقویم کے مہینوں کے ناموں کو نہیں بدلتے تھے۔ لیکن ظاہر ہے کہ نسی کے اس عمل سے وہ جس مہینے کو مثلاً ذی الحجہ کہا کرتے تھے وہ خالص قمری تقویم کے اعتبار سے کوئی اور قمری مہینہ ہوا کرتا تھا۔ کوئی بتیس سالوں کے بعد جا کر نسی پر مبنی اس قمریہ شمسی تقویم کا ذی الحجہ خالص قمری تقویم کے ذی الحجہ کے مقابل کوئی دو تین سالوں کے لئے ہی ہوا کرتا تھا۔ اس کا ایک بیّن ثبوت یہ بھی ہے کہ حضرت ماریہ قبطیہؓ کے بطن سے پیدا ہونے والے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحب زادے حضرت ابراہیمؑ کے یوم وفات پر سورج گرہن ہوا تھا۔ اس کی عیسوی تاریخ ۲۷ جنوری ۶۳۲ عیسوی جیولین اور اس کے مقابل خالص قمری تقویم کی تاریخ ۲۸ شوال ۱۰ ہجری قمری تھی۔ حضرت ابراہیمؑ اٹھارہ ماہ کی عمر میں فوت ہوئے تھے۔ اٹھارہ ماہ پیچھے کو جائیں تو ان کی ولادت کا مہینہ جمادی الاولیٰ ۹ ہجری قمری برآمد ہوتا ہے جو عیسوی مہینے اگست ۶۳۰ عیسوی جولین کے مقابل تھا۔ اگر ہم عیسوی مہینے ستمبر کو عربوں کی قمریہ شمسی تقویم کے محرم کے مقابل رکھیں تو اگست کا مہینہ ٹھیک ذی الحجہ قمریہ شمسی کے مقابل ہوگا جیسا کہ درج ذیل جدول سے واضح ہے:

عیسوی مہینے	ستمبر	اکتوبر	نومبر	دسمبر	جنوری	فروری	مارچ	اپریل
قمریہ شمسی مہینے	محرم	صفر	ربیع ۱	ربیع ۲	جمادی ۱	جمادی ۲	رجب	شعبان
عیسوی مہینے	مئی	جون	جولائی	اگست				
قمریہ شمسی مہینے	رمضان	شوال	ذی قعدہ	ذی الحجہ				

چناں چہ اہل سیر نے حضرت ابراہیمؑ کی ولادت کا مہینہ ذی الحجہ ۸ ہجری لکھا ہے۔ (۲۷/ ج) یہ ذی

الحجہ قمریہ شمسی تقویم کا ہے، جس کے مقابل خالص قمری تقویم کا مہینہ جمادی الاولی ۹ ہجری قمری تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ عرب قبائل جس مہینے میں حج کیا کرتے تھے اسے وہ رسم نسی پر مبنی اپنی (قمریہ شمسی) تقویم کے مطابق ذی الحجہ کا ہی نام دیا کرتے تھے خواہ خالص قمری تقویم کے اعتبار سے وہ ذی الحجہ ہو یا کوئی اور مہینہ ہو۔ عیسوی تقویم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سال ولادت ۵۶۹ عیسوی جیولین ہے۔ چوں کہ ذی الحجہ قمریہ شمسی کا مہینہ ہمیشہ عیسوی مہینے اگست کے مقابل ہوا کرتا تھا اور عربوں نے حج کو اگست میں ہر سال کے لئے متعین کر رکھا تھا لہٰذا اگست ۵۶۹ عیسوی کے مقابل وہ قمریہ شمسی ذی الحجہ تھا جس میں ابرھہ والیٔ یمن یہ امید لگائے بیٹھا تھا کہ عرب قبائل خانہ کعبہ کا حج اور طواف کرنے کی بہ جائے صنعا میں بنائے ہوئے اس کے کلیسا کا حج کریں گے۔ اگست ۵۶۹ عیسوی کے مقابل خالص قمری تقویم کا مہینہ جمادی الاخریٰ ۵۵ قبل ہجرت تھا۔ جو ہر تقویم مؤلفہ ضیاء الدین لاہوری میں یکم اگست ۵۶۹ عیسوی کے مقابل خالص قمری تقویم کی تاریخ یکم جمادی الاخری ۵۵ قبل ہجرت لکھی ہے۔ حسابی قواعد سے بھی یہی تاریخ برآمد ہوتی ہے لیکن ایسا ہرگز نہیں تھا کہ لوگوں میں یہ مشہور ہو کہ اس سال حج ذی الحجہ کی بہ جائے جمادی الاخریٰ میں ہوا ہے۔ وجہ ظاہر ہے کہ اہل مکہ کی تقویم سرے سے قمری تھی ہی نہیں وہ اس الجھن میں پڑتے ہی نہیں تھے کہ ہر سال عیسوی اگست کے مقابل جس قمریہ شمسی ذی الحجہ میں وہ حج کرتے ہیں تو اس کے مقابل خالص قمری تقویم کا کون سا مہینہ ہے۔ الغرض ان کا حج ہمیشہ متعین موسم میں ہوا کرتا تھا اور ان کا ذی الحجہ ہمیشہ عیسوی اگست کے مقابل ہوا کرتا تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادتِ مبارکہ سے پہلے والے ذی الحجہ ۵۴ قبل ہجرت قمریہ شمسی کے مقابل اس سال خالص قمری تقویم کا مہینہ جمادی الاخریٰ ۵۵ قبل ہجرت قمری تھا۔ صاف ظاہر ہے کہ اس کے بعد جس محرم ۵۳ قبل ہجرت قمریہ شمسی میں ابرھہ نے مکہ مکرمہ پر ناکام لشکر کشی کی تو اس کے مقابل خالص قمری تقویم کا مہینہ رجب ۵۵ قبل ہجرت قمری تھا۔ اس کے بعد صفر ۵۳ قبل ہجرت قمریہ شمسی کے مقابل خالص قمری تقویم کا مہینہ شعبان ۵۵ قبل ہجرت قمری تھا، پس اس کے بعد جس ربیع الاول ۵۳ قبل ہجرت قمریہ شمسی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت مبارکہ ہوئی اس کے مقابل خالص قمری تقویم کا مہینہ رمضان المبارک ۵۵ قبل ہجرت قمری تھا۔ ۵۵ قمری سالوں کے قمریہ شمسی سال ۵۳ ہوتے ہیں۔

عربوں نے نسی کا یہ طریقہ یہودیوں سے لیا تھا۔ مشہور مسلم ریاضی دان ابو ریحان البیرونیؒ نے اپنی شہرۂ آفاق کتاب الآثار الباقیہ میں اس موضوع پر تفصیل سے لکھا ہے۔ الآثار الباقیہ کے انگریزی ترجمے کا متعلقہ حصہ یوں ہے:

At the time of Paganism the Arabs used their months in a similar way to the Muslims.Their pilgrimages were wandering around through the four seasons of the year. But then they desired to perform the pilgrimage at such times as their merchandise (hides, skins, fruit etc.) Was ready for the market and to fix it according to an irreversible rule; So that it Should occur in the most agreeable & abundant seasons of the year. Therefore, they learnt the system of intercalation from the Jews of ther neighbourhood about two hundred:- years before the Hijra & they used the intercalation in a similar way to the Jews...... This went on till the time when the Prophet fled from Mecca to Madina..... Then the Prophet waited till fairwell prlgrtinage......... Thereupon the intercalation was altoge ther rejected. (48/A)

بت پرستی کے دور میں عرب ان مہینوں کو (پہلے پہل) اسی طرح استعمال کرتے تھے جیسے (آج) مسلمان کرتے ہیں۔ ان کے حج سال کے چاروں موسموں میں سے گزرتے تھے۔ پھر ان کی خواہش ہوئی کہ حج ایسے وقت پر ہوا کرے جب کہ ان کا سامان تجارت (چمڑا، کھالیں اور پھل وغیرہ) فروخت کے لئے تیار ہوں اور اسے ایسے نا قابل تغیر وتبدل ضابطے کے تحت متعین کر دیا جائے کہ حج سال کے ایسے موسموں میں ہوا کرے جو نہایت موزوں اور بار آور ہوں۔ اس لئے انہوں نے اپنے پڑوسی یہودیوں سے کبیسہ (تیرہواں مہینہ) بڑھانے کا طریقہ سیکھا۔ یہ ہجرت سے کوئی دوسو سال پہلے ہوا۔ اور وہ یہودیوں ہی کی طرح (بعض سالوں کے) مہینوں میں زائد مہینہ ڈالا کرتے تھے۔ یہ صورتِ حال چلتی رہی یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ سے مدینہ ہجرت فرمائی...... پھر آپ نے حجۃ الوداع تک انتظار فرمایا...... اس موقع پر اس طریقے کی ممانعت کر دی گئی اور اسے (آئندہ کے لئے) بالکل ترک کر دیا گیا۔

البیرونیؒ کی اسی مذکورہ بالا کتاب کا ایک اور اقتباس ملاحظہ ہو۔

Tishri in which falls the fasting kippor, that the date of

fasting was compared with the month of the Arabs & that it was fixed on the 10th day of that first month. (48/B)

تشری (یہودی تقویم کا پہلا مہینہ) جس میں یوم کپور (یوم کفارہ) آتا ہے، روزہ رکھنے کا یہ دن ایسا ہے کہ اس کا تقابل عربوں کے مہینوں سے کیا جاتا ہے، وہ یوں کہ یہ روزہ اس پہلے مہینے کی دس تاریخ کا متعین کر دیا گیا تھا۔

مذکورہ عبارت یہ ظاہر کر رہی ہے کہ یہودیوں کے پہلے مہینے تشری کی دس تاریخ عربوں کے پہلے مہینے محرم کی دس تاریخ کے مقابل ہوا کرتی تھی اور یہودی ۱۰ تشری کا روزہ رکھا کرتے تھے۔ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینے میں یہودیوں کو دس محرم (یعنی یہودیوں کی دس تشری) کا روزہ رکھتے ہوئے دیکھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دریافت فرمانے پر انہوں نے بتایا کہ یہ فرعون سے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم بنی اسرائیل کی نجات کا دن ہے۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حوالے سے) میں تمہاری نسبت اس دن کا روزہ رکھنے کا زیادہ مستحق ہوں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی یہ روزہ رکھا اور مسلمانوں کو بھی اس کا حکم صادر فرمایا۔ (۴۸/ ج) رمضان کے روزوں کے فرض ہونے سے پہلے یہ روزہ مسلمانوں پر فرض تھا بعد میں اس کی حیثیت نفلی روزے کی ہوگئی۔ اس سے صاف معلوم ہوا کہ مسلمان بھی حجۃ الوداع سے پہلے تک اسی قمریہ شمسی تقویم پر عمل پیرا تھے جو یہودیوں کی عبرانی تقویم سے ہم آہنگ تھی اور جس کی ۱۰ محرم یہودیوں کی ۱۰ تشری کے مقابل ہوا کرتی تھی۔ چناں چہ بعد میں جب رمضان کے روزے فرض ہوئے تو حجۃ الوداع سے پہلے تک روزے بھی قمری رمضان کی بجائے قمریہ شمسی رمضان میں رکھے گئے جو ہمیشہ یہودی تقویم کے مہینے ''سیوان'' اور عیسوی تقویم کے مہینوں مئی/ جون کے مقابل ہوا کرتا تھا۔ یعنی قمریہ شمسی رمضان ہمیشہ موسم گرما میں آیا کرتا تھا اور رمضان کا مادہ ''رمض'' بھی اسی گرمی کی شدت کا غماز ہے۔ البیرونیؒ کی مذکورہ عبارتوں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ہجرت سے کوئی دو سو سال پہلے سے عربوں کا حج خالص قمری تقویم کے ذی الحجہ میں ہرگز ہرگز نہیں ہوا کرتا تھا بلکہ یہ عیسوی مہینے اگست (سکندری سن کے مہینے ایلول) کے مقابل قمریہ شمسی ذی الحجہ میں ہی ہوا کرتا تھا۔ اب خوب سمجھ لیجئے (اور خلوصِ نیت سے سمجھنا مقصود ہو تو ہرگز مشکل نہیں) کہ جس ذی الحجہ میں ابرھہ والئ یمن یہ امید لگائے بیٹھا تھا کہ اس کے حکم کی تعمیل میں عرب خانہ کعبہ کی بجائے اس کے بنائے ہوئے کلیسا کا حج کریں گے تو وہ یکا یک قمری تقویم کا ذی الحجہ کیسے ہو گیا؟ اہل مکہ کی تقویم تو ہجرت سے کوئی دو سو سال پہلے سے قمریہ شمسی چلی آ رہی تھی

اوران کا ذی الحجہ ہمیشہ عیسوی مہینے اگست کے مقابل ہوا کرتا تھا۔ اس قمریہ شمسی ذی الحجہ کے متصلاً بعد کے محرم، صفر اور ربیع الاول کے مہینے بھی لامحالہ قمریہ شمسی تقویم کے ہوئے۔ ربیع الاول قمریہ شمسی عیسوی مہینے نومبر کے مقابل ہوا کرتا تھا۔ تقویم پر کسی بھی معتبر کتاب مثلاً جو ہر تقویم کو دیکھ لیجیے اس میں سال ہائے عیسوی ۵۶۹، ۵۷۰، اور ۵۷۱ کے نومبر کے مقابل آپ کو خالص قمری تقویم کے اعتبار سے رمضان کا مہینہ ملے گا۔ بتایئے اس میں کون سا شک باقی رہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادتِ مبارکہ کا ربیع الاول ہر گز ہماری موجودہ قمری ہجری تقویم کا ربیع الاول نہیں۔ یہ تو منسوخ شدہ عربوں کی دور جاہلیت کی خود ساختہ قمریہ شمسی تقویم کا ربیع الاول تھا جس کے مقابل خالص قمری تقویم کا مہینہ رمضان المبارک قمری تھا۔ خوب غور کیجیے کہ موجودہ قمری ہجری تقویم کے ربیع الاول کا صرف اسمی اشتراک کے سوا بھلا آپ کی ولادتِ مبارکہ کے قمریہ شمسی ربیع الاول سے کوئی دور دور کا بھی تعلق ہے؟ اس مہینے کو مقدس قرار دے کر اس میں میلاد النبی کے جلوسوں اور سیرۃ النبی کے سرکاری اور نجی سطح پر جلسوں کی کیا شرعی حیثیت ہے؟ ہاں یہ قمری ربیع الاول آپ کی وفات کا وہ مہینہ ہے جو حضرات صحابۂ کرام واہل بیت علیہم الرضوان کے لئے شدید ترین رنج والم اور عظیم ترین دکھ اور مصیبت کا مہینہ تھا۔ **انّ فی ذالك لذکری لمن کان له قلب او القی السمع وھو شھید.**

ابوریحان البیرونیؒ بلاشبہ اپنے وقت کے فقید المثال اور عالم اسلام کے مایۂ ناز چوٹی کے ریاضی دان تھے لیکن سیرت نگار نہیں تھے۔ انہوں نے سیرت طیبہ کے واقعات وحوادث پر گہری نظر نہ ڈالی اور اپنے طور پر ناحق یہ سمجھ لیا کہ مسلمان شروع ہی سے خالص قمری تقویم پر عمل پیرا تھے۔ اس شدید غلط فہمی کے ساتھ ریاضی میں ان کی عظیم مہارت کا لازمی اثر یہ ہوا کہ انہوں نے اپنی اس کتاب میں تمام احادیث عاشورا کا اس دلیل کی بنا پر انکار کر دیا کہ یہودیوں کی قمریہ شمسی تقویم کا پہلا مہینہ تشری ہر سال اور ہمیشہ کے لئے مسلمانوں کی خالص قمری تقویم کے پہلے مہینے محرم کے مقابل ہو ہی نہیں سکتا، کیوں کہ قمریہ شمسی اور قمری تقاویم میں تو زمین وآسمان کا فرق ہے۔

ربیع الاول اور ربیع الثانی کے مہینوں کے سلسلے میں ''ربیع'' (بہار) کے لفظ سے اہل سیر ومغازی اور دیگر اہل علم کو زبردست غلط فہمی ہوئی ہے۔ اس غلط فہمی کا ازالہ البیرونیؒ کی مذکورہ کتاب کی درج ذیل عبارت سے بہ خوبی ہو جانا چاہیے۔ اس سے دور حاضر کے اہل علم کو ربیع الاول کے مصنوعی تقدس سے باہر نکلنے میں آسانی ہوگی:

The two months "Rabi" were called so on account of the

flowers & blossoms and of the continual fall of dew & rain. All of which refes to the nature of that season which we call " Autumn " but which the Arabs called Spring " Rabi. (49/A)

ربیع کے دونوں مہینے (یعنی ربیع الاول اور ربیع الثانی) اس لئے ربیع کہلاتے تھے کہ ان مہینوں میں (جزیرۃ العرب میں) لگاتار شبنم اور بارش ہوتے رہنے کی وجہ سے پھولوں کے کھلنے اور کلیوں کے نمودار ہونے کا موسم ہوا کرتا تھا۔ یہ سب کچھ (ان مہینوں میں) اس کیفیت کی بنا پر تھا کہ جسے ہم موسم خزاں کہتے ہیں، اسے عرب موسم بہار (ربیع) کہا کرتے تھے۔

مذکورہ بالا عبارت میں البیرونیؒ نے اس شبہے کا جواب دیا ہے کہ اگر عربوں کے قمریہ شمسی محرم کا آغاز موسم خزاں سے ہوا کرتا تھا تو ربیع الاول اور ربیع الثانی کے مہینے تو لفظ ''ربیع'' کی بنا پر موسم بہار کے معلوم ہوتے ہیں۔ اس شبہے کا جواب یہ ہے کہ عربوں (کی قمریہ شمسی تقویم) کے یہ مہینے موسم خزاں سے ہم آہنگ ہوا کرتے تھے کیوں کہ ہم جسے خزاں کہتے ہیں، عرب اسی کو بہار (ربیع) کہا کرتے تھے۔ یہاں یہ یاد رہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادتِ مبارکہ کی تاریخ ۸ ربیع الاول ۵۳ قبل ہجرت قمریہ شمسی مطابق ۸ رمضان المبارک ۵۵ قبل ہجرت قمری کے مقابل عیسوی تاریخ ۴ نومبر ۵۶۹ عیسوی جیولین بہ روز سوموار کی ہوتی ہے۔ اور یہ مہینہ عربوں کے ہاں موسم بہار کا ہی سمجھا جاتا تھا۔

مذکورہ بالا مباحث سے یہ حقیقت الم نشرح ہوگئی کہ عربوں کی نسی کی رسم پر مبنی قمریہ شمسی تقویم ایک مربوط اور منظم تقویم تھی جس میں انیس سالہ دور میں عبرانی تقویم کی طرز پر تیسرے، چھٹے، آٹھویں، گیارہویں، چودھویں، سترہویں اور انیسویں سال میں کبیسہ (لیپ) کا تیرہواں مہینہ ڈالا جاتا تھا۔ صرف سال شماری کے لئے ان کے ہاں کوئی متفق علیہ سن رائج نہیں تھا۔ ایسا ہرگز نہیں ہوا کرتا تھا کہ جو بھی زور آور اور خود سر قبیلہ جب چاہے اپنی مرضی سے جس سال چاہے قمری مہینوں کو بڑھا دے۔ کبیسہ کا مہینہ مخصوص سالوں میں ڈالنے کا کام صرف اور صرف قبیلہ بنو کنانہ کے سردار کے سپرد تھا۔ جنگی مقاصد یا دیگر کسی مجبوری کی بنا پر اگر کبھی رسم نسی سے کوئی فائدہ اٹھانا مقصود بھی ہوتا تو صرف مکبوس یعنی کبیسہ والے سالوں میں کبیسہ کے مہینے کو آگے پیچھے کرنے کا مجاز صرف قبیلہ بنو کنانہ کا سردار ہی ہوسکتا تھا۔ وہ ہرگز کسی سال کو چودہ یا پندرہ ماہ کا نہیں کرتے تھے۔ صرف چند استثنائی حالات کے علاوہ کبیسہ کا تیرہواں مہینہ مکبوس سالوں میں اکثر و بیشتر محرم کے بعد محرم کو ہی مکرر لا کر ڈالا جاتا تھا۔ کچھ لوگوں نے نسی کا یہ مطلب سمجھ رکھا ہے

کہ جنگی مقاصد کی خاطر عرب مثلاً محرم کو صفر اور صفر کو محرم کی جگہ کر لیا کرتے تھے اور اس کا کوئی اصول یا ضابطہ مقرر نہیں تھا۔ یہ خیال اس لئے بھی غلط ہے کہ اس صورت میں سال کے مہینے تو بارہ ہی رہیں گے۔ قمریہ شمسی تقویم میں جیسا کہ البیرونیؒ نے اچھی طرح واضح کر دیا ہے حج کے مہینے ذی الحجہ کو دیگر قمری مہینوں کی طرح خاص موسموں میں ہمیشہ کے لئے متعین کرتے ہوئے عربوں نے اپنی قمری تقویم کو قمریہ شمسی تقویم میں بدل ڈالا تھا۔ اس مربوط و منظم تقویم اور ماہ شماری میں جنگ جو قبائل اپنی مرضی اور صواب دید سے کسی تغیر و تبدل کے مجاز نہیں تھے بل کہ اگر کسی جنگ میں اس قمریہ شمسی تقویم کے حرمت والے مہینوں کی حرمت کو پامال کیا گیا ہو تو اظہار نفرت کے طور پر ایسی جنگ کو حرب الفجار کا نام دیا جاتا تھا۔ مثلاً جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک کوئی بیس برس کے قریب تھی تو قیس اور قریش کی باہمی جنگ حرمت والے مہینے رجب (قمریہ شمسی) میں ہوئی تو اسے تاریخ میں حرب الفجار کا نام دیا گیا۔

بعض متقدمین اہل سیر و مغازی اگر چہ نسی کے صحیح اصطلاحی مفہوم سے پوری طرح باخبر تھے لیکن اس کے باوجود باہمی رابطوں کے فقدان اور دیگر وجوہ کی بنا پر وہ دو تقویمی التباس کا شکار ہوئے مثلاً موسیٰ بن عقبہؒ اور ابن اسحاقؒ نے غزوۂ خیبر کا مہینہ محرم ۷ ہجری بیان کیا تو اسے غلطی سے خالص قمری تقویم کا مہینہ سمجھ لیا۔ چناں چہ ابن کثیرؒ نے موسیٰ بن عقبہ کا قول نقل کیا ہے کہ حدیبیہ سے واپسی پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کوئی بیس روز تک مدینے میں مقیم رہے پھر غزوۂ خیبر کے لئے روانہ ہوئے، اور ابن اسحاق کا یہ قول نقل کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ذی الحجہ اور محرم کے کچھ دنوں تک مدینہ میں مقیم رہے پھر بقیہ محرم میں خیبر کے لئے روانہ ہوئے۔ (۴۹/ب) حال آں کہ اصل ناقابل تردید حقیقت یہ ہے کہ ایام حدیبیہ اور ایام خیبر میں چند دنوں یا ایک آدھ مہینے کا فرق نہیں بل کہ کوئی پانچ ماہ کا فرق ہے۔ اگر ابن سعد اور واقدی نے غزوۂ خیبر کا مہینہ جمادی الاولی ۷ ہجری بیان نہ کیا ہوتا تو اصل توقیتی حقائق ہمیشہ کے لئے ہم سے مستور رہتے۔ ایام حدیبیہ کا ذی قعدہ ۶ ہجری خالص قمری تقویم کا تھا اور غزوۂ خیبر کا محرم ۷ ہجری قمریہ شمسی تقویم کا تھا جسے موسیٰ بن عقبہ اور ابن اسحاق وغیرہ نے غلطی سے قمری تقویم کا سمجھ لیا، حال آں کہ اس کے مقابل خالص قمری تقویم کا مہینہ جمادی الاولی ۷ ہجری قمری تھا جیسا کہ ابن سعد اور واقدی نے بیان کیا ہے۔ اس کا مزید ثبوت اس سے بھی ملتا ہے کہ کسرائے ایران خسرو پرویز کے قتل کی تاریخ ابن جریر طبری اور ابن کثیر وغیرہ نے ۱۰ جمادی الاولی ۷ ہجری بیان کی ہے۔ ساتھ ہی ابن کثیرؒ نے یہ بھی لکھا ہے کہ بعض شعرا کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ خسرو پرویز کا قتل حرمت والے مہینے میں ہوا تھا۔ (۴۹/ج) ظاہر ہے کہ یہ حرمت والا مہینہ محرم ۷ ہجری (قمریہ شمسی) ہی تو ہے جو ان دنوں جمادی الاولی

۷ ہجری قمری کے مقابل تھا۔ عربوں میں حرمت والے مہینے قمریہ شمسی تقویم کے ہی محسوب ہوا کرتے تھے۔ الغرض اس طرح کی متعدد مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں کہ اہل سیر و مغازی کو عموماً اس کا علم نہیں ہوا کرتا تھا کہ وہ کسی واقعے کی جو توقیت (مہینہ، سال اور تاریخ) بیان کر رہے ہیں تو اس کا تعلق قمریہ شمسی تقویم سے ہے یا یہ توقیت قمری تقویم کی ہے۔

سوال نمبر ۲۳:

متقدمین اہل سیر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت مبارکہ کے مہینے کے متعلق ربیع الاول اور رمضان کے علاوہ محرم، صفر، ربیع الثانی اور رجب کے اقوال بھی تو ہیں۔ آخر ان کی کیا معقول توجیہہ ہو سکتی ہے؟

جواب:۔ آج کے کمپیوٹر کے اس دور میں مندرجہ بالا اقوال میں سے صحیح اور غلط کی پہچان بحمد اللہ ہمارے لئے ہرگز مشکل نہیں رہی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عیسوی تقویم میں سال ولادت ۵۶۹ عیسوی جیولین ہے۔ سال ۵۶۹۔ ۵۷۰ عیسوی کے مقابل عبرانی تقویم کا سال حسب قواعد (۵۶۹+ ۳۷۶۱)= ۴۳۳۰ خلیقہ تھا جو انیس سالہ عبرانی دور کے ۲۲۸ ویں دور کا سترہواں مکبوس (تیرہ مہینوں والا) سال تھا۔ قوی قرائن و شواہد سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ابرھہ کے متوقع حملے کے شدید خوف کے تحت ان پر آشوب ایام حج میں بنوکنانہ کے سردار یعنی ناسی کے لئے یہ فیصلہ کرنا نہایت دشوار تھا کہ کبیسہ کا مہینہ محرم کو مکرر لا کر ڈالا جائے یا اسے سال کے آخر میں ذی الحجہ کے ساتھ ذی الحجہ کو مکرر لا کر ڈالا جائے۔ اگر محرم کو مکرر لا کر کبیسہ کا مہینہ ڈالا جائے تو متعلقہ تقابلی تقویمی جدول یوں ہوگی:

عیسوی جیولین	دن	قبل ہجرت قمریہ شمسی	قبل ہجرت قمری	تاریخ قران	وقت قران
۳۰ اگست ۵۶۹ء	جمعہ	یکم محرم ۵۳ قبل ہجرت	یکم رجب ۵۵ قبل ہجرت	۲۸ اگست	۳:۴۵
۲۸ ستمبر	ہفتہ	یکم محرم (کبیسہ)	یکم شعبان	۲۶ ستمبر	۱۲:۵۳
۲۸ اکتوبر	سوموار	یکم صفر	یکم رمضان	۲۵ اکتوبر	۲۲:۴۰
۲۶ نومبر	منگل	یکم ربیع الاول	یکم شوال	۲۴ نومبر	۹:۳۱

مندرجہ بالا جدول میں کبیسہ کا مہینہ محرم کو مکرر لا کر ڈالا گیا ہے جس کی وجہ سے خالص قمری تقویم کا رمضان، قمریہ شمسی تقویم کے صفر کے مقابل ہو گیا۔ چناں چہ اس سال جن لوگوں نے اپنے طور پر کبیسہ کو

محرم کے بعد محسوب کیا تو انہوں نے ولادتِ مبارکہ کا مہینہ صفر بیان کر دیا۔ اس کے مطابق ولادتِ مبارکہ کی تاریخ ۸ صفر ۵۳ قبل ہجرت قمریہ شمسی مطابق ۸ رمضان المبارک ۵۵ قبل ہجرت قمری مطابق ۴ نومبر ۵۶۹ عیسوی جیولین بہ روز سوموار ہوئی۔ جدول میں ہم یہ بھی دیکھ رہے ہیں کہ جس محرم قمریہ شمسی میں ابرھہ نے مکہ مکرمہ پر ناکام لشکر کشی کی تھی اس کے مقابل خالص قمری تقویم کا مہینہ رجب کا تھا۔ ابرھہ کے حملے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادتِ مبارکہ زمنی ترتیب کے لحاظ سے قریب قریب کے دو اہم واقعات ہیں تو کچھ لوگوں نے اسی مناسبت سے یا غلطی سے قمریہ شمسی محرم یا قمری رجب کو ولادتِ مبارکہ کا مہینہ سمجھ لیا۔ چوں کہ ولادتِ مبارکہ کا مشہور مہینہ ربیع الاول ہی ہے، اس لئے بعض مغربی محققین نے بہ حساب کبیسہ محرم مذکورہ بالا جدول کے مطابق یکم ربیع الاول ۵۳ قبل ہجرت قمریہ شمسی کو عیسوی تاریخ ۲۶ نومبر ۵۶۹ عیسوی جیولین کے مقابل رکھتے ہوئے ولادتِ مبارکہ کی تاریخ ۹ دسمبر ۵۶۹ عیسوی جیولین برآمد کی کیوں کہ سوموار کا دن ۲ دسمبر ۵۶۹ عیسوی اور اس کے بعد ۹ دسمبر ۵۶۹ عیسوی کو ہوتا ہے اور اس پر سب کا اتفاق ہے کہ ولادتِ مبارکہ کا دن سوموار تھا۔ چناں چہ مولانا عبدالقدوس ہاشمیؒ کی تالیف تقویم تاریخی کے ابتدائی تمہیدی صفحات میں زیرعنوان ''چند یادگار تاریخیں'' ولادت مبارکہ بہ حساب کبیسہ (مکی کیلنڈر) ۹ دسمبر ۵۶۹ عیسوی لکھی ہے جو یقیناً مستشرقین وغیرہ میں سے کسی کی تخریج ہے ورنہ خود ہاشمی صاحب اس دور کے عربوں کے دو تقویمی نظام کا قائل اور معترف ہونے کے باوجود اس کی اور یہودیوں کی عبرانی تقویم کی جزئیات سے قطعاً بے خبر نظر آتے ہیں۔ جس کا واضح ثبوت یہ ہے کہ انہوں نے ۹ دسمبر ۵۶۹ عیسوی کے مقابل یہ بھی لکھا ہے ''موافق ۲۰ نیساں ۸۲۳۲ خلیقہ (یہودی)'' حال آں کہ عبرانی تقویم کا مہینہ نیساں کبھی بھی دسمبر کے مقابل نہیں ہوا کرتا بل کہ ہمیشہ مارچ / اپریل کے مقابل ہوتا ہے اور ۵۶۹ عیسوی جیولین کے مقابل عبرانی سال ۴۳۳۰ خلیقہ تھا نہ کہ ۸۲۳۲ خلیقہ جیسا کہ ہاشمی صاحب نے لکھا ہے۔ البتہ بعض اہل سیر نے سکندری تقویم کے اعتبار سے تاریخ ولادت ۲۰ نیساں ۸۸۲ سکندری بیان کی ہے۔ سکندری تقویم میں نیساں کا مہینہ ہمیشہ ٹھیک عیسوی اپریل کے مقابل ہوتا ہے اور اکتوبر سے پہلے کے مہینوں میں سکندری سال سے ۳۱۱ تفریق کرنے سے عیسوی سال برآمد ہوتا ہے۔ یوں ۲۰ نیساں ۸۸۲ سکندری کے مقابل عیسوی تاریخ ۲۰ اپریل ۵۷۱ عیسوی جیولین ہوتی ہے جو خالص قمری تقویم کے اعتبار سے ۹ ربیع الاول ۵۳ قبل ہجرت قمری بنتی ہے۔ عربوں کے دو تقویمی نظام سے بے خبر ہونے یا باخبر ہونے کے باوجود اسے ناحق نظرانداز کرنے کی بنا پر محمود پاشا فلکی مصریؒ نے بھی اسی کو ولادتِ مبارکہ کی تاریخ قرار دیا ہے، جس کے قطعاً غلط ہونے کو ہم نے ان مباحث میں سوال نمبر

۷۱ کے جواب میں اچھی طرح واضح کر دیا ہے اور ابھی اوپر سطور بالا میں بھی بتا دیا ہے کہ ہجرت سے کوئی دو سو سال پہلے سے دور جاہلیت کے عربوں کا حج ہمیشہ قمری کی بہ جائے قمریہ شمسی ذی الحجہ میں ہوا کرتا تھا اور یہ ذی الحجہ ہمیشہ عیسوی مہینے اگست کی تواریخ کے مقابل رہا کرتا تھا۔ جس ذی الحجہ قمریہ شمسی میں ابرھہ کے بنائے ہوئے مصنوعی کعبے کا عربوں نے حج نہیں کیا تھا تو اس کے بعد محرم قمریہ شمسی میں ابرھہ نے مکہ مکرمہ پر ناکام لشکر کشی کی۔ اس کے بعد کا صفر اور اس کے بعد کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادتِ مبارکہ کا ربیع الاول بھی لامحالہ قمریہ شمسی تقویم کا ہی ہوا۔ جو عیسوی مہینے نومبر کے اور مکبوس سالوں میں دسمبر کے مقابل ہوا کرتا تھا۔ لہٰذا محمود پاشا فلکی وغیرہ حضرات کا غلطی پر ہونا ہرگز مشتبہ نہیں ہے۔ تاہم اگر ولادت مبارکہ کے قمریہ شمسی ربیع الاول کو ناحق قمری تقویم کا ربیع الاول قرار دیا جائے تو بھی ولادتِ مبارکہ کا متفق علیہ سوموار کا دن ہرگز ۱۲ ربیع الاول ۵۳ قبل ہجرت قمری کو نہیں بل کہ ۹ ربیع الاول ۵۳ قبل ہجرت قمری کو ہی عقلاً ممکن ہے۔ لیکن سخت حیرت ہے کہ ہاشمی صاحب نے ولادتِ مبارکہ کی تاریخ ۱۲ ربیع الاول ۵۳ قبل ہجرت قمری بغیر کسی تحقیق کے تقویم تاریخی میں لکھ ڈالی۔ تقویم پر لکھی گئی کتاب میں ایسی سنگین غلطی نہیں ہونی چاہیے۔ جوہر تقویم مؤلفہ ضیاء الدین لاہوری میں یکم اپریل ۵۷۱ عیسوی جیولین کے مقابل قمری تاریخ ۱۸ صفر ۵۳ قبل ہجرت قمری اور یکم مئی کے مقابل قمری تاریخ ۱۹ ربیع الاول ۵۳ قبل ہجرت قمری لکھی ہے۔ اس حساب سے ۲۰ اپریل ۵۷۱ عیسوی جیولین کو قمری تاریخ ۸ ربیع الاول ۵۳ قبل ہجرت قمری اور دن سوموار ہوتا ہے۔ لیکن اسے ولادتِ مبارکہ کی تاریخ سمجھ لینا وہ غلطی ہے جس میں دور حاضر کے اکثر سیرت نگار مبتلا ہیں۔ خیر ہم یہ بیان کر رہے تھے کہ بعض مستشرقین نے مذکورہ بالا جدول کے مطابق ولادتِ مبارکہ کی عیسوی تاریخ ۹ دسمبر ۵۶۹ عیسوی جیولین لکھی ہے۔ اس کا غلط ہونا اسی سے واضح ہو رہا ہے کہ اس کے مقابل قمریہ شمسی تاریخ ۱۴ ربیع الاول ۵۳ قبل ہجرت قمریہ شمسی اور خالص قمری تقویم کی تاریخ ۱۴ شوال ۵۵ قبل ہجرت قمری بنتی ہے۔ حال آں کہ سلف وخلف میں سے نہ تو کوئی ۱۴ ربیع الاول کا اور نہ ہی ۱۴ شوال کا قائل ہے۔ ذخیرۂ احادیث میں بھی صحیح تو کیا کوئی جھوٹی روایت بھی نہ تو ربیع الاول کی فضیلت میں اور نہ ہی شوال کی فضیلت میں ملتی ہے۔ یکم شوال (عید الفطر) اور شوال کے چھ روزوں کی فضیلت اس سے مستثنیٰ ہے۔ غور کیا جائے تو یہ فضیلت بھی دراصل رمضان المبارک کے روزوں سے ہی وابستہ ہے اگر سال ولادت کے مکبوس سال میں کبیسہ کا مہینہ محرم کو مکرر لا کر نہ ڈالا جائے اور ان دنوں کے پر آشوب حالات کی بنا پر بجا طور پر یہ سمجھا جائے کہ کبیسہ کا مہینہ سال کے آخر میں ذی الحجہ کا مہینہ مکرر لا کر ڈالا گیا ہوگا تو متعلقہ مہینوں کی تقابلی تقویمی جدول یوں ہوتی ہے:

عیسوی جیولین	دن	قبل ہجرت قمریہ شمسی	قبل ہجرت قمری	تاریخ قرآن	وقت قران
۳۰ اگست ۵۶۹ء	جمعہ	یکم محرم ۵۳ قبل ہجرت	یکم رجب ۵۵ قبل ہجرت	۲۸ اگست	۳:۴۵
۲۸ ستمبر	ہفتہ	یکم صفر	یکم شعبان	۲۶ ستمبر	۱۲:۵۳
۱۲۸ کتوبر	سوموار	یکم ربیع الاول	یکم رمضان	۱۲۵ کتوبر	۲۲:۴۰
۲۶ نومبر	منگل	یکم ربیع الثانی	یکم شوال	۲۴ نومبر	۹:۳۱

مذکورہ بالا جدول دیکھیے ۔ اس میں ربیع الاول قمریہ شمسی کے مقابل خالص قمری تقویم کا مہینہ رمضان قمری ہے اور ٹھیک ۸ ربیع الاول ۵۳ قبل ہجرت قمریہ شمسی مطابق ۸ رمضان ۵۵ قبل ہجرت قمری مطابق ۴ نومبر ۵۶۹ عیسوی جیولین کو سوموار کا دن ہی ہوتا ہے۔ٹھوس عقلی ونقلی شواہد کی بنا پر یہی صحیح تاریخ ولادت ہے۔ اگر محرم کو مکرر لا کر کبیسہ کا مہینہ ڈالا جائے تو جیسا کہ ابھی اوپر سابقہ جدول میں دکھایا گیا ہے ربیع الاول قمریہ شمسی کے مقابل قمری مہینہ شوال قمری ہوتا ہے۔اگر محرم کو مکرر لا کر کبیسہ کا مہینہ نہ ڈالا جائے تو قمری عنوان کے مقابل قمریہ شمسی مہینہ ربیع الثانی ہوتا ہے جیسا کہ مذکورہ بالا جدول سے واضح ہے۔جن کا ذہن شوال قمری کی طرف گیا انہوں نے ولادت کا قمریہ شمسی مہینہ ربیع الثانی بیان کر دیا جس کا صحیح نہ ہونا از خود واضح ہے۔الغرض مذکورہ بالا بحث سے معلوم ہوا کہ ولادت مبارکہ کا مہینہ ربیع الاول قمریہ شمسی ہے۔اگر محرم کو مکرر لا کر کبیسہ کا مہینہ ڈالا جائے تو پھر ولادت مبارکہ کا مہینہ صفر قمریہ شمسی ہے۔دونوں صورتوں میں ان کے مقابل خالص قمری تقویم کا مہینہ رمضان المبارک ہی ہے۔دیگر اقوال کا صحیح نہ ہونا از خود واضح ہے۔

فتدبرو تشکر

حوالہ جات

۱۔ (الف) سیرۃ ابن ہشام: ج۱،ص۴۴۔۴۶ (ب) التوبۃ: ۳۷ (ج) تفسیر کبیر امام رازیؒ ۱۶/ ۴۹، دار احیاء التراث العربی بیروت (لبنان) الطبعۃ الثالثۃ۔

۲۔ (الف) تفسیر ثعالبی الموسوم بجواھر القرآن فی تفسیر القرآن: ج۲،ص۱۲۸ (ب) مختصر تفسیر ابن کثیرؒ اختصار و تحقیق محمد علی الصابونی، دار القرآن الکریم، بیروت (لبنان) حاشیہ: ص۱۴۳، ج۲ (ج) جمع الفوائد: ج۲، ص۱۷۳، حدیث رقم ۶۹۹۷

۳۔ (الف) مسند الامام الربیع بن حبیب صفحہ ۲۳۰ (ب) علامہ سہیلیؒ الروض الانف: ج۱،ص۱۴۱ (ج) تفسیر ابن

کثیرؒ: ج۳،ص۳۹۴۔۳۹۵

۴۔ (الف) طبقات ابن سعد: ج ۲،ص ۱۸۶ (ب) ابوریحان البیرونیؒ/ الآثار الباقیہ کا انگریزی ترجمہ ''دی کرونولوجی آف دی اینشنٹ نیشنز'' پاکستان ہجرہ کونسل طبع ۱۹۸۳ء صفحات ۳۔۴۷ (ج) ایضاً ص ۳۲۷

۵۔ (الف) جمع الفوائد جلد اول، احادیث رقم ۲۹۷۸، ۲۹۸۰۔۲۹۸۱، ۲۹۸۴ (ب) دی کرونولوجی آف دی اینشنٹ نیشنز (انگریزی ترجمہ الآثار الباقیۃ البیرونیؒ) ص ۱۴۱ (ج) ایضاً ص ۶۹۔۷۰

۶۔ (الف) قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوریؒ/ رحمۃ للعالمین ۲/ ۳۹۹، طبع الاول ذی الحجہ ۱۴۱۱ ہجری، دارالاشاعت، اردو بازار، کراچی (ب) مولانا عبدالقدوس ہاشمیؒ/تقویم تاریخی، تمہیدی صفحات ش، ت، طبع دوم ۱۴۰۷ ہجری/ ۱۹۸۷عیسوی، ادارہ تحقیقاتِ اسلامی، اسلام آباد (پاکستان) (ج) ضیاء الدین لاہوری/ جوہر تقویم صفحات ۲۵۷، ۲۵۹، طبع الاول ۱۹۹۴ء، ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور

۷۔ (الف) مولانا عبدالرحمٰن کیلانی/ الشمس والقمر بحسبان صفحات ۲۱۔۲۲، طبع الاول ۱۴۱۳ھ/۱۹۹۲ء، مکتبۃ السلام، وسن پورہ، لاہور (ب) کولیرز انسائیکلوپیڈیا طبع ۱۹۸۶ء ص ۱۳۹، زیرعنوان ''مسلم کیلنڈر (ج)، انسائیکلوپیڈیا برمانیکا طبع ۱۹۷۳۔۱۹۷۴ء، جلد دھم ص ۲۱۸، زیرعنوان ''جیولش کیلنڈر''

۸۔ (الف) اے شارٹر انسائیکلوپیڈیا آف اسلام مرتبہ ایچ۔اے۔آر گب و جے۔ایچ کریمرز طبع ۱۹۵۳ء، زیر عنوان ''رمضان'' (ب) ایضاً ص ۴۰۹، زیرعنوان ''محرم'' (ج) ایضاً زیرعنوان ''رجب''

۹۔ (الف) دکتور محمد بن محمد ابوشھبۃ/ السیرۃ النبویۃ فی اضواء القرآن والسنۃ، طبع ہفتم ۱۴۲۴ھ/ ۲۰۰۳ء دارالقلم دمشق جلد اول ص ۱۳۹ (ب) البیرونیؒ/ الآثار الباقیہ کا انگریزی ترجمہ دی کرونولوجی آف دی اینشنٹ نیشنز ص ۱۷ (ج) جمع الفوائد: ج ۲،ص ۱۷۳، حدیث رقم ۶۹۹۷

۱۰۔ (الف) علامہ سُہیلیؒ۔ الروض الانف: ج ۱،ص ۱۴ (ب) دی کرونولوجی آف دی اینشنٹ نیشنز ص ۵۵ (ج) ایضاً ص ۱۶۸

۱۱۔ (الف) البیرونیؒ کو میموریٹو والیوم طبع ۱۹۷۹ء شائع کردہ ہمدرد اکیڈمی کراچی، زیرعنوان ''کل جگ'' (ب) انسائیکلوپیڈیا ریلیجن ورجینیس ٹرم، دی فلاسفیکل لائبریری، نیویارک، طبع ۱۹۷۹ء، زیرعنوان ''کرسمس'' (ج) ابن کثیر ۱۱۱ دمشقی/ البدایۃ والنہایۃ تحقیق عبدالوہاب فتیح، دارالحدیث القاہرہ (مصر) الطبعۃ الاولیٰ ۱۴۱۳ھ/ ۱۹۹۲ء جلد پنجم صفحات ۳، ۴، ۲۹ المحبر لابی جعفر محمد بن حبیب البغدادی التوفی ۲۴۵ ہجری، دارالنشر الاسلامیۃ ۲، شارع شیش محل، لاہور، ص ۱۱۶

۱۲۔ (الف) التوبۃ ۔۸۱ (ب) بنی اسرائیل ۱۲ (ج) انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا جلد سوم بہ عنوان ''کیلنڈر ان جیوئش ہسٹری''

۱۳۔ (الف) ابن حبیب بغدادی۔ المحبر: ص ۱۱۱ (ب) طبقات ابن سعد: ۲/ ۹، المغازی للواقدی ۱/ ۱۲ (ج) طبقات ابن سعد: ج ۲،ص ۳۴، المغازی للواقدی ۱/۱۹۳ (د) سیرۃ ابن ہشام ۳/ ۴۹ (ھ) طبقات ابن سعد: ج ۲،ص ۳۶، المغازی للواقدی: ج ۱،ص ۱۹۳

۱۴۔ (الف) البدایۃ والنہایۃ جلد چہارم صفحہ ۵ (ب) المغازی للواقدی: ج ۲، ص ۴۷۔۴۸ (ج)

۱۵۔ (الف) ابن حبیب۔ المحبر: ص ۱۱۸ (ب) طبقات ابن سعد: ج ۲، ص ۵۹، المغازی للواقدی ۱/ ۳۸۴ (ج) المحبرّ ص ۱۱۳

۱۶۔ (الف) طبقات ابن سعد: ج ۲، ص ۹۳، المغازی للواقدی ۲/ ۵۶۸ (ب) نقوش سیرت نمبر جلد دوم ص ۱۷۶، مدیر محمد طفیل، طبع دسمبر ۱۹۸۲ء، ادارہ فروغ اردو، لاہور (بہ حوالہ ابن اسحاق) (ج) طبقات ابن سعد: ج ۲، ص ۱۰۶، المغازی للواقدی: ج ۲، ص ۶۳۴ (د) سیرۃ ابن ہشام: ج ۳، ص ۳۴۲

۱۷۔ (الف) طبقات ابن سعد: ج ۲، ص ۶، المغازی للواقدی جلد ول ص ۲ (ب) طبقات ابن سعد: ج ۱، ص ۲۲۸ (ج) طبقات ابن سعد: ج ۲، ص ۹۵، المغازی للواقدی: ج ۲، ص ۵۷۳

۱۸۔ (الف) جمع الفوائد جلد اول حدیث رقم ۳۳۴۹ (ب) طبقات ابن سعد: ج ۲، ص ۱۵۰، المغازی للواقعدی: ج ۱، ص ۶، ایضا: ج ۳، ص ۸۸۹ (ج) طبقات ابن سعد: ج ۲، ص ۱۵۶

۱۹۔ (الف) المغازی للواقدی: ج ۳، ص ۸۸۹ (ب) ایضاً: ج ۳، ص ۲۰۷ (ج) جمع الفوائد جلد اول احادیث رقم ۳۰۳۳ تا ۳۰۳۶

۲۰۔ (الف) طبقات ابن سعد: ج ۲، ص ۱۳۱ (ب) المغازی للواقعدی: ج ۲، ص ۳۷۷ (ج) البدایۃ والنہایۃ: ج ۴، ص ۱۶۸

۲۱۔ (الف) البدایۃ والنہایۃ: ج ۴، ص ۳۶۴، ایضاً: ج ۵، ص ۲۹۳ (ب) رحمۃ للعالمین: ج ۲، ص ۱۰۶ (ج) ایضاً

۲۲۔ (الف) ایضاً (ب) البدایۃ والنہایۃ: ج ۵، ص ۳، ۴، ۲۹۔ المحبرّ ص ۱۱۶ (ج) المغازی للواقدی: ج ۳، ص ۱۰۲۵

۲۳۔ (الف) التوبہ۔۸۱ (ب) جمع الفوائد جلد اول حدیث رقم ۲۹۰۰ (ج) جمع الفوائد: ج ۲، ص ۱۱۵، حدیث رقم ۶۶۸۰

۲۴۔ (الف) طبقات ابن سعد: ج ۲، ص ۱۶۹، المغازی للواقدی: ج ۳، ص ۱۰۷۹ (ب) السیرۃ عالمی: شمارہ ۱، ۲، ۱۰۔۱۴، ۱۶ (ج) البدایۃ والنہایۃ: ج ۵، ص ۳۹، طبقات ابن سعد: ج ۸، ص ۲۵

۲۵۔ (الف) البدایۃ والنہایۃ: ج ۵، ص ۴۶۔۴۸ بہ حوالہ بخاری و مسلم، احمد، ابوداؤد الطیاسی (ب) البقرۃ: ۱۴۳ (ج) التوبۃ: ۳۷

۲۶۔ (الف) جمع الفوائد: ج ۱، ص ۳۱۲، حدیث رقم ۳۰۹۸ (ب) تنظیم الاشتات شرح مشکوٰۃ ص ۴۹۔۵۰، دار الاشاعت اردو بازار۔ کراچی (ج) مختصر تفسیر ابن کثیرؒ اختصار و تحقیق محمد علی الصابونی: ج ۳، ص ۶۵۹۔۶۶۰

۲۷۔ (الف) ایضاً (ب) جمع الفوائد: ج ۱، ص ۳۱۲، حدیث رقم ۳۰۹۸ (ج) طبقات ابن سعد: ج ۲، ص ۹، المغازی للواقدی: ج ۱، ص ۱۲۔ المحبر الدین حبیب البغدادی: ص ۱۱۱

۲۸۔ (الف) طبقات ابن سعد: ج ۲، ص ۱۲، المغازی للواقدی: ج ۱، ص ۱۹، المحبر ص ۱۱۱، تہذیب سیرۃ ابن کثیرؒ ص ۲۶۷، مروان کجک، دار اطیبۃ للنشر والتوزیع الریاض (سعودی عرب) الطبعۃ الاولیٰ ۱۴۱۹ ہجری/ ۱۹۹۸ میلادی

(ب) ابن حبیب/ المحبر ص ۱۱۱، ابن کثیرؒ/ الفصول فی سیرۃ الرسول دار ابن کثیر دمشق/ بیروت/ مکتبہ دار التراث المدینۃ المنورۃ ص ۱۴۰ (ج) طبقات ابن سعد: ج ۲، ص ۲۸۔ ۲۹، المغازی للواقدی: ج ۱، ص ۱۷۶

۲۹۔ (الف) طبقات ابن سعد: ج ۲، ص ۳۰، المغازی للواقدی: ج ۱، ص ۱۸۱ (ب) جمع الفوائد جلد اول حدیث رقم ۳۰۱۱ بہ حوالہ مسلم، ابوداؤد، نسائی (ج) جمع الفوائد: ج ۱، ص ۲۹، حدیث رقم ۱۵۵

۳۰۔ (الف) کولیرز انسائیکلو پیڈیا ۶/ ۴۰ بہ عنوان ''کرمس'' (ب) انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا: ج ۲، ص ۹۰۳ بہ عنوان ''کرمس'' (ج) حق: ۳

۳۱۔ (الف) الاحزاب۔ ۵۷ (ب) البدایۃ والنہایۃ: ج ۲، ص ۲۶۵ (ج) ابن حبیب/ المحبر ص ۱۱۲

۳۲۔ (الف) البدایۃ والنہایۃ: ج ۲، ص ۲۶۷ (ب) شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ/ ماثبت بالسنۃ فی اعمال السنۃ (عربی) ص ۲۸۸ (ج) البدایۃ والنہایۃ: ج ۲، ص ۲۶۵، سیرۃ ابن ہشام: ج ۱۶۷۱، حاشیہ (د) البدایۃ والنہایۃ جلد ۴ صفحہ ۵ بہ حوالہ ابن اسحاق

۳۳۔ (الف) طبقات ابن سعد: ج ۲، ص ۱۳۱ (ب) البدایۃ والنہایۃ ۴/ ۱۶۸ (ج) طبقات ابن سعد: ج ۲، ص ۱۵۰، المغازی للواقدی: ج ۳، ص ۸۸۹

۳۴۔ (الف) طبقات ابن سعد: ج ۲، ص ۱۵۶ (ب) علامہ شبلیؒ/ سیرۃ النبی: ج ۱، ص ۵۳۳، محمد سعید اینڈ سنز تاجران کتب، قرآن محل، مولوی مسافر خانہ کراچی (ج) طبقات ابن سعد: ج ۲، ص ۱۵۶

۳۵۔ (الف) تہذیب سیرۃ ابن کثیرؒ ص ۵۱۴ (ب) البدایۃ والنہایۃ ۵/ ۲۹، المحبر ص ۱۱۶، تہذیب سیرۃ ابن کثیرؒ ص ۵۱۴، ۵۱۷ (ج) علامہ شبلیؒ/ سیرۃ النبی: ج ۱، ص ۵۶۳

۳۶۔ (الف) طبقات ابن سعد: ج ۲، ص ۵۵، المغازی للواقدی: ج ۱، ص ۳۵۷ (ب) المغازی: ج ۱، ص ۳۵۸، البدایۃ والنہایۃ: ج ۴، ص ۶۹ بہ حوالہ ابن ہشام (ج) المغازی للواقدی: ج ۱، ص ۳۴۹، صفی الرحمن مبارک پوریؒ/ الرحیق المختوم اردو ص ۳۹۹ حاشیہ ۵، المکتبۃ السلفیہ، شیش محل روڈ۔ لاہور

۳۷۔ (الف) صفی الرحمن مبارک پوریؒ/ الرحیق المختوم ص ۳۹۶، ۳۹۸ (ب) منصور پوریؒ/ رحمۃ للعالمین ۱/ ۱۲۳ (ج) علامہ شبلیؒ سیرۃ النبی ۱/ ۳۹۲

۳۸۔ (الف) مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ/ سیرۃ المصطفیٰ: ج ۲، ص ۲۵۸، ۲۶۱، فرید بک ڈپو، دہلی (بھارت) طبع جون ۲۰۰۱ء (ب) البدایۃ والنہایۃ: ج ۵، ص ۳۹، طبقات ابن سعد: ج ۸، ص ۲۵ (ج) منصوری پوریؒ/ رحمۃ للعالمین: ج ۲، ص ۱۱۷، مبارک پوریؒ الرحیق المختوم ص ۵۹۱

۳۹۔ (الف) طبقات ابن سعد: ج ۲، ص ۶، المغازی للواقدی جلد اول صفحہ ۲ (ب) طبقات ابن سعد: ج ۲، ص ۱۲، ۲۱، المغازی للواقدی: ج ۱، ص ۹، تہذیب سیرۃ ابن کثیرؒ ص ۲۶۷، المحبر لابن حبیب بغدادی ص ۱۱۱ (ج) منصور پوریؒ/ رحمۃ للعالمین: ج ۲، ص ۴۱۱

۴۰۔ (الف) ابن حبیب بغدادی/ المحبر ص ۱۱۱ (ب) البدایۃ والنہایۃ: ج ۵، ص ۲۴۵۔ ۲۴۶ (ج) طبقات ابن

سعد: ج ا،ص ۲۱۳ (د) البدایۃ والنہایۃ: ج ۵، ص ۲۴۲۔۲۴۳

۴۱۔ (الف) فقیہ العصر مفتی رشید احمد لدھیانوی/ احسن الفتاوی ج ۲، ص ۳۶۸، ایچ۔ ایم سعید کمپنی، ادب منزل، پاکستان چوک۔ کراچی، طبع سوم ۱۴۰۷ ہجری (ب) البدایۃ والنہایۃ: ج ۵، ص ۱۰۷ (ج) ایضاً: ج ۵، ص ۱۰۸

۴۲۔ (الف) طبقات ابن سعد: ج ۲، ص ۱۷۳، ۱۷۵ (ب) المغازی للواقدی: ج ۳، ص ۱۱۰۱ (ج) ایضاً: ج ۳، ص ۸۸۹

۴۳۔ (الف) ابو ریحان البیرونیؒ/ الآثار الباقیہ کا (انگریزی ترجمہ دی کرونولوجی آف دی اینشنٹ نیشنز محصلہ صفحات ۷۶ تا ۸۱ (ب) البدایۃ والنہایۃ: ج ۳، ص ۱۵۵، تہذیب عبرۃ ابن کثیر ص ۱۷ بہ حوالہ مصنف ابن ابی شیبۃ (ج) البدایۃ والنہایۃ: ج ۴، ص ۳۵۵

۴۴۔ (الف) مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ/تفسیر معارف القرآن: ج ۳، ص ۳۲۷ (ب) مولانا مفتی محمد شفیعؒ/تفسیر معارف القرآن: ج ۴، ص ۳۷۱ (ج) تفسیر روح المعانی: ج ۱۰، ص ۹۳، تفسیر ابوالسعود العمادی: ج ۴، ص ۶۴ دار احیاء التراث العربی، بیروت

۴۵۔ (الف) مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ/تفسیر معارف القرآن: ج ۳، ص ۳۲۷

۴۶۔ (الف) طبقات ابن سعد: ج ۲، ص ۱۵۶ (ب) تہذیب سیرۃ ابن کثیر ص ۵۱۴ (ج) بنی اسرائیل۔ ۳۶

۴۷۔ (الف) امام رازیؒ/تفسیر کبیر: ج ۱۶، ص ۴۹۔۵۰ (ب) ایضاً: ج ۱۶، ص ۵۶ (ج) البدایۃ والنہایۃ: ج ۴، ص ۲۹۳/۵، ۳۶۴

۴۸۔ (الف) البیرونیؒ/ الآثار الباقیہ کا انگریزی ترجمہ دی کرونولوجی آف دی اینشنٹ نیشنز ص ۷۳۔۷۴ (ب) ایضاً ص ۳۲۷ (ج) جمع الفوائد جلد اول حدیث رقم ۲۹۸۱

۴۹۔ (الف) دی کرونولوجی آف دی اینشنٹ نیشنز (انگریزی ترجمہ الآثار الباقیہ البیرونیؒ) صفحہ ۱۷ (ب) البدایۃ والنہایۃ: ج ۴، ص ۱۸۱ (ج) ایضاً: ج ۴، ص ۲۶۵